نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

شمارہ ۱۶

فروری ۲۰۰۴ء

مرتب

اس شمارے کی قیمت

پاکستان : 150/روپے

بیرونِ ملک

(بذریعہ ایئرمیل)

سعودی عرب	:	25 ریال
یو اے ای	:	30 درہم
امریکا	:	10 ڈالر
برطانیہ	:	7 پاؤنڈ

سرورق پر نمونۂ خطاطی

ناشر

CONTACT

Aqleem-e-Naat

Kitab Market

Urdu Bazar, Karachi

Pakistan.

Tel : (92-21) 6901212

Fax : (92-21) 4941723

E-mail : naatrang@yahoo.com

مرتب و ناشر صبیح رحمانی نے فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ سے چھپوا کر مرکزی دفتر اقلیم نعت

۲۰۱۔ ای، صائمہ ایونیو، سیکٹر ۱۴ بی، شادمان ٹاؤن نمبر۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ سے شائع کیا۔

نامور محقق و نقاد پروفیسر شفقت رضوی کی چوبیسویں کتاب

شائع ہوگئی ہے

صفحات ۴۳۲ قیمت ۲۲۰/روپے

ناشر: مہر منیر اکیڈمی انٹرنیشنل

﴿ ملنے کا پتا ﴾

اکادمی بازیافت، اردو بازار، کراچی

کتاب سرائے، اردو بازار، لاہور

فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

جناب شفقت رضوی کے بارے میں جب میں سوچتا ہوں تو "اسکالر جپسی" کے الفاظ لوحِ ذہن پر چمکنے لگتے ہیں۔ معاوضہ اور سود و زیاں کے اس دور میں کتنے ہی اہلِ علم ہیں اور معاوضہ جو نفع نقصان کے ہر تصور سے بیگانہ ہوکر علمی و ادبی کام کرتے ہیں۔ شفقت رضوی کے علاوہ اور کوئی نام آپ کے ذہن میں آئے تو مجھے مطلع کیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

شفقت صاحب نے ادب کے کئی گوشوں کو منور کیا ہے۔ دکنی دور کے کئی اکابر پر انھوں نے کام کیا اور سراج اورنگ آبادی پر ایک مستقل کتاب ہمارے ادب کو دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سراج کی طرح وہ بھی "شاخِ نہالِ غم" کے امین ہیں۔ ہمارے ادب کے درویشِ اعظم حسرت موہانی پر انھوں نے جتنا اور جیسا کام کیا ہے اُس میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

"نعت رنگ" کے حوالے سے وہ نعتیہ ادب کے نقادوں میں شامل ہوئے۔ انھوں نے اس میدان میں تحقیق اور تنقید کو جس طرح ہم آہنگ کیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ وہ محقق نقاد ہیں۔ شفقت صاحب جس شاعر اور نقاد کے بارے میں لکھتے ہیں اُس پر خود اپنی تفہیم کے در کھلتے ہیں۔ وہ اتفاق اور اختلاف میں بھی ادب کے مطالبوں کو اپنی ذات سے اوپر رکھتے ہیں۔ اُن کے ہاں ایک عالمانہ ہمدردی بھی ہے جو کہیں کہیں مجروح ہوجاتی ہے۔

"نعت رنگ" کے پندرہ شماروں کا "تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ" ایک تنقیدی جائزہ ہے اور اس سے ایسے جائزوں کا ایک نیا عہد شروع ہوتا ہے۔ یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے کہ "نعت رنگ" کو بے مثال اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ جائزے کے ساتھ ساتھ "نعت رنگ" کا اشاریہ بھی شامل کتاب ہے۔ اس طرح شفقت رضوی نے ذہن کی جودت میں محنت کے پسینے کا رنگ شامل کردیا ہے۔

شفقت صاحب کا کمال یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں وہ اُن کا خاص موضوع معلوم ہونے لگتا ہے۔ خدا اُن کی عمر اور قلم میں برکت دے اور قلم کی روانی کو برقرار رکھے۔

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی
سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ کراچی

دھنک

مقالات و مضامین

☆......☆

فکر و فن

نعت گو شعرا کے قابلِ ذکر تذکرہ نگاروں

فانی مراد آبادی

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری

محمد الدین فوق

محمد محفوظ الرحمٰن

سیّد یونس شاہ گیلانی

گوہر ملسیانی

نور احمد میرٹھی

ڈاکٹر سیّد لطیف حسین ادیب

ڈاکٹر شمس بدایونی

علیم صبا نویدی

حمایت علی شاعر

سیّد محمد قاسم

محمد سلیم چودھری

قمر رعینی

محمد صادق قصوری

اور

شاکر کنڈان

کے نام

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ

حمدِ باری تعالیٰ

ترجمہ منظوم علامہ سیفی فرید آبادی نور اللہ مرقدہ

حمدیکہ ہمچو بحرِ کرم بیکراں بود — حمد اس کی مثلِ بحرِ کرم بے کراں بنے
حمدیکہ شکر نعمتِ ہر دو جہاں بود — ایسی کہ شکر نعمتِ ہر دو جہاں بنے
حمدیکہ در تضاعفِ ذرّات کائنات — ذرّاتِ نقشِ کن سے زیادہ ہے اس کی حمد
چند انکہ مستزاد کنی بیش ازاں بود — جتنا بڑھائیں اس سے سوا بے گماں بنے
حمدیکہ بدان مثا بہ کہ ادراکِ کنہ آن — وہ حمد مثلِ جس کی نہیں ماہیت شعور
برتر ز پایۂ خرد خردہ داں بود — بیرونِ حیطۂ خرد انس و جاں بنے
حمدیکہ چون عماریِ عزت کند رواں — وہ حمد گر عماریِ عزت رواں بنے
بر منکبِ ملائکہ حکمش رواں بود — قدوسیانِ حکم سے زائد رواں بنے
حمدیکہ در ہوای ہویت ہمای وار — حمد اس کی مثلِ طیرِ ہما جستجو کے وقت
برتختِ گاہِ ملکِ قدم سایہ باں بود — برتخت گاہِ ملک قدم بے نشاں بنے
حمدیکہ ظلِ رافتش اربر کسے فتد — اُس حمد کے علم کا جو سایہ کسی پہ ہو
برمسندِ مقاصد خود کامراں بود — مسند نوازِ مقصد خود کامراں بنے
حمدیکہ چوں ز حیطہ جاں سربروں کند — نکلے حصارِ جان سے باہر جو اس کی حمد
ہر تار موی برتنِ ازاں صد زباں بود — اس تن کا بال بال مرا سو زباں بنے
حمدیکہ چوں قدم کشد از ضیق کن فکاں — اِس تنگ نائے کن سے جو نکلے وہ حمدِ پاک
جولا نگہش بنا حیتِ لامکاں بود — میدانِ کار خاصیت لامکاں بنے

حمدیکہ چوں زباں دہدش زیورِ بیاں
زیور بیاں کا حمد کو دے دے اگر زباں

تحسینِ قدسیاں ہمہ نعم البیاں بود
تحسین قدسیاں ہمہ نعم البیاں بنے

حمدیکہ در ہواش ملائک فگندہ پر
جس کی فضائے حمد میں قاصر ہیں قدسیاں

آں خود چہ جای حوصلۂ انس و جاں بود
کیسے مقامِ حوصلۂ انس و جاں بنے

حمدیکہ نہ ملک کند انشانہ انس و جاں
اس حمد کو بیان کیا انس و جاں نے جب

بل خود بذاتِ خود متصدیِ آں بود
اپنے ہی قیل و قال میں خود بدگماں بنے

بادا نثار بارگہِ قدس کبریا
ہو جانثار بارگہِ قدس کبریا

کان مقصد محامد قدوسیاں بود
تا مقصد محامد قدوسیاں بنے

آن حمد ناقصیکہ بگویند بندگاں
کیسی بھی حمد کیجیے ناقص ہے ناتمام

کی در خور خدایِ حقِ عز و شاں بود
کیوں لائق خدائے حقِ انس و جاں بنے

لا احصی ست تحفۂ خاصاں در آنجناب
عجز ادا ہی تحفۂ خاماں ہے جس جگہ

ایں گفتگو چہ لائق آں آستاں بود
اس کی جناب میں سخنِ بے زباں بنے

در اوجِ کبریاش فگندست بالِ عجز
وہ بھی تو اوج حمد میں بے بال و پر ہوئے

آن شاہباز قدس کہ عرش آشیاں بود
وہ شاہباز قدس کہ عرش آستاں بنے

اوبی نشان محض چہ جوئی ازو نشاں
وہ بے نشاں محض ہے اس کا نشاں نہ ڈھونڈ

ہر ذرّہ بر خدائیِ او صد نشاں بود
بننے کو ذرّہ ذرّہ میں سو سو نشاں بنے

از مطلع وجود چو نور قدم بتافت
تاباں کرے جو نورِ قدم مطلعِ وجود

از ظلمتِ حدوث چہ نام و نشاں بود
کیوں ظلمت حدوث بے نام و نشاں بنے

تا حسنش از دریچۂ ہستی نمود رخ
جھانکا وہ حسن غرفۂ ہستی سے اس لیے

زیں گفتگو بہر سر کو داستاں بود
یہ ذکر ہر زبان پہ اک داستاں بنے

ز آئینۂ وجود نماید بآب و خاک
آئینہ وجود سے پیدا بآب و خاک

آن صورتیکہ معنی روح و رواں بود	وہ نقش ہے کہ معنیِ روحِ رواں بنے
اندر دہانِ خاک نہد نفسِ ناطقہ	رکھا دہانِ خاک میں وہ نفس ناطقہ
تا از زبانِ غیب ترا ترجماں بود	تا کہ زبان غیب تری ترجماں بنے
گنجی کہ شاہِ عشق نہد در دلِ خراب	دولتِ دل خراب میں رکھے جو شاہِ عشق
نقدو و کون در عوضش رائگاں بود	اس کا بدل متاعِ دو عالم کہاں بنے
ہرہفت دوزخ از تف دل یک شرارہ است	ساتوں جہنم ایک شرارۂ تنورِ دل
ہر ہشت خلد یک گل ازین بوستاں بود	دل کے چمن کا پھول ہے آنسوں جناں بنے
دیو و ملک بنقطۂ دل در تنازع اند	دل میں مقیم دونوں ہیں، سلطان و دیوبد
چون سعد و نحس کش بفلک اقتراں بود	جیسے کہ سعد و نحس کی بزم آسماں بنے
عقل و ہوا فرشتہ و دیوند در نہاد	شیطان ہے نفس، عقل فرشتہ سرشت ہے
با جسم و جان نشانِ بشکل تواماں بود	دونوں کے جسم و جان سے یہ جسم و جان بنے
جا نرا بزیر حکمت و تن راز شہوت ست	جاں زیرِ حکم، جسم کو رکھ بھول کا شکار
نقصان این مقوی و رجحان آں بود	نقصانِ جسم، قوت و رجحان جاں بنے
کم خورد نست مایۂ حکمت دران فزای	ہے قلتِ طعام بڑی دولت اے حکیم
سودِ دلست گرچہ کہ تن را زیاں بود	دل کا یہ سود اور بدن کا زیاں ہے
تن مرکبیست بستہ بر آخر ز بہر رزم	بہر و غائے مرکبِ تن، اپنے تھان پر
آن بہ کہ روز معرکہ لاغر میاں بود	لاغر بنے تو صف شکن باغیاں بنے
دل چیست درّ بحرِ صفا دان کراسزد	کس کے لیے یہ گوہر بحرِ صفا ہے دل
آنرا کہ چون صدف ہمہ تن استخواں بود	ان کے لیے جو مثل صدف استخواں بنے
جاں چوں مسیح گر رہد از مہدِ مریمی	مثلِ مسیح جان جو مریم عطا کرے
با روحِ قدس تا بفلک ہم عناں بود	جبریل اس کا ہم سفر آسماں بنے

D:NaatRang-16
File: Naat
Final

ہر کس کہ پا بدامن ہمت کشد چو کوہ
از تند باد حاشہ اندر اماں بود

جو ہیں گرفتہ دامن ہمت، مثال کوہ
طوفان حادثہ سے محلِ اماں بنے

در محنتِ فراق چوں دل میر و دزدست
در لذتِ وصال بہ بیں تا چہ ساں بود

دردِ فراق ہی میں جو دل سے گیا کوئی
پھر لذتِ وصال میں کیوں سرگراں بنے

و آنرا کہ دیدہ تر بود از آتشِ دروں
چوں ابر بر بساط جہاں در فشاں بود

سوز درونِ دل سے ہوئی جس کی چشم تر
دنیا پہ مثلِ ابرِ کرم دُر فشاں بنے

از ذرّہ ذرّہ اش بچکد قطرہ قطرہ خوں
باہر دلیکہ عشق تو در امتحاں بود

ہر ذرّہ ان کے تن کا ہو فوراً لہو
جن کا یہ عشق ممتحنِ امتحاں بنے

ہر مرہمی ز غیر تو بر دل جراحت ست
زخمی کہ از تو میر سد آرامِ جاں بود

مرہم لگائے غیر تو دل زخم خوردہ ہو
تم زخم بھی لگاؤ تو آرامِ جاں بنے

یارب بحق سیّدِ کونین مصطفٰے ﷺ
کش جسم و جان خلاصۂ کون و مکاں بود

یارب بحق سیّد کونین مصطفٰی ﷺ
وہ شاہ، جو خلاصۂ کون و مکاں بنے

شاہی کہ تخت سلطنتش گر دے زنند
قدرش فراز مملکت کن فکاں بود

وہ بادشاہ جو تختِ حکومت نواز ہو
زینہ نوردِ شوکتِ نو آسماں بنے

آں خواجہ کز حریمِ حرم تا فضای قدس
گاہِ عروج نہ فلکش نردباں بود

وہ خواجہ جو حرم سے گیا تا فضائے قدس
کاخِ عروج ہفتِ فلک نردباں بنے

نومید چون شود دل و جانِ امیدوار
جای کہ رحمت و کرم بیکراں بود

نومید کیوں بنے دل و جانِ امیدوار
اور اس جگہ جہاں، کرم بے کراں بنے

دارد معیّن برحمتِ بے منتہائے تو
امید ازاں زیادہ کہ اندر گماں بود

اُمید ہے معیّن کو اے رحمتِ تمام
اُس سے زیادہ جتنا کہ وہم و گماں بنے

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ترجمہ منظوم سیفی فرید آبادی نور اللہ مرقدہ

در جاں چو کرد منزل جانانِ ما محمد ﷺ
جب سے مقیم جاں ہے، جاناں رسولِ برحق

صد در کشاد در دل از جانِ ما محمد ﷺ
سو در کھلے ہیں دل سے تا جاں رسولِ برحق

ما بلبلیم نالاں در گلستانِ احمد ﷺ
ہم عندلیب نالاں گلزار مصطفےٰ ﷺ ہیں

ما لولوئیم و مرجان عمانِ ما محمد ﷺ
ہم لولیانِ مرجان، عماں رسولِ برحق

مستغرق گناہیم ہر چند عذر خواہیم
مستغرق گنہ ہوں، توبہ بھی کر رہا ہوں

پژمردہ چون گیاہیم بارانِ ما محمد ﷺ
پژمردہ مثلِ سبزہ، باراں رسولِ برحق

از درد زخمِ عصیان ما را چہ غم چو سازد
عصیاں کے زخم سے ہم بے غم ہوئے جب اس کا

از مرہم شفاعت درمانِ ما محمد ﷺ
مرہم بنی شفاعت، درماں رسولِ برحق

امروز خونِ عاشق در عشق اگر ہدر شد
عاشق کا عشق میں خوں گر آج بہہ رہا ہے

فرد از دوست خواہد تاوانِ ما محمد ﷺ
لے لے گا دوست سے کل تاواں رسولِ برحق

ما طالبِ خدائیم بر دینِ مصطفائیم
طالب ہیں ہم مدد کے دین دارِ مصطفیٰ ہیں

بر در گہش گدائیم سلطانِ ما محمد ﷺ
اس در پہ آ پڑے ہیں سلطاں رسولِ برحق

از اُمتانِ دیگر ما آمدیم برسر
سب اُمتوں سے افضل رُتبہ ہمیں ملا ہے

و آں را کہ نیست باور برہانِ ما محمد ﷺ
وہ بے وسیلہ اپنا برہاں رسولِ برحق

ای آب و گل سرودی جان و دل درودے
اے آب وگل سرودے، اے جان ودل درودے

تا بشنود بہ یثرب افغانِ ما محمد ﷺ
یثرب میں تا کہ سن لے افغاں رسولِ برحق

درِ باغ و بوستانم دیگر مخواں معینؔ
اس باغ و بوستاں میں کچھ بھی معینؔ نہ مانگو

باغم بسست قرآں بستانِ ما محمد ﷺ
قرآں ہے باغ دنیا، بستاں رسولِ برحق

ابتدائیہ

''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۶ پیش خدمت ہے۔ باوجود کوشش کے ہم ۲۰۰۳ء میں صرف ایک ہی شمارہ پیش کرسکے، ہم اپنے قارئین سے شرمندہ ہیں۔ مجھے نعت ہی کے سلسلے میں اکثر سفر درپیش رہتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے لیے اچھے مضامین کی تلاش اور ''نعت رنگ'' کی ہم راہی میں جاری ہونے والے نعتیہ جرائد و کتب کی خدمت و معاونت بھی وقت چاہتی ہے، ''نعت ریسرچ سینٹر'' کا قیام اور اس کے مختلف جامعات سے روابط کی استواری کے نتیجے میں بڑھنے والا کام اور ذمہ داریاں بھی اپنا حق طلب کرتی ہیں، پھر محافلِ نعت اور مشاعروں میں شرکت۔ الغرض مدحتِ مصطفےٰ ﷺ کے کئی نورانی دائرے مجھ ایسے گناہ گار کو آغوشِ رحمت میں سمٹے ہوئے ہیں۔

میں شکرگزار ہوں اپنے رب کا جس نے اپنی رحمت سے مجھے اتنی ہمت عطا فرمائی کہ میں کسی نہ کسی حد تک ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی سعی میں مصروف ہوں۔ مجھے تحدیثِ نعمت کے طور پر بھی اس تفصیل کے بیان پر شرمندگی ہے مگر مقصود صرف اتنا ہے کہ مجھے معذرت کرنی ہے، ان احباب سے جو ''نعت رنگ'' سے دلچسپی رکھتے ہیں مگر اس کا اظہار اپنے خطوط میں ''نعت رنگ'' کے مشمولات پر تبصروں کی صورت میں کرنے کے بجائے ''نعت رنگ'' کی اشاعتی تاخیر پر برہمی کے تاثر کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں ایسے تمام دوستوں سے اس وضاحت کے ساتھ کہ ''نعت رنگ'' ایک کتابی سلسلہ ہے اور اس کی اشاعت کا کوئی دورانیہ طے نہیں ہے۔ اپنے حق میں آسانیوں کی دعا کا طلب گار ہوں۔

مجھے کئی دوستوں نے خطوط، ٹیلی فون کالز اور بالمشافہ ملاقات پر ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے مضامین میں تکرار کی طرف متوجہ کروایا ہے اور ان میں تنوع اور تازگی کی

D:NaatRang-16
File: Ibtidaiya
1st Proof

ضرورت پر زور دیا ہے۔ میں ایسے تمام دوستوں کا بھی شکرگزار ہوں کہ وہ نہ صرف ''نعت رنگ'' کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں بلکہ اس کے موضوعات میں وسعت اور تنوع کے خواہاں بھی ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ نعت کے آداب اور مسائل کے حوالے سے ہونے والی گفتگو سے لے کر نعت کے تاریخی، تہذیبی اور ارتقائی جائزوں تک ہم نے جو کچھ بھی ''نعت رنگ'' یا کسی اور جگہ تحریری شکل میں پیش کیا ہے اس میں تکرار اس وجہ سے سامنے آرہی ہے کہ ہمارے لکھنے والوں کو نعتیہ ادب پر نثری سرمائے کی کمی کا احساس ہے اور اسی لیے وہ اس موضوع پر لکھتے وقت تاریخی تناظر کو بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ قاری کو ایک ہی مضمون میں اجمالی ہی سہی ایک مکمل خاکہ نعتیہ ادب کے ارتقائی مراحل پر مل جائے۔

یہ مضامین اگر علاحدہ علاحدہ رسائل و جرائد میں شائع ہوں تو شاید یہ بات ان مضامین کا حسن قرار پائے مگر ''نعت رنگ'' یا نعت ہی سے متعلق کسی بھی جریدے میں اس طرح کی تکرار اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے دشواری پیدا کر رہی ہے، لہٰذا میں اپنے محترم لکھنے والوں سے درخواست کروں گا کہ تاریخی تناظر کے حوالے سے صرف وہی معلومات پیش کریں جنھیں اضافہ کہا جاسکے ورنہ اب براہِ راست موضوع پر لکھنا ہی مناسب ہے۔

موضوعاتِ نعت کے حوالے سے تنوع کی ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے اور میرے خیال میں اس کی تلاش میں ہمیں مذاکروں سے مدد مل سکتی ہے۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ ہم اپنی گفتگو کی مجالس میں نعت سے متعلق مختلف موضوعات پر بے تکان بولتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو میں ہم بعض اوقات ایسی فکر انگیز گفتگو سن لیتے ہیں یا کر لیتے ہیں جس کا ہمیں پہلے سے کوئی احساس نہیں ہوتا یا ہمارا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں ہوتا ہمیں اپنی تحریروں کے لیے بیش تر موضوعات اسی طرح کی گفتگو سے مل سکتے ہیں، لہٰذا میں ''نعت رنگ'' کے تمام نمائندگان و محبان سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اپنے ملکوں اور شہروں میں نمایاں ادبی شخصیات کو مدعو کرکے عصرِ حاضر کے بین الاقوامی اور علاقائی مسائل اور تہذیبی رجحانات کے تناظر میں نعتیہ ادب پر مذاکروں کا اہتمام کریں اور اسے تحریری شکل میں ہمیں ارسال کریں۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ ان مذاکروں کے نتیجے میں ہم بے شمار تازہ موضوعات تک رسائی حاصل کرسکیں گے۔ (ان شاء اللہ)

’’آرٹس کونسل آف پاکستان‘‘، کراچی کا قابلِ فخر کارنامہ

ہمیں خوشی ہے کہ ’’آرٹس کونسل آف پاکستان‘‘، کراچی کی نو منتخب کابینہ کے پہلے اجلاس میں کونسل کے اعزازی خازن سیّد اظفر رضوی نے ’’آرٹس کونسل‘‘ کی تازہ رکنیت سازی کی مہم کے موقع پر فنونِ لطیفہ کے مختلف شعبوں میں قاری اور نعت خواں کے لیے بھی علاحدہ علاحدہ کیٹگری کا مطالبہ کیا اور اس مطالبے کو کابینہ نے منظور بھی کرلیا ہے جس کی رُو سے اب ’’آرٹس کونسل آف پاکستان‘‘ کی رکنیت کے لیے قاری اور نعت خواں بھی اہل قرار پائیں گے۔

اس عظیم کارنامے میں ہم سیّد اظفر رضوی اور ’’آرٹس کونسل آف پاکستان‘‘ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ملک کے دوسرے صوبوں میں موجود ’’آرٹس کونسل‘‘ اور اس طرز پر دوسرے تمام ثقافتی اداروں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ بھی مسلم تہذیب و ثقافت کے ان شعبوں کو اپنے ہاں نمائندگی دیں۔

نئے دُکھ

گزشتہ دنوں جن شخصیات کی جدائی ہمارے دلوں کا زخم بنی ان میں قائدِ ملتِ اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقیؒ، مفتی عبدالقیوم ہزارویؒ (پاکستان)، مفتی ظفرعلی نعمانیؒ (پاکستان)، مولانا سیّد انوار اشرف عرف مُثنی میاںؒ (چھوچھ شریف)، مولانا سیّد صفی العالمؒ سجادہ نشین خانقاہ شہبازیہ (بھاگلپور)، علامہ شاہ تراب الحق قادری کے بڑے بھائی مولانا شاہ قاسمؒ، ممتاز نعت گو شاعر حفیظ تائب کے والدِ ماجد، معتبر نعت شناس ڈاکٹر ریاض مجیدؒ (پاکستان) اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت) کے جواں سال صاحبزادگان، معروف نعت خواں سیّد فصیح الدین سہروردی کی ہمشیرہ، ممتاز صحافی و نعت نگار خان آصف، ناظم القادری، ماہرِ علمِ عروض اور ثنا گو شارق جمال اور صبا اکبرآبادیؒ کی اہلیہ محترمہ شامل ہیں۔

ادارہ ان تمام مرحومین کے حق میں مغفرت کی دعا کرتا ہے اور قارئین سے بھی درخواست گزار ہے کہ ان کے حق میں مغفرت اور لواحقین کے حق میں صبر کی دعا فرمائیں۔

D:NaatRang-16
File: Ibtidaiya
1st Proof

صبیح رحمانی

مسعود الرحمٰن خاں ندوی۔ بھارت

عہدِ نبوی ﷺ میں مدحِ رسول ﷺ

عربی میں مدحیہ شاعری کی روایت عربی شاعری کی طرح قدیم ہے، اس کے متعینہ خاکے اور اصول ہیں جن پر وہ روزِ اوّل سے قائم ہے۔ اس کا مرکزی مضمون شجاعت و بہادری، جود و سخا، علم و کرم، خاندانی عزت و وقار اور ممدوح کے عملی کارناموں کے اردگرد گھومتا ہے۔ ابھی ماضی قریب تک شاید ہی کوئی ایسا قابلِ ذکر عربی شاعر ہوگا جس کے پاس اس صنف کا غیر معمولی سرمایۂ شاعری نہ ہو۔ یہی مدح جب رسولِ کریم ﷺ سے متعلق ہو اور اس میں ان کی شخصیت، عادات و اطوار، اخلاق و احسانات، کارناموں اور انسانی فلاح و بہبود کے لیے خداوندی پیغام کی نشر و اشاعت اور تشریح و توضیح کا تذکرہ ہو تو اس کو اردو میں نعت کہا جاتا ہے۔

عرب وعجم کے مسلمان شعرا کے لیے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت صرف ایک عام روایتی ممدوح کی نہ تھی۔ اُن کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی دینی و دنیاوی سرفرازیوں کا واحد مرکز، دنیا میں ہدایت اور فلاح و بہبود اور آخرت میں نجات اور خداوندی احسانات و انعامات کے حصول کی اُمید کی واحد مشعلِ ربانی تھی جن کے بے پایاں احسانات سے کوئی مسلمان کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے نہ صرف آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے مسلمان شعرا کا غیر معمولی ربط وتعلق و محبت، بلکہ عقیدت کے جذبات کا نہ تھمنے والا دھارا اور اُبلتے ہوئے مشتعل جذبات کی حرارت و آنچ ان کی مدحِ نبوی ﷺ میں واضح طور پر محسوس کی جاتی ہے، بلکہ یہی جذباتی رو بعض شعرا کے نزدیک کبھی سہواً اور کبھی عمداً شرک وتوحید کی واضح خلیج کو پھلانگ کر من وتو کا فرق ختم کر دیتی ہے، جس پر ہر زمانے میں نکیر بھی ہوئی ہے اور نعت کہنے والے شعرا کو اس بارے میں خبردار رہنے اور شعوری طور پر احتیاط برتنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

عصرِ نبوی ﷺ جس طرح مسلمانوں کی تمام دینی و دنیاوی سرگرمیوں کے لیے نمونہ و مثال ہے، اسی طرح آئیے ہم اس مبارک عہد میں آپ ﷺ کی مدح میں کہے گئے اشعار کے بعض نمونوں سے رہنمائی حاصل کریں۔ یہی اس مقالے کا موضوع ہے۔ ان نمونوں میں آپ دیکھیں گے کہ مخالف و موافق دونوں مدِمقابل فریقوں کے لیے حضور ﷺ کے لائے ہوئے آسمانی دین کا پیغام اتنا صاف، واضح اور سلجھا ہوا تھا کہ کبھی کسی نے سہواً بھی اس کی غلط ترجمانی یا تشریح و توضیح نہ کی بلکہ فریقین کی تمام زورآزمائی اسی تصور کی حقانیت اور اس کی بالادستی ماننے اور منوانے یا اس کے انکار پر اصرار، ضد اور ہٹ دھرمی پر مرکوز تھی اور یہی تمام اختلافات، مصائب اور تصادم کی بنیاد اور جڑ تھی۔

سیرت کی قدیم کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی بعثت، اسلام کی برملا تبلیغ، اس دعوت کا دھیرے دھیرے انتشار، مسلمانوں کا ابتلا و آزمائش کے دور سے گزرنا، شعب ابی طالب میں بنوہاشم و بنوعبدالمطلب کا حصار و مقاطعہ، حبشہ اور پھر مدینہ کی ہجرت، مدینے میں اسلام کا بول بالا، غزوات و سرایا کا سلسلہ، فتحِ مکہ کے بعد اسلام کی طرف رجوعِ عام وغیرہ مضامین معاصر مسلم شعرا کی شاعری کے بنیادی موضوعات تھے، ان کی شاعری میں مذکورہ ابتدائی واقعات کے مقابلے میں آخری دور کے واقعات اور ان کی جزئیات پر زیادہ تفصیلی مواد محفوظ ہے، جس میں کہیں کہیں شانِ رسالت ﷺ کی مدح میں بھی بالواسطہ کچھ اشعار در آئے ہیں، کیوں کہ اس زمانے میں خاص کر مدحِ نبوی ﷺ کے مستقل قصائد ایک علاحدہ صنف کی حیثیت سے اس طرح عام نہیں ہوئے تھے جس طرح متاخر زمانوں میں ہوئے، نہ ان کے مضامین میں اتنا تنوع ہوا تھا، جو بعد میں دیکھنے کو ملا، نہ عجمی ضعیف الاعتقادی کی راہ سے غیراسلامی تصورات کو وہ رسائی حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

باخدا دیوانہ باش و بامحمد ﷺ ہوشیار

بہرحال اس زمانے میں مدحِ رسول ﷺ میں خالص نعتیہ قصائد ناپید نہیں ہیں، کم ضرور ہیں اور وہ بھی ان شعرا کے ہیں جن کے خمیر میں جاہلی شاعری کی روایات رچی بسی ہوئی تھیں، لیکن خالص اسلامی ماحول کے پروردہ اور اس کے رنگ میں رنگے ہوئے مسلم صحابی شعرا کی رسولِ کریم ﷺ سے عقیدت و محبت اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی چاہت ان کو آپ ﷺ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ کو عملی طور پر پھیلانے، عام کرنے اور اس کی سربلندی کا کلمہ پڑھنے کے

لیے وقف تھی اور اس ضمن میں اگر نبی کریم ﷺ کا تذکرہ آجاتا تو پھر یہ صحیح ہے کہ:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

مدحیہ اشعار کے انتخاب کو پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان کے احاطے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مطالعے کے دوران جہاں نظر پڑ گئی، ان اشعار کو نوٹ کرلیا گیا۔ ان کے انتساب اور الحاق سے بھی بحث نہیں کی گئی کہ یہ خود ایک علاحدہ مستقل موضوع ہے جس پر قدما نے اپنے وسائل کے اعتبار سے غیر معمولی تحقیق و تفتیش کا حق ادا کیا اور عصرِ حاضر میں بھی اس پر کافی لاحاصل بحث ہوچکی۔ دوسری زبان کے اشعار کے ترجمے میں اپنی زبان پر غیر معمولی قدرت اور کچھ نہ کچھ شاعرانہ صلاحیت و مزاج سے راقم کی محرومی بھی عیاں ہے۔ ان کوتاہیوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل انتخابات ملاحظہ فرمائیں:

روایت ہے کہ عبدالمطلب کو جب آپ ﷺ کی ولادت کی اطلاع ملی تو وہ اپنے پوتے کو کعبے میں لے گئے، دعا کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ (سیرت ابنِ ہشام ۱/۱۷۲) سیرت کی متاخر کتابوں میں درج ذیل اشعار بھی ان کی طرف سے منسوب کیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دادا اپنے پوتے کو کس نظر سے دیکھ رہا تھا:

الحمد للّٰہ الذی اعطانی هذا الغلام الطیب الاردان
قد ساد فی المهد علی العلمان اعیذہ بالبیت ذی الارکان
حتی یکون بلغة الفتیان حتی اراہ بالغ البنیان
اعیذہ من کل ذی شنآن من حاسد مضطرب العنان
ذی همة لیس له عینان حتی اراہ رافع اللسان

(سیرتِ ابنِ کثیر ۱/۲۰۸)

مفہوم

۱۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ بھلا تندرست بچہ مرحمت فرمایا۔

۲۔ اس کو گہوارۂ طفولیت میں ہی سب بچوں پر سعادت فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے اس کو میں بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

۳۔ تاکہ وہ نوجوانوں میں نمایاں ہو اور میں اس کو تنومند دیکھوں۔

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

۴۔ میں اس کو ہر بدخو، بدنظر، حاسد، بھٹکتی ہوئی اندھی ارواح سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں۔
۵۔ تاکہ میں اس کو بلند اقبال دیکھوں۔

روایت ہے کہ آپ ﷺ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب نے مدحیہ اشعار پیش کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیتے ہوئے دعا دی کہ خدا آپ کو بولتا رکھے۔ ''لایفضض اللّٰہ فاک'' اس وقت انھوں نے جو قصیدہ سنایا اس میں آپ ﷺ کی ولادت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

وانت لما ولدت اشرقت الار ض، وضائت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء و فی اله نور و سبل الرشاد نخترق
(سیرتِ ابنِ کثیر ۱/۱۹۵)

مفہوم

۱۔ جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ ﷺ کے نور سے زمین و آسمان جگمگا اُٹھے۔
۲۔ اب ہم اس نور و روشنی اور ہدایت کے راستوں میں چل رہے ہیں۔

آپ ﷺ کے محبّ و مشفق و سرپرست چچا ابوطالب کی تائید و حمایت و مدافعت آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے پیغام و دعوت کے لیے ان کی زندگی بھر بڑی ڈھال تھی۔ اگرچہ وہ اپنے ہم عصروں کی ملامت کے ڈر سے اسلام کے قبول کرنے سے آخر وقت تک بظاہر کتراتے رہے۔

لولا الملامة او حذاری سبته لوجدتنی سمحا بذاک مبینا
(سیرتِ ابنِ کثیر ۱/۴۶۴)

مفہوم

اگر مجھے ملامت اور عار کا ڈر نہ ہوتا تو یقیناً تم مجھ کو اس دین کے لیے فراخ دل پاتے۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ یوں دہرایا ہے:

فواللّٰہ لولا ان اجئ بسبة تجر علی اشیا خنا فی المحافل
لکنا تبعناه علی کل حالة من الدهر جدا غیر قول التهازل
(سیرتِ ابنِ ہشام ۱/۲۹۷۔ سیرتِ ابنِ کثیر ۱/۴۹۱)

مفہوم

بخدا اگر اس عار کا ڈر نہ ہوتا تو جو محفلوں میں ہمارے بزرگوں پر اچھالی جاتی تو یقیناً زمانے کے تمام کے مصائب کے باوجود ہزلاً نہیں سنجیدگی سے ان کی پیروی کرتے۔

اسی لیے ان کی محفوظ شاعری میں صرف بھتیجے کی تائید و حمایت اور مدافعت و نصرت ہی نہیں بلکہ جگہ جگہ آپ ﷺ کی دعوت و پیغام کی تحسین بھی نظر آتی ہے۔ شعبِ ابی طالب میں حصار کے وقت سردارانِ قریش کو منانے کے لیے ان کے کئی قصائد ملتے ہیں۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ابتدا میں لب و لہجہ نرم، میٹھا اور ان کے پرانے محاسن کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، لیکن جہاں بھتیجے کی حمایت سے دست برداری کا ذکر آیا تو بوڑھی رگوں میں جوانی کا لہو تیزی سے دوڑنے لگتا ہے۔ لہجہ سخت بلکہ تلخ و درشت ہوجاتا ہے اور جنگ و جدال کی دھمکی تک بات پہنچ جاتی ہے۔ اس موقعے کے یہ اشعار دیکھیں:

الم تعلموا انا وجدنا محمدا نبیا کموسی خط فی أول الکتب
و أن علیه فی العباد محبة و لا خیر ممن خصه الله بالحب

(سیرتِ ابنِ کثیر ۲/۴۹)

مفہوم

۱۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہم نے محمد ﷺ کو موسیٰؑ جیسا نبی پایا جن کا وصف پہلی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ اور بندگانِ خدا میں ان کو محبت کی دولت حاصل ہے تو اس سے بہتر کون ہوگا جس کو خدا نے محبت سے نوازا ہے۔

اسی قصیدے کے درج ذیل شعر سے سخت جنگ و جدل کی دھمکی شروع ہوتی ہے:

فلسنا و رب البیت نسلم احمداً لعزاء من عض الزمان ولاکرب

(سیرتِ ابنِ کثیر ۲/۴۹)

مفہوم

بیت اللہ کے رب کی قسم! ہم ان کو نہ مصائبِ زمانہ اور نہ تکالیف کی شدت کی وجہ سے بے یار و مددگار چھوڑیں گے۔

یہی دھمکی ابولہب کی مدد حاصل کرنے کے لیے ایک قصیدے میں ان الفاظ میں دہرائی

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

گئی ہے:

کذبتم و بیت اللہ نبزی محمداً   و لما تروا یوماً لدی الشعب قائماً

(سیرتِ ابنِ کثیر۲/۶۲)

مفہوم

بیت اللہ کی قسم! تم غلط سمجھتے ہو کہ ہم سے محمد ﷺ چھین لیے جائیں گے جب کہ ابھی شعبِ ابی طالب کے پاس گھمسان کا رن پڑا ہی نہیں ہے۔

اب یہی مضمون اسی موقعے پر کہے گئے تیسرے قصیدے میں دیکھیے، لہجہ کتنا تیز و تند ہو چکا ہے:

کذبتم و بیت اللہ نترک و مکۃ   و نظعن الاأمرکم بلابل

کذبتم و بیت اللہ نبزی محمداً   و لما نطاعن دونہ و نناضل

و نسلمہ حتی نصرع حولہ   و نذھل عن أبنائنا والحلائل

(سیرتِ ابنِ ہشام ۱/۲۹۰، سیرتِ ابنِ کثیر۱/۴۸۸

مفہوم

۱۔ بیت اللہ کی قسم! تم غلط سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم مکہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور تم کو انتشار کے عالم میں پڑا رہنے دیں گے۔

۲۔ بیت اللہ کی قسم! تم غلط سمجھے ہو کہ ہم سے محمد ﷺ اُچک لیے جائیں گے جب کہ ابھی ہم نے ان کے لیے نہ مار دھاڑ کی ہے نہ قوت آزمائی۔

۳۔ اور ہم اپنے اہل و عیال سے بے خبر ہو کر ان کے اردگرد قربانی دیے بغیر ان کو تمھارے سپرد کر دیں گے۔

روایت ہے کہ ایک بار مدینے میں سوکھے کے موقعے پر جب رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اتنی بارش ہوئی کہ سارا شہر جل تھل ہوگیا اور شدید سیلاب و ہلاکت کا خطرہ لاحق ہوا تو پھر آپ ﷺ کی دعا سے بادل چھٹ کر شہر کے اردگرد اس طرح جمع ہوئے کہ گویا وہ مدینہ منورہ کے گلے کا ہار ہوں۔ اس وقت آپ ﷺ نے بے مہابا اپنے مشفق عم محترم کو یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ یہ منظر دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ صحابہ نے پوچھا کیا آپ ﷺ کی مراد ان کے فلاں شعر سے ہے حضور ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ (سیرتِ ابنِ ہشام ۱/۲۹۸) حقیقت یہ ہے کہ وہ

اس قصیدے کا شاہ بیت ہے، جس میں بلیغ شاعرانہ خیال آرائی اور حقیقت نگاری کا حسین امتزاج ہے۔ شعر یہ ہے:

و أبیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل

(سیرت ابنِ ہشام ۱/۲۹۱، سیرت ابنِ کثیر ۱/۴۸۸)

مفہوم

اس کے رخِ تاباں کے صدقے بادلوں سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا والی اور بیواؤں کا محافظ ہے۔

اس شعر کے پہلے مصرعے کے فعل کو معروف پڑھنے سے معنی میں یہ تبدیلی ہوتی ہے کہ اس کے رخِ تاباں سے بادل برسنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

اسی قصیدے کے آخری اشعار سے آپ کی صفاتِ حمیدہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:

فمن مثله فی الناس أای مومل اذا قاسه الحکام عند التفاضل
حلیم، رشید، عادل، غیرطائش یوالی الاهالیس عنه بغافل
کریم المساعی ماجد و ابن ماجد له ارث مجد ثابت غیرناصل
و أیده ربّ العباد بنصره و أظهر دینا حقه غیر زائل
لقد علموا أن ابنا لامکذب لدینا، ولا یعنی بقول الاباطل
فأصبح فینا احمد فی أرومة تقصر عنه سورة المتطاول
حدبت بنفسی دونه و حمیته و دافعت عنه بالذری والکلاکل

(سیرتِ ابنِ ہشام ۱/۲۹۷، سیرتِ ابنِ کثیر ۴۹۱)

مفہوم

۱۔ جب حکم لوگوں میں برتری کا فیصلہ کریں تو ان جیسا کون ہے جس سے توقعات وابستہ ہوں۔

۲۔ وہ حلیم و بردبار، نیک و منصف ہے۔ جلد باز نہیں اور ایسے خدا کا دوست ہے جو اس سے غافل نہیں۔

۳۔ اچھے کام کرنے والا ہے، عالی حسب و نسب ہے، اس کی عزت کی میراث قائم و دائم ہے، زائل نہیں۔

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

۴۔ بندوں کے رب نے اپنی مدد سے اس کی تائید کی اور ایسا دین ظاہر کیا جس کا حق باطل سے جدا ہے۔
۵۔ ان کو معلوم ہے کہ ہمارا بیٹا ہم میں جھٹلایا ہوا نہیں ہے اور وہ باطل باتوں کی پروا نہیں کرتا۔
۶۔ احمد کو ہم میں ایسی مضبوط ٹہنی کی حیثیت حاصل ہے جس سے بڑھے ہوئے ہاتھ کی گرفت کوتاہ ہے۔
۷۔ میں نے اپنی جان سے اس کی حفاظت و تائید کی ہے اور اونٹنیوں کی پیٹھ و سینوں سیاس کی مدافعت کی ہے۔

ایک اور قصیدے میں دیکھیے کہ قریش کو حضور ﷺ کی تائید کے لیے آمادہ کرنے کے لیے ان کے مفاخر کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا حاصل بھی رسولِ کریم ﷺ کی مبارک ذات ہی قرار پائی ہے:

اذا اجتمعت یوما قریش لمفخر فعبد مناف سرھا و صمیمھا
و ان حصلت اشراف عبد منا فھا ففی ھاشم أشرافھا و قدیمھا
و ان فخرت یوما فان محمداً ھو المصطفیٰ من سرھا و کریمھا

(سیرتِ ابنِ ہشام ۱/۲۸۲، سیرتِ ابنِ کثیر ۱/۱۹۴، ۴۷۷)

مفہوم

۱۔ اگر قریش کسی دن فخر و مباہات کے لیے جمع ہوں تو عبدِ مناف کی شاخ ان کی روحِ رواں قرار پائے گی۔
۲۔ اور اگر عبدِ مناف کے سردار اپنی عظمت کا راز معلوم کریں گے تو بنو ہاشم کی شاخ میں ان کی سیادت و قدامت کا راز ملے گا۔
۳۔ اور اگر بنو ہاشم کسی دن فخر کریں گے تو ان کی عظمت و سربلندی کا منتخب ترین نمائندہ محمد ﷺ ہوں گے۔

اس زمانے کے ایک مشہور نامی گرامی غیر مسلم شاعر اعشیٰ بن قیس تھے۔ ان کا شمار سبع معلقات کے جانے مانے شعرا میں تھا۔ رسول کریم ﷺ کا چرچا سنا تو زیارت کی تمنا اور اسلام قبول کرنے کی خواہش نے کروٹ لی۔ دستورِ زمانہ کے مطابق سردارانِ قوم کے لیے جیسے مدحیہ قصائد لکھے جاتے تھے ایک قصیدہ لکھا اور عازمِ سفر ہوئے، لیکن بدقسمتی سے دشمنانِ اسلام کے

بہکانے پر آئندہ سال کے لیے نیک کام کو ملتوی کر کے واپس ہوئے تو پھر زندگی نے مہلت نہ دی اور نعمتِ اسلام اور حضور ﷺ کے دیدار سے محروم رہے، اس لیے کہ:

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

بہرحال ان کے قصیدہ کی شاعرانہ عظمت کے باوجود اس کے مدحیہ اشعار میں رسول کریم ﷺ کا تصور ایک سخی داتا دنیاوی سردار ہی کا ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

و آلیت لا آوی لها من کلالة ولا من حفی حتی تلاقی محمدا

متی ما تناخی عند باب ابن هاشم تراحی و تلقی من فواضله ندی

نبی یری مالا ترون و ذکره أغار لعمری فی البلاد و أنجدا

له صدقات ما تغب و نائل و لیس عطاء الیوم مانعه غدا

(سیرتِ ابنِ ہشام ۱/۴۱۳۔۴۱۴، سیرتِ ابنِ کثیر ۲/۷۹)

مفہوم

۱۔ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اپنی اونٹنی کو تھکن اور آبلہ پائی کی وجہ سے اس وقت تک نہ روکوں گا جب تک کہ وہ محمد ﷺ تک نہ پہنچا دے۔

۲۔ ابنِ ہاشم کے دروازہ پر جب تم اس کو بٹھاؤ گے تو وہ آرام کرے گی اور تم ان کے عطایا سے سرفراز ہو گے۔

۳۔ وہ ایسے نبی ہیں جو وہ دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔ میری جان کی قسم! ان کا ڈنکا سارے جہاں میں بج رہا ہے۔

۴۔ ان کے عطایا اور نوازشیں منقطع نہیں ہوتیں اور نہ آج کی بخشش کل کے لیے مانع ہے۔

ایسے ہی ایک اور بدقسمت شاعر جو اسلام کی دولت سے محروم رہے ابوعزہ عمرو بن عبداللہ تھے، غزوۂ بدر میں قید ہوئے، رسول کریم ﷺ سے غربت و افلاس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فدیہ کے بغیر اس شرط پر چھوڑ دیا کہ دشمنانِ اسلام کا ساتھ نہ دینا، لیکن انھوں نے وعدہ خلافی کی اور پھر غزوۂ احد میں قید ہوئے تو گردن مار دی گئی۔ بہرحال انھوں نے بدر کے موقع پر جاں بخشی کے احسان کے تأثر میں جو مدحیہ اشعار کہے تھے وہ یہ تھے:

من مبلغ عنی الرسول محمداً بأنک حق و الملیک حمید

و أنت امرؤ تدعو الی الحق الهدی علیک من الله العظیم شهید

و أنت امرو یوئت فینا مباء ة　　لها درجات سهلة و صعود
فانک من حاربته لمحارب　　شقی، و من سالمته لسعید
(سیرتِ ابنِ ہشام ۲/۳۰۶، سیرتِ ابنِ کثیر ۲/۴۸۵)

مفہوم

۱۔ میری طرف سے کوئی رسول محمد ﷺ کو یہ بتا دے کہ آپ ﷺ برحق ہیں اور خدا قابلِ تعریف ہے۔

۲۔ آپ ﷺ حق و ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور آپ ﷺ کو خدائے بزرگ کی گواہی حاصل ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کو ہم میں بلند مقام حاصل ہوا ہے لیکن اس کی سیڑھیوں پر چڑھنا آسان ہے۔

۴۔ آپ ﷺ جس سے جنگ کریں یقیناً وہ بدبخت ہے اور جس سے صلح کریں وہ یقیناً خوش بخت ہے۔

سبع معلقات کے ایک اور ممتاز شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کے صاحب زادے کعب بن زہیر تھے۔ باپ نے وفات سے قبل کعب اور بجیر کو نبی موعود ﷺ کی اتباع کی تلقین کی تھی، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا چرچا ہوا تو دونوں بھائی تفتیشِ احوال کے لیے روانہ ہوئے، مگر اسلام میں سبقت بجیر کے حصے میں تھی جو کعب کو ناگوار گزری اور انھوں نے جاہلی طیش میں اپنے بھائی، دینِ اسلام اور رسول ﷺ اسلام کی شان میں گستاخی شروع کر دی جس کی وجہ سے ان کا خون حلال کر دیا گیا۔ قسمت کے دھنی تھے۔ باپ نے دل کی کن گہرائیوں سے نبیِ موعود ﷺ کی اتباع کی تلقین کی ہوگی کہ نہ صرف ان کی معافی تلافی ہوئی بلکہ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل کی اور زندگی میں پیراہنِ مبارک کا ایسا بے بہا عطیہ مرحمت ہوا جو پھر دوسروں کے حصے میں خواب و خیال ہی میں آسکتا تھا۔ اس لیے اگر واقعی طور پر کسی قصیدے کو قصیدۂ بردہ کہا جاسکتا ہے تو وہ ان ہی کعب بن زہیر کا معذرتی قصیدہ ہے۔ نمونے کے طور پر اس مبارک قصیدے کے چند معذرتی اشعار ملاحظہ فرمائیں:

نبئت أن رسول الله أوعدنی　　والعفو عند رسول الله مأمول
فقد أتیت رسول الله معتذراً　　و العذر عند رسول الله مقبول
مهلا هداک الذی اعطاک تاولة اله　　قرآن فیها مواعیظ و تفصیل

لاتأخذنی بأقوال الوشاة و لم أُذنب ولو کثرت فی الأقاویل
(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۱۶۱۔۱۶۲، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۷۰۴)

مفہوم

۱۔ مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے حالاں کہ رسول اللہ ﷺ سے معافی کی توقع ہے۔
۲۔ اسی لیے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عذرِ معذرت پیش کرنے حاضر ہوا کیوں کہ عذر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں قابلِ قبول ہے۔
۳۔ اس ذات کے لیے مجھے معاف فرما دیں جس نے آپ ﷺ کو قرآن کا عطیہ مرحمت فرمایا جس میں نصیحت کی باتیں اور دیگر تفصیلات ہیں۔
۴۔ چغل خوروں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمائیں کیوں کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اگرچہ میرے بارے میں بہت باتیں کہی گئی ہیں۔

اب اس قصیدے کا شاہ بیت جو رسول کریم ﷺ کی خالص مدح میں ہے سماعت فرمائیں اور لطف اندوز ہوں:

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھند من سیوف اللّٰہ مسلول
(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۱۶۴، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۷۰۴)

مفہوم

یقیناً رسول اللہ ﷺ وہ روشنی ہیں جن سے نورِ ہدایت حاصل کیا جائے اور وہ خدا کی تلواروں میں شمشیرِ برہنہ ہیں۔

اس شعر کا دوسرا مصرعہ **وصارم من سیوف اللّٰہ مسلول** (زکی مبارک المدائح النبویہ ص۲۳) یا **و صارم من سیوف الھند مسلول** (عبداللہ عباس ندوی عربی میں نعتیہ کلام ص۴۹) یا **مھند من سیوف الھند مسلول** (حکیم محمد یحییٰ خاں شفا، عربی زبان میں نعتیہ کلام، نقوش لاہور، رسول نمبر ص۱۰، ص۱۲۴) کئی طرح حوالے کے بغیر نقل ہوا ہے اور اخیر الذکر مصرع نقل کرنے والے مقالہ نگار نے حوالے کے بغیر یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ اس مصرعے میں سیوف اللہ کی برجستہ اصلاح خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔ اس طرح یہ قصیدہ رسول کریم ﷺ کی خاص توجہ اور دوہرے اعزاز کا مستحق قرار پاتا ہے۔ زہے نصیب۔

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

سہیلی کے حوالے سے کعب بن زہیر کے دو اور شان دار مدحیہ اشعار نظر سے گزرے، وہ یہ ہیں:

تجری به الناقة الأو ماء معتجراً بالبرد کا لبدر جلی لیلة الظلم
فیض عطا فیه او أثناء بردته ما یعلم اللّٰه من دین و من کرم

(سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۷۰۹)

مفہوم

۱۔ چادر لپیٹے ہوئے گندمی اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر دوڑ رہی ہے ایسا لگتا ہے کہ تاریک رات میں چاند نکل آیا ہو۔

۲۔ آپ ﷺ کے پیرہن یا چادر میں دین و کرم کا جو خزانہ چھپا ہوا ہے بس خدا ہی اس کو جانتا ہے۔

عبداللہ بن الزبعریٰ بھی ان شعرا میں تھے جنھوں نے حالتِ کفر میں اپنے فنِ شاعری کو خوب استعمال کیا تھا۔ فتحِ مکہ کے وقت اسلام کے بعد فطری طور پر ان کو انابت و استغفار کی توفیق ہوئی، سابق گستاخیوں پر ندامت اور رسول اللہ ﷺ سے معذرت کے جذبات غالب ہوئے، جس کی جھلک ان کی اسلامی شاعری میں جگہ جگہ ملتی ہے اور اسی ضمن میں رسول کریم ﷺ کی مدح بھی۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

یا خیر من حملت علی أو صالها عیرانة سرح الیدین غشوم
انی لمعتذر الیک من الذی أسدیت اذا انا فی الضلال اهیم
فالیوم آمن بالنبی محمد قلبی، و مخطی هذه محروم
فاغفر فدی لک والدای کلاهما زللی، فانک راحم مرحوم
و علیک من علم الملایک علامة نور اغر و خاتم مختوم
اعطاک بعد محبة برهانه شرفا، و برهان الاله عظیم
و لقد شهدت بأن دینک صادق حق، و أنک فی العباد جسیم
واللّٰه یشهد أن احمد مصطفیٰ مستقبل فی الصالحین کریم

(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۴۰، ۴۱۔ سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۵۸۶)

مفہوم

۱۔ مضبوط خوش خرام اونٹنی پر سواری کرنے والوں میں اے بہترین مخلوق!

۲۔ میں اپنے سابق کیے پر آپ ﷺ کی خدمت میں معذرت پیش کرنے آیا ہوں جب کہ میں گم راہی میں بھٹک رہا تھا۔
۳۔ آج نبی محمد ﷺ پر میرا دل ایمان لے آیا اور اس میں غلطی کرنے والا درحقیقت محروم ہے۔
۴۔ میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں! میری لغزشوں کو معاف فرما دیں کیوں کہ آپ ﷺ رحم کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ پر رحمت بھیجی بھی جاتی ہے۔
۵۔ آپ ﷺ پر خدا کی طرف سے نورِ تاباں اور ثبتِ مہر کی علامت ہے۔
۶۔ اس نے آپ ﷺ کے اعزاز کے لیے محبت کے بعد اپنی برہان بھی عطا فرمائی۔ اور خدا کی برہان بڑی قابلِ قدر ہے۔
۷۔ میں نے گواہی دی ہے کہ آپ ﷺ کا دین سچ و برحق ہے اور آپ ﷺ تمام بندگانِ خدا میں بلند و بالا ہیں۔
۸۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ احمد مصطفیٰ ﷺ نیکوں کے امام اور کریم ہیں۔
ایک اور قصیدے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

یا رسول الملیک ان لسانی راتق، مافتقت اذا نابور
اذأ باری الشیطان فی سنن اله غی، و من مال میله مشبور
آمن اللحم و العظام لربی ثم قلبی الشهید أنت النذیر
ان ماجئتنا به حق صدق ساطع نوره، مضیئی منیر
جئتنا بالیقین والبر والصد ق، و فی الصدق والیقین السرور
أذهب اللّٰه ضلة الجهل عنا و أتانا الرخاء و المیسور

(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۳۹، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۵۸۵، نقوش رسول نمبر ۱۰/۲۴۹)

مفہوم

۱۔ اے رسولِ خدا ﷺ! میری زبان ان چاکوں کی رفوگری میں مصروف ہے جو میں نے اس وقت کیے تھے جب میں ہلاک و برباد تھا۔
۲۔ جب میں گم راہی کے راستوں میں شیطان کا ساتھ دے رہا تھا اور جو اس کی طرف جھکے گا برباد ہوگا۔
۳۔ میرا گوشت پوست میرے رب پر ایمان لے آیا پھر میرے دل نے گواہی دی کہ آپ ﷺ

ہی نذیر رسول ہیں۔
۴۔ آپ ﷺ جو دین لائے ہیں وہ برحق اور سچ ہے، اس کا نورِ تاباں روشن اور دمک رہا ہے۔
۵۔ آپ ﷺ ہمارے لیے یقین، نیکی، سچائی لائے۔ اور یقین وسچائی میں ہی خوشی ہے۔
۶۔ خدا نے جہالت کی گم راہی ہم سے دُور فرما دی اور ہم کو خوش بختی اور خوش حالی حاصل ہوئی۔

مشہور عرب شاعرہ خنساءؓ کے صاحب زادے عباس بن مرداس اپنے باپ کی وصیت کے مطابق خمار نامی بت کے پاسبان تھے۔ ان کی ہدایت کے لیے ایک غیبی بہانہ ہوا اور وہ ایمان لے آئے اور اس کے بعد اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور توحید کا ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ آئندہ انتخاب میں آپ حمد ونعت کا بہترین امتزاج دیکھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے بعد مذکورہ بت کو جلانے کے بعد جب حضور ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو ایک قصیدہ پیش کیا، اس میں اپنی نادانی کے سبب شرک کی لعنت میں ابتلا کے ذکر کے بعد عرض کرتے ہیں:

فآمنت باللّٰہ الذی أنا عبدہ　　　و خالفت من أمسی یرید المھالکا
و وجھت وجھی نحومکة قاصداً　　　أبایع نبی الاکرمین المبارکا
نبی أتانا بعد عیسی بناطق　　　من الحق، فیہ الفصل فیہ کذلکا
أمین علی القران أول شافع　　　و أول مبعوث بحیب الملائکا
تلافی عری الاسلام بعد انتقاضھا　　　فأحکمھا حتی أقام المناسکا

(سیرتِ ابنِ کثیر ۱/۳۶۰)

مفہوم

۱۔ تو میں اس اللہ پر ایمان لایا جس کا میں بندہ ہوں اور جو ہلاکت چاہتے تھے میں نے ان کی اس بارے میں مخالفت کی۔
۲۔ اور میں نے اپنا رخ مکہ کی طرف کیا تاکہ مبارک نبیِ اکرم ﷺ سے بیعت کروں۔
۳۔ وہ ایسے نبی ہیں جو عیسیٰؑ کے بعد بولتا ہوا حق لائے ہیں جس میں فیصلہ کن باتیں ہیں۔
۴۔ وہ قرآن کے امین، روزِ محشر اوّل شفاعت کرنے والے اور فرشتوں کی آواز پر اوّل لبیک کہنے والے ہیں۔
۵۔ اسلام کے ارکان کی شکست و ریخت کے بعد انھوں نے ان کو مضبوط بنیاد پر قائم کیا اور تمام

عبادات کو قائم فرمایا:

اسی موضوع پر ایک دوسرے قصیدہ میں حضور ﷺ کی شان میں عرض کرتے ہیں:

ان الذی ورث النبوة والهدی بعد ابن مریم من قریش مهتد

(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۵۱، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۵۹۰)

مفہوم

۱۔ ابنِ مریم کے بعد قریش میں جو نبوت و ہدایت کا وارث ہوا وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہے۔

ایک اور موقعے پر رسولِ کریم ﷺ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

بأن محمداً عبد رسول لرب لایضل و لایجور

وجدناه نبیا مثل موسیٰ فکل فتی یخایره مخیر

(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۸۱، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۶۳۶)

مفہوم

۱۔ بے شک محمد ﷺ ایسے رب کے بندے اور رسول ہیں جو نہ گم راہ کرتا ہے نہ ظلم و جور۔

۲۔ ہم نے ان کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے، لہٰذا جو ان سے بھلائی میں مقابلہ کرے مغلوب ہوگا۔

غزوۂ ہوازن کے موقع پر ایک قصیدہ میں کہا ہے:

یاخاتم النباء انک مرسل بالحق، کل هدی السبیل هداکا

ان الاله نبی علیک محبة فی خلقه و محمداً سماکا

(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۹۵، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۶۴۶)

مفہوم

۱۔ اے خاتم الانبیا! بے شک حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور ہدایت کے تمام راستے آپ ﷺ کے رہنما ہیں۔

۲۔ بلاشبہ خدا نے اپنی مخلوق میں آپ ﷺ کے لیے محبت پیدا کر دی ہے اور آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ (قابلِ تعریف) رکھا ہے۔

اسی غزوہ کے موقع پر احسان مندی کے ساتھ ایک اور قصیدے میں اس طرح عرض کیا ہے:

و لکن دین الله دین محمد رضینا به، فیه الهدی والشرائع

أقام به بعد الضلالة امرنا و لیس لأمرحمه الله دافع

(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۱۰۱، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۶۴۷)

مفہوم

۱۔ درحقیقت دینِ محمد ﷺ خدا کا دین ہے ہم نے اس کو پسند کیا کیوں کہ اس میں ہدایت اور احکامِ شریعت ہیں۔

۲۔ آپ ﷺ نے اس دین کے ذریعے ہمارے حالات درست فرمائے اور اللہ جو کرنا چاہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

غزوۂ ہوازن کے موقع پر تیسرے قصیدے میں عرض کیا ہے:

من مبلغ الأقوام ان محمداً　　رسول الاله راشد حیث یمما

دعا ربه و استغفر اللّٰه وحده　　فأصبح قد و فی الیه و أنعما

سوینا و واعدنا قدیراً محمداً　　یوم بنا أمراً من اللّٰه محکما

(سیرتِ ابنِ ہشام ۴/۱۱۰۔۱۱۱، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۶۵۰۔۶۵۱)

مفہوم

۱۔ لوگوں کو کون بتائے گا کہ محمد رسولِ خدا ﷺ ہیں اور جہاں کا قصد کریں توفیق یافتہ ہیں۔

۲۔ انھوں نے اپنے رب سے دعا کی اور تنہا اسی سے مدد مانگی تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ان پر نوازش کی۔

۳۔ ہم محمد ﷺ سے قدید پر ملنے کا وعدہ کر کے چلے وہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات کی تکمیل کے لیے ہماری قیادت فرما رہے تھے۔

ان کا ایک اور آخری نمونہ دیکھتے چلیں:

رأیتک یاخیر البریة کلها　　تشرت کتابا جاء بالحق معلما

و نورک بالبرهان أمرا مدمسا　　و أطفأت بالبرهان جمراً مضرما

فمن مبلغ عنی النبی محمداً　　و کل امری یجزی بما قد تکلما

تعالیٰ علواً فوق عرش الهنا　　و کان مکان اللّٰه أعلی و أعظما

(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص ۸۷، بحوالہ شواہد الغنی ص ۴۴، ابنِ ہشام ۲/۶۰، ابنِ عساکر ۲/۲۵۵)

مفہوم

۱۔ اے ساری مخلوق میں سب سے بہتر فرد میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے وہ کتاب عام کی جو

حق کو واضح کر کے سامنے لائی۔

۲۔ آپ ﷺ نے تاریکی میں دبے ہوئے امور کو ربانی برہان سے روشن فرمایا اور دہکتے شعلے کو بجھایا۔

۳۔ میری طرف سے کوئی نبی محمد ﷺ کو یہ بتا دے کہ ہر شخص کو اس کے کلام کا ہی بدلہ ملے گا۔

۴۔ آپ ﷺ نے ہمارے خدا کے عرش تک بلندی کی پرواز بھری جب کہ خدا کا مقام تو خود بہت بلند و بالا ہے۔

کعب بن مالکؓ وہ صحابی شاعرِ رسول اللہ ﷺ ہیں جو بدقسمتی سے دو اور صحابہ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی سعادت سے بچھڑ گئے تھے۔ اس کی پاداش میں ان کو اور ان کے دونوں ساتھیوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور تمام صحابہؓ کی طرف سے مکمل مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان سب کا اپنے خدا پر ایمان، رسولِ کریم ﷺ سے مخلصانہ وابستگی اور دینِ اسلام پر راسخانہ اعتقاد اس اعلیٰ پیمانے کا تھا کہ اس جان لیوا ابتلا و آزمائش اور امتحان کے دور سے اس سرخ روئی و سرفرازی کے ساتھ کامیاب و کامران نکلے کہ ان کی سچی توبہ کی قبولیت کا ریکارڈ تا قیامِ قیامت قرآن شریف میں محفوظ ہوگیا اور آنے والے ہر دور کے مسلمانوں کے لیے سچی توبہ و استغفار کے صلے میں معافی اور مغفرت کی روشن اُمید کی جگمگاتی کرن عطا کر گیا۔ ان کی شاعری میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق بعض اشعار کے نمونے ملاحظہ ہوں۔ غزوۂ بدر کے موقع پر ان کے متعدد قصائد میں ایسے اشعار ملتے ہیں:

شھدنا بأن اللّٰہ لا ربّ غیرہ   و أن رسول اللّٰہ بالحق ظاھر

(سیرتِ ابنِ ہشام ۲/۳۷۹، سیرتِ ابنِ کثیر ۲/۵۲۶)

مفہوم

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ حق کے ذریعے غالب ہوں گے۔

یا یہ شعر:

نبی لہ فی قومہ ارث عزۃ   و أعراق صدق ھذبتھا أرومھا

(سیرتِ ابنِ ہشام ۲/۳۹۵، سیرتِ ابنِ کثیر ۲/۵۲۷)

مفہوم

وہ ایسے نبی ہیں جن کی اپنی قوم میں عزت کی بڑی میراث ہے اور سچائی کی بنیادیں ہیں جن

کو ان کے حسب نسب نے سنوارا ہے۔

یا یہ شعر:

رسول اللّٰہ یقد منا بامر　　من أمر اللّٰہ أحکم بالقضاء

(سیرتِ ابنِ ہشام ۲/۳۹۵، سیرتِ ابنِ کثیر ۲/۵۲۷)

مفہوم

اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ ہم کو لے کر آگے بڑھتے ہیں اس بات کو طے کرنے کے لیے جس کا قضا و قدر کے ذریعے فیصلہ ہو چکا ہے۔

غزوۂ احد کے موقع پر ان کے قصائد کے بعض اشعار کا انتخاب دیکھیں:

و فینا رسول اللّٰہ نتبع أمرہ　　اذا قال فینا القول لاتتظلع

تدلی علیہ الروح من عند ربہ　　ینزل من جو السماء و یرفع

نشاورہ فیما نرید و قصرنا　　اذا ما اشتھی أنا تطیع و تسمع

(سیرتِ ابنِ ہشام ۳/۹۱، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۱۰۸)

مفہوم

۱۔ ہم میں رسول اللہ ہیں جن کا ہم حکم مانتے ہیں اور جب وہ ہم سے کوئی بات کہتے ہیں تو ہم روگردانی نہیں کرتے۔

۲۔ ان پر ان کے رب کے پاس سے جبریلؑ آتے ہیں جو فضائے سماوی سے اُتارے جاتے ہیں اور اُٹھائے جاتے ہیں۔

۳۔ ہم جو چاہتے ہیں ان سے اس میں مشورہ کرتے ہیں اور وہ جو چاہیں اس میں سمع و اطاعت ہمارا مقصد ہوتا ہے۔

اسی غزوہ میں سیّد الشہدا حمزہؓ کی یاد میں ایک قصیدے کا ایک شعر یہ ہے:

رسول اللّٰہ مصطبر کریم　　بأمر اللّٰہ ینطق اذ یقول☆

(سیرتِ ابنِ ہشام ۳/۱۴۸، سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۱۱۷)

مفہوم

رسول اللہ ﷺ صابر و کریم ہیں، جب بولتے ہیں تو اللہ کے حکم سے۔

غزوۂ احد سے متعلق ان کے ایک اور قصیدے میں اپنے محبوب و محسن سے مدح ذرا

تفصیل کی ہے۔ دیکھیے کس انداز میں گویا ہوتے ہیں:

فینا الرسول شهاب ثم يتبعه نور مضیٔ، له فضل علی الشهب
الحق منطقه والعدل سيرته فمن يحيه اليه ينج من تبب
نجد المقدم ماضی الهيم معتزم حين القلوب علی رجف من الرعب
يمضی و يذمرنا عن غير معصية كأنه البدر لم يطبع علی الكذب
بدالنا فاتبعناه نصدقه و كذبوه، فكنا أسعد العرب

(سیرتِ ابنِ ہشام ۳/۱۴۶۔۱۴۷)

مفہوم

۱۔ ہم میں رسول اللہ ﷺ ایک تارے کی مانند ہیں جس سے ایسی منور روشنی نکلتی ہیں جس کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

۲۔ ان کی بات سچ، ان کی سیرت منصفانہ ہے، جو ان کی بات پر کان دھرے گا ہلاکت سے بچے گا۔

۳۔ پیش رو دستہ کے پشت پناہ، ارادہ کے پکے، باحوصلہ اس وقت جب کہ دل خوف سے کانپنے لگیں۔

۴۔ آگے بڑھتے جاتے ہیں اور... بھائی کے ساتھ ہمارا حوصلہ بڑھاتے ہیں گویا کہ وہ بدرِ کامل ہیں جن کی جھوٹ پر خلقت نہیں ہوئی ہے۔

۵۔ وہ ہم میں مبعوث ہوئے تو ہم نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے پیروی کی اور دوسروں نے ان کو جھٹلایا تو ہم تمام عربوں میں سب سے خوش قسمت ٹھہرے۔

فتحِ خیبر کے بعد آپ ﷺ نے طائف کا رُخ فرمایا تو شاعر کی نظر نے رسول اللہ ﷺ کا جو عکس اپنے اشعار میں محفوظ کیا وہ یہ ہے:

رئيسهم النبی، و كان صلباً نقی القلب مصطبراً عزوفا
رشيد الأمر ذا حكم و علم و حلم، لم يكن نزقا خفيفا
نطيع نبينا و نطيع ربا هو الرحمٰن كان بنا رؤوفا

(سیرتِ ابنِ ہشام ۳/۱۴۴)

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

مفہوم

۱۔ مجاہدین کے نبی سردار عزم کے پکے، صاف دل، صابر اور بری باتوں سے متنفر تھے۔

٢۔ صائب الرائے، صاحبِ اقتدار و باعلم وحلیم تھے۔ غصے میں بے قابو ہونے والے یا اوچھے نہ تھے۔

٣۔ ہم اپنے نبی اور پروردگار کی اطاعت کرتے ہیں جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

عہدِ نبوت کے ایک شہیدِ اسلام شاعر عبداللہ بن رواحہؓ ہیں۔ ان کو شہادت کی ایسی سچی تمنا تھی کہ غزوات میں ان کا شعار یا نفس ان لم تقتلی تموتی ہوتا تھا۔ آخر ان کی یہ تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ غزوۂ موتہ میں زید بن حارثہؓ اور جعفر بن ابی طالبؓ کی شہادت کے بعد انھوں نے بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا ہاتھ میں لیے ہوئے لڑتے لڑتے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اس غزوہ کے لیے روانگی سے قبل رسولِ کریم ﷺ سے رخصتی ملاقات کے موقعے پر انھوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ نذرانۂ عقیدت پیش کیا تھا:

فثبت اللّٰہ ما آتاک من حسن تثبیت موسی، و نصراً کالذی نصروا
انی تفرست فیک الخیر نافلة اللّٰہ یعلم انی ثابت البصر
أنت الرسول فمن یحرم نوافله والوجه منه فقد أزری به القدر

(سیرتِ ابنِ ہشام ٣/ ٣٢٨۔٣٢٩، سیرتِ ابنِ کثیر ٣/ ٤٥٦۔٤٥٧)

مفہوم

١۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو موسیٰؑ کی طرح اس اچھے دین پر ثابت قدم رکھے اور ویسی ہی مدد کرے جیسی ان کی کی تھی۔

٢۔ میں نے آپ ﷺ میں تمام اچھائیاں تاڑ لی ہیں اور خدا جانتا ہے کہ میں صحیح نگاہ والا ہوں۔

٣۔ آپ ﷺ ہی رسول برحق ہیں، اس لیے جو آپ ﷺ کی توجہ اور نوازش سے محروم رہا تو اس کی قسمت ماری گئی۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے یہ اشعار سن کر ان کے لیے بھی یہی دعا دہرائی و أنت **فثبتک اللّٰہ** (سیرتِ ابنِ کثیر ٣/ ٤٨٧)

پھر جب رسول اللہ ﷺ لشکر کو رخصت کرکے واپس ہوئے تو عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا:

خلف السلام علی امرئ ودعته فی النخل خیر مشیع و خلیل

(سیرتِ ابنِ ہشام ٣/ ٤٢٩، سیرتِ ابنِ کثیر ٣/ ٤٥٧)

مفہوم

سلامتی ہو اس شخص پر جس کو میں نے نخلستان میں رخصت کیا، وہ بہترین مشایعت کرنے والا

اور دوست ہے۔
بخاری کے حوالے سے ابنِ کثیر نے ان کے درج ذیل مدحیہ اشعار بھی نقل کیے ہیں:

و فینا رسول اللّٰہ نتلو کتاب اذا انشق معروف من الفجر ساطع
یبیت یحا فی جنبه عن فراشه اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع
أتی بالهدی بعد العمی فقلوبنا به موقنات أن ما قال واقع

(سیرتِ ابنِ ہشام ۳/۴۸۸)

مفہوم

۱۔ ہم میں رسول اللہ ﷺ ہیں جن کی لائی ہوئی کتاب صبحِ صادق طلوع ہونے کے وقت پڑھتے ہیں۔
۲۔ رات ان کا پہلو بستر سے جدا رہتا ہے جب کہ مشرکین کے بچھونے ان کے وزن سے بوجھل رہتے ہیں۔
۳۔ وہ کور بصری کے بعد ہدایت لائے جس پر ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ انھوں نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔

آخر میں ان کے یہ نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

روحی الفداء لمن أخلاقه شهدت بأنه خیر مولود من البشر
عمت فضائله کل العباد کما عم البریة ضوء الشمس والقمر
لو لم تکن فیه آیات مبینة کانت بدیهته تنبیک بالخبر

(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص ۵۷، نقوش لاہور، رسول نمبر ۱۰/۲۴۴)

مفہوم

۱۔ میری جان اس ذات پر قربان ہو جس کے اخلاق اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ تمام انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔
۲۔ اس کے احسانات تمام بندوں کے لیے ایسے عام ہیں جیسے کہ چاند و سورج کی روشنی تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔
۳۔ اگر اس کی ذات میں اور روشن دلیلیں نہ بھی ہوتیں تب بھی اس کا چہرہ مہرہ تم کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیتا۔

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

آخر میں لسانِ رسالت مآب ﷺ کے ترجمان شاعرِ اسلام حسان بن ثابتؓ سے کون واقف نہیں۔ ان کے اعزاز کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کو شاعری کی زبان میں کفار کے مقابلے کی ہدایت جنابِ رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے جاری کی گئی تھی۔ اُهجهم و جبريل معک۔ اور پھر انھوں نے اس حکمِ نبوی ﷺ کی تعمیل اس طرح کی کہ نہ صرف کفار کی بدزبانی اور گستاخیوں کے جواب دینے اور رسولِ کریم کی عزت و آبرو کی حفاظت و دفاع کی خاطر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو سب داؤ پر لگا دی:

فان أبی و والده و عرضی　　　　لعرض محمد منكم وقاء
لسانی صارم لاعيب فيه　　　　و بحری لاتكدره الدلاء
(سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۵۸۸)

مفہوم

۱۔ میرے باپ دادا اور خود میری عزت و آبرو محمد ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے ڈھال ہے۔
۲۔ میری زبان کاٹنے والی تلوار کی طرح بے عیب ہے اور پانی نکالنے سے میرے سمندر کا پانی گدلا نہیں ہوتا۔

بلکہ دعوت و تبلیغ و توضیحِ اسلام کا فریضہ ہو یا اسلامی غزوات و سرایا کے روشن کارنامے رقم کرنا ہوں یا شہدائے اسلام کے مرثیے ہوں، انھوں نے اپنی شاعری کی خوب صورت زبان میں اپنا عہد و پیمان وفا کیا اور ان میں سے ہر ایک کا حق ادا کر دیا۔ روایت ہے کہ ان کی بیش بہا شاعرانہ خدمات کے صلے میں ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کے شعر سننے سنانے کے لیے مسجدِ نبوی ﷺ کے ایک زاویے میں ایک منبر رکھوایا گیا۔ ان کے بعض قصائد میں سے ان کے مدحیہ کلام کے چند نمونے یہاں ملاحظہ ہوں:

رسول يصدق ما جاء ہ　　　　و يتلو كتابا مضيأ منيراً
(سیرتِ ابنِ کثیر ۳/۲۹۶)

مفہوم

ان کے پاس جو پیغامِ خداوندی آتا ہے وہ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور روشن و منور کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔

ایک اور موقعے پر رسول اللہ ﷺ کا وصف اس طرح بیان کرتے ہیں:

نبی یری ما لا یری الناس حوله و یتلو کتاب الله فی کل مشهد
و ان قال فی یوم مقالة غائب فتصد یقها فی الیوم او فی ضحی الغد

(سیرتِ ابنِ کثیر ٢/٢٦٢)

مفہوم

١۔ نبی ﷺ ان حقائق کا ادراک فرما لیتے ہیں جن کو ان کے آس پاس کے لوگ نہیں دیکھ پاتے اور وہ ہر موقعے پر کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔

٢۔ اور اگر وہ کسی دن کوئی غیبی بات عرض کریں تو اسی دن یا دوسرے دن صبح تک اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

بنو قریظہ کے قتل و جلاوطنی کے موقعے پر ان کے ممدوح ﷺ کی یہ تصویر کشی ملاحظہ ہو:

غداة أتاهم یهوی الیهم رسول الله کالقمر المنیر
له خیل مجنبة تعادی یفرسان علیها کالصقور

(سیرتِ ابنِ کثیر ٣/٢٥٩)

مفہوم

١۔ اس صبح ان کی طرف رسول اللہ ﷺ ماہِ تاباں کی طرح بڑھے۔

٢۔ ان کے ساتھ اصیل گھوڑے تھے جن پر شہسوار دشمن پر بازوؤں کی طرح جھپٹتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کی شاعری میں سب سے زیادہ متوجہ کرنے والی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کی ہر صنف میں ہمیشہ اسلامی تعلیمات کو بہت سلیقے سے سمونے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ہم کو صرف مدحِ رسول اللہ ﷺ سے مطلب ہے۔ دیکھیے ان کی یہ خوش لحن آسان نعت جس میں حمد و نعت اور اسلامی تعلیمات کا کتنا حسین امتزاج ہے:

أ غر علیه للنبوة خاتم من الله مشهود، یلوح و یشهد
و ضم الا له اسم النبی الی اسمه اذ قال فی الخمس المؤذن أشهد
و شق له من اسمه لیجله فذوالعرش محمود و هذا محمد
نبی أتانا بعد یأس و فترة من الرسل، والأوثان فی الأرض تعبد
فأمسی سراجاً مستنیراً و هادیاً یلوح کم الاح الصیقل المهند

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

و أنذرنا ناراً و بشر جنة　　و علمنا الاسلام فاللّٰه نحمد
و أنت اله الخلق ربی و خالقی　　بذلک ما عمرت فی الناس أشهد
تعالیت ربّ الناس من قول من دعا　　سواک الها، أنت أعلی و أمجد
لک الخلق و النعماء، والأمر کله　　فایاک نستهدی، و ایاک نعبد

(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص ۶۵۔۶۶، بحوالہ دیوانِ حسان بن ثابتؓ)

مفہوم

۱۔ اللہ کی طرف سے ان پر ثبت شدہ درخشاں و تاباں مہرِ نبوت گواہ ہے۔
۲۔ خدا نے نامِ نبی کو اپنے نام کے ساتھ اس طرح ملایا کہ مؤذن پانچوں اذانوں میں اشھد ان محمداً رسول اللّٰه کہتا ہے۔
۳۔ اوران کے اعزاز کے لیے اپنے نام سے ان کا نام مشتق فرمایا تو صاحبِ عرشِ محمود ہے اور یہ محمد ﷺ۔
۴۔ وہ رسولوں کے انقطاع کے ایک عرصۂ نااُمیدی کے بعد ہم میں تشریف لائے جب کہ سرزمین میں بتوں کی عبادت کی جا رہی تھی۔
۵۔ لہٰذا وہ ہدایت دینے والے روشن چراغ ثابت ہوئے۔ایسے چمکتے ہیں جیسے کہ صیقل شدہ ہندی تلوار۔
۶۔ انھوں نے ہم کو آگ سے ڈرایا، جنت کی بشارت دی، اسلام کی تعلیم دی، لہٰذا ہم اللہ ہی کی حمد بیان کرتے ہیں۔
۷۔ اے میرے پروردگار! تو میرا اور تمام مخلوق کا معبود ہے، میں تا عمر اسی کی گواہی دیتا رہوں گا۔
۸۔ تیرے سوا جو دوسروں کو معبود کی حیثیت سے پکارے درحقیقت تو اُس کی اِس ہرزہ سرائی سے بلند و بالا ہے۔
۹۔ ساری مخلوق تمام نعمتیں اور حکمِ مطلق تیرا ہی ہے لہٰذا ہم تجھ ہی سے ہدایت چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

اسی لب و لہجے اور لَے میں یہ آخری مدحیہ نمونہ بھی دیکھیں:

واللّٰه ربی لانفارق ماجداً　　عف الخلیقه ما جد الأجداد
متکرماً یدعو الی ربّ العلی　　بذل النصیحة رافع الأعماد

مثل الهلال مباركاً ذا رحمة　　سمح الخليقة طيب الأعواد

ان تتركوا فان ربی قادر　　امسی یعود بفضله العواد

واللّٰه ربی لانفارق أمرة　　ماكان عيش يرتجىٰ لمعاد

لانبتغی رباً سواه ناصرا　　حتی نوا فی صحوة الميعاد

(عبداللہ عباس ندوی، عربی نعتیہ کلام، ص۶۷، بحوالہ دیوانِ حسان بن ثابتؓ زادالمعاد)

مفہوم

۱۔ اے میرے پروردگار تیری قسم! ہم اس کا ساتھ نہ چھوڑیں گے جو بزرگ، مخلوق میں پاکباز اور عالی نسب ہے۔

۲۔ بزرگ و برتر پروردگار کی طرف بلانے والا محسن، خیرخواہ اور بلند حوصلہ ہے۔

۳۔ ہلال کی طرح مبارک، بارحمت، مخلوق کے لیے نرم خو اور حسب و نسب والا ہے۔

۴۔ اگر تم اس کو چھوڑ بھی دو تو میرا رب اس بات پر قادر ہے کہ اپنے فضل سے لوگوں کو اس کی طرف رجوع کرے۔

۵۔ اے میرے پروردگار تیری قسم! ہم ان کے دین کو نہ چھوڑیں گے ورنہ پھر آخرت میں کسی خیر کی اُمید نہیں۔

۶۔ ہم تیرے سوا کسی کو مددگار رب نہیں مانتے تا آں کہ ہم وقتِ موعود کو پہنچ جائیں۔

حاصلِ بحث

عہدِ نبوت کے بعض مسلم صحابی شعرا کے مذکورہ چند مدحیہ نمونوں میں زبان و ادب کی چاشنی، وصف و بیان میں جاذبیت و کشش، حقیقت نگاری اور شاعرانہ خیال آرائی میں توازن و اعتدال، نامناسب غلو و مبالغہ سے احتراز اور عبد و معبود کے درمیان حدود کا پاس و لحاظ واضح طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان شعرا کے ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا صحیح ادراک، عبدیت کے ساتھ مقامِ رسالت و نبوت کی قدر و منزلت، لیکن دونوں کے درمیان واضح فرق کا اتنا عمیق احساس ہے کہ سہواً بھی کہیں دونوں میں خلط مبحث کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کی مدح میں آپ ﷺ کی عبدیت و بندگی کا ذکر اور پھر رسالت و نبوت کے مرتبہ کو خدا کے فضل و احسان سے تعبیر کرنا اور فوراً حمدِ باری تعالیٰ کا ترانہ الاپنا، اسلامی تعلیمات و شعائر کی تشریح و توضیح اور ان کی برتری کا بیان اس بات کا واضح ثبوت معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی ہر صنف کا بنیادی مقصد

D:NaatRang-16
File:Masood
Final

دعوتی اور تبلیغی تھا، جس کے ذریعے مسلمانوں کو ایمان و اسلام پر ثبات و استقامت کی دولت پر ناز و افتخار حاصل ہوتا تھا اور کفار و مشرکین و منافقین کے سامنے خداوندی پیغام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا ہوتا تھا، اس لحاظ سے ان کی شاعری کو آج کی معروف اصطلاح میں تحریکی شاعری کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہی شاعری ہمارے آج کے شعرا کے لیے بھی نمونہ و مثال کا کام دے سکتی ہے جس کے ذریعے وہ اسلامی خدمت کے متنوع وسیع میدانوں میں سے ایک میدان میں بحیثیت داعی مسلمان شاعر اپنے اوپر اسلام کے دفاع کے حق اور فرض سے سبک دوش ہوسکتے ہیں۔

حاشیہ

☆۔ ابنِ اسحاق نے یہ شعر عبداللہ بن رواحہ کا بتایا ہے۔ اور ابن ہشام نے کعب بن مالک کا۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

ظہورِ قدسی

(اردو نعت کے آئینے میں)

اقبالؔ نے کہا تھا:

اے ظہور تو شبابِ زندگی — جلوہ است تعبیر خوابِ زندگی

اے زمیں از بارگاہت ارجمند — آسماں از بوسۂ بامت بلند

حضور ﷺ وجہِ وجودِ کائنات ہیں اور سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ، بالواسطہ یا بلاواسطہ کائنات کی جملہ رعنائیاں آپ ﷺ ہی کے حسن سے مستنیر اور جملہ پہنائیاں آپ ﷺ ہی کے ذکر سے معمور ہیں۔ وقت کی ہر ساعت آپ ﷺ ہی کی یاد سے تازگی، شگفتگی اور بالیدگی لے رہی ہے:

ہر لحہ، ہر صدی کا ازل سے اُفق اُفق — صَلِّ علیٰ کا سرمدی نغمہ سنائے ہے

تورات ہو یا زبور، انجیل یوحنا ہو یا برنباس، بدھ کے ملفوظات ہوں یا بھویش پران کے اسباق، اتھروید کے منتر ہوں یا دساتیر کے اصول... قدیم صحافت کا ورق ورق کسی نہ کسی طور آپ ﷺ کے ذکر سے تابندہ ہے، کہیں آپ ﷺ کو فارقلیط کہا گیا، کہیں منحمنا، کہیں میتر یا کہیں بھگت گرو، تحریفات کے باوجود اناجیل میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں بشارتیں واضح انداز میں نظر آتی ہیں:

رقم ہیں صحیفوں میں القاب تیرے — تو یٰسین و طٰہٰ میں طلعت نما ہے

گونج ان کی ثنا کی رہی ہے ہر نبی نے خبر ان کی دی ہے

کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے جس میں ان کا حوالہ نہیں ہے

وہ وجود پاک جو اعتبار اوّلیں بھی ہو اور افتخارِ آخریں بھی۔ جو تازہ تر گلبرگِ صحرائے وجود بھی ہو اور قیمتی تر گوہرِ دریائے جود بھی، جو مطلع دیوانِ نبوت بھی ہو اور مقطع نظم رسالت بھی۔ جو مظہرِ نور کبریا بھی ہو اور حبیبِ خدا بھی۔ جو سیّد الثقلین بھی ہو اور امام القبلتین بھی۔ جو ساقیٔ کوثر بھی ہو اور شافع محشر بھی۔ جو قبلہ زاہداں بھی ہو اور کعبۂ قدسیاں بھی۔ جس کا جلوہ صبحِ ازل کی ضو بھی ہو اور شام ابد کی لَو بھی۔

وہ عظیم الشان انسان ﷺ جس کے خرامِ ناز نے تاریخ کے دھارے کو موڑا اور تمدن کے رُخ کو نکھارا ہو۔ جس کے کوچے کے ذرّوں کو چھو کر گزرنے والی ہوائے مشکبو سے دل کے غنچے نمو پاتے اور روح کے آنگن مسکراتے ہوں جس کے نقوش پا کی چمک اور جس کے محاسن کی دھنک آج بھی منزل نشاں ہو۔ ربّ جہاں جس کے مسکن کی قسم کھاتا اور تفہیم مطالب کیلیے اُسے شاہد بناتا ہو اور جس ذات اقدس کے نعتیہ ترانوں کی آغوش میں ازل نے انگڑائی لی ہو اور ابد انھی نغموں کے لیے گوش بر آواز ہو۔ جس کا ہر قدم تاریخ ساز، ہر بول ہدایت نما، ہر فعل نقشِ جاوداں اور ہر نفس خزاں بخت کائنات کے لیے موجِ بہار ہو اور جس کے فیضِ نگاہ سے عقل، صاحبِ اسرار اور عشق تیغ جوہرداد ہو... مجھ ایسا عاجز و درماندہ اور انتہا کی گنہ گار و خطا کار انسان، سیاہ رو و سیاہ کار شخص، گندم نما جو فروش اور زناردار خرقہ پوش بشر اُس خیرالبشر ﷺ کے بارے میں اپنی زبان کے سارے اسلوب، اپنے اظہار کے سارے پیرائے اور اپنے انداز کے سارے حسن سمیٹ کر بھی، اپنے عجزِ بیان ہی کو بیان کے طور پر پیش کرسکتا ہے کہ سکوت بھی تکلم بلیغ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے نغمے بھی ہوا کرتے ہیں جو شرمندۂ آواز نہیں ہوتے:

ترے جلووں کے آگے طاقتِ شرح بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگاہ رکھ دی، نگاہِ بے زباں رکھ دی

مدیرِ ''نعت رنگ'' اجازت دیتے تو ظہورِ قدسی سے متعلق نعتیہ انوار کے ساتھ ساتھ کچھ خوب صورت نثرپاروں کو بھی مربوط کرتا جاتا کہ یہ رشحات خامہ بھی میرے نزدیک نثری نعتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نثرپارے اُن شخصیتوں کے قلمی نوادر ہیں، جو خاصانِ بارگاہ ہی نہیں، صاحب اسلوب نثرنگار بھی ہیں، جس طرح قامت زیبا، کسی سرورِ رواں کی قیامت آفرینیوں کا غماز ہوا کرتا ہے اسی طرح صاحبِ اسلوب نثرنگار کی تحریر خود بولتی ہے کہ وہ کس قسم کے خرام ناز کا حاصل ہے کہ صاحب طرز کہتے ہی اس کو ہیں جو لاکھوں میں ایک ہو اور ہزاروں میں پہچانا جائے

اور جسے لٹ جانے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ جس کے پاس جو ہو اس کا اپنا ہو اور جس کا فکری گداز اس کی شخصی بصیرت اور قلمی فضیلت سے ہم آہنگ ہو اور جس کی تحریر کا حسن خود بخود نگاہوں سے لپٹتا اور بے ساختہ دل میں اُتر جاتا ہو... ورنہ کتنے ہی ''باتخلص'' ہیں کہ اُن کی ''نثر نما اشعار'' پڑھ کر نہ دل کیف پاتا ہے نہ روح وجد کرتی ہے۔ اور دوسری طرف کتنے ہی صاحب قلم ہیں کہ اُن کی نثری جملوں پر بھی تغزل کی ایمائیت جھومتی ہے، حسن جہاں بھی ہو، کسی بھی رنگ، ڈھنگ اور آہنگ سے ہو، بات بہر نوع حسن آفرین ہی تک جاتی ہے اور ہر راہ، اُسی کی چاہ کے در تک پہنچتی ہے، شاعر کا قلم لاکھ تعلّی کرے کہ:

اپنا بھی قلم حضرت جبریلؑ کا پر ہے چھتا ہوں رُخِ وقت پہ الہام کی افشاں
میں خضرِ ادب ہوں مری تخلیق امر ہے کیوں زندۂ جاوید نہ ہو میرا تغزل

شکر تو اُسی ذات بلند و برتر کا ہے جس نے قلم کا ذریعے علم کے ایوان روشن کیے ہیں اور اگر تذکرہ اُس ذاتِ اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت کا ہو، جسے ربّ عالم نے رحمت عالم بنا کر بھیجا ہو جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے ہوں جس کی نگاہوں سے سورج ضیا لیتا ہو، جو اٹھتا ہو تو ستارے فرش راہ ہوجاتے ہوں، بیٹھتا ہو تو زمین عرش بن جاتی ہو، تو قلم میں پَرِ ہما کی جنبش خود بخود پیدا ہوجاتی ہے کہ خیال میں زیبائی ہے تو اُسی ذات سے، دلوں میں بصیرت ہے تو اسی نام سے، زبانوں میں تاثیر ہے تو اُسی یاد سے اور قلم میں حسن ہے تو اُسی ظہور سے۔ حق یہ ہے کہ اگر وہ تشریف نہ لاتے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہوتی، نہ فکر و خیال کی دنیا میں کوئی چاندنی ہوتی اور نہ قرطاس و قلم کی وادیوں میں کوئی روشنی...

ظہورِ قدسی کے سلسلے میں اردو شعر و ادب اس قدر نظر افروز اور دل آویز وسعتوں کا حامل ہے کہ نگہِ انتخاب حیران و ششدر ہے کہ کسی نثر پارے، کسی نظم اور کسی نعت کو لیا جائے اور کسی کو چھوڑ جائے۔ سیرت نگار جب بھی ولادت باسعادت کے ذکر پر پہنچتے ہیں تو اُن کا دل مسکرا اُٹھتا اور قلم گل فشاں ہوجاتا ہے۔ نتیجہ معلوم کہ بعض نثر پاروں کے سامنے شعر بے حیثیت نظر آتے ہیں۔ احقر نے (چند شعروں کے سوا) غزل کی ہیئت میں لکھی جانے والی نعتوں کے ایک مختصر سے انتخاب پر اکتفا کی ہے۔ متعلقہ نظموں کو اردتاً نہیں لیا کہ نظم کا انداز مسلسل ہوتا ہے اور پوری نظم بطور اکائی کے لطف دیتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ظہورِ قدسی سے متعلق خوب صورت نثر پاروں، نظموں اور نعتوں کا مکمل احاطہ، کسی مقالے میں ممکن ہی نہیں۔ اس کے لیے ایک مبسوط تالیف مطلوب

D:NaatRang-16
File: Iqbal Javed
1st Proof

ہے۔ بہرکیف احقر کے دامانِ نگاہ کی تنگیاں اور ''نعت رنگ'' کی ''ضخامتی مجبوریاں'' نثر و نظم کے ان گلہائے حسیں کی فراوانیوں سے معذرت طلب ہیں۔

اب ایک شعری قوسِ قزح دیکھیے کہ ولادت باسعادت کا تذکرہ کس رنگ و آہنگ کے ساتھ جلوے بکھیر رہا ہے۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ
(حالیؔ)

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرّہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
(اقبالؔ)

آگئے حضرت کہ جلوں کو جہاں درکار تھا ظلمتوں میں آفتاب ضوفشاں درکار تھا
(حافظ مظہرالدین)

☆

امام الانبیا آئے، حبیبِ کبریا آئے دلوں کی روشنی لے کر محمد مصطفیٰ آئے
نہ جانے کب سے دنیا میں لہوانساں کا ارزاں تھا نصابِ زندگی لے کر رسول ﷺ باصفا آئے
خدا سے ناشناسا تھا ہر اک انسان دھرتی کا رہِ وحدت دکھانے کے لیے عقدہ کشا آئے
(آثم فردوسی)

ہوا جب ضوفشاں دنیا میں مہرِ وادیٔ بطحا رُخِ ہستی پہ رنگِ جلوۂ نورِ سحر نکھرا
مشیت نے نظامِ زندگی ترتیب دینے کو کتابِ زندگی میں بابِ رحمت اک نیا کھولا
جبینِ شوق اس کے آستاں پہ کیوں نہ جھک جائے کہ جس نے قلبِ مسلم کو مذاقِ آرزو بخشا
(حیرت جلال پوری)

چھائی ہوئی تھی ظلمتِ شب دُور دُور تک آتی ہے اب نویدِ سحر دُور دُور سے
آمد سے اُن کی، زیست کی قدریں بدل گئیں دنیا حسین بن گئی اُن کے ظہور سے
آسودہ آ کے منزلِ بطحا میں ہوگیا جلووں کا کارواں جو چلا کوہِ طور سے
(ذکی کیفی)

ہر سمت جشنِ آمد شاہ ہدیٰ ہے آج ہر ایک لب پہ نغمۂ صلِ علیٰ ہے آج
زینت فزائے دہر ہے تنویرِ حسن و عشق ہر سمت نور ایزدی جلوہ نما ہے آج

جس کی شمیم سے یہ فضائیں ہیں عطربار باغِ جہاں میں وہ گلِ رعنا کھلا ہے آج
آئی حجابِ نور سے دل کش نوائے شوق ہر سو ضیائے طلعتِ بدرالدجیٰ ہے آج
ارض و سما ہیں حسن سے جس کے فروغ گر وہ آفتابِ ہاشمی جلوہ نما ہے آج
(قمریزدانی)

ہوا جہاں میں تری ذاتِ پاک کا جو ورود نظر کی حد سے بھی آگے تھے روشنی کے حدود
(احسان دانش)

تاریکیوں پہ چھانے لگا نورِ سرمدی آفاق پر ظہورِ کمال سحرا ہوا
ویران بت کدے ہوئے آتش کدے بجھے کس شان سے وہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
ہر بوند اس کے لطف سے موجِ رواں بنی ہر ذرّہ اس کے فیض سے لعل و گہر ہوا
بطحا کی خاک بن گئی اکسیر لازوال اس کے خرام ناز کا ایسا اثر ہوا
(صفی العیشی)

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
(احمد رضا خاں بریلوی)

☆

آج ہے اس نبی کی ولادت کا دن سارے نبیوں کو جس کی امامت ملی
ہر گھڑی اس گھڑی کا قصیدہ پڑھے خاک کو جب ستاروں کی عظمت ملی
جھوٹی معبودیت منھ کے بل گر پڑی صحنِ کعبہ کو سچی عبادت ملی
(مظفروارثی)

فرشتے تھے فضائے قدس میں صرف پُرافشانی
خوشی سے جھومتے تھے ان کے پیکر ہائے نورانی
پروں کی جنبش لرزاں سے موسیقی کی لے پیدا
لبوں کی لرزش پیہم سے طاری کیف روحانی
وفورِ نور کا عالم تھا ایسا آخر شب میں
کہ ہر تارے پہ ہوتی تھی فدا خورشید سامانی
پڑیں فاران کی چوٹی پہ بوندیں ابرِ رحمت کی
فزوں تر پارۂ سیماب سے بھی جن کی تابانی

D:NaatRang-16
File: Iqbal Javed
1st Proof

خوشی سے مست تھے سب آسماں والے کہ اتنے میں
یکایک یہ ہوا روح الامیں کو حکم یزدانی
منادی جا کے کر دو خشک و تر میں، بحر میں، بر میں
ہوئے پیدا محمد ﷺ آج عبداللہ کے گھر میں
(عبدالمجید سالک)

پو پھٹی دیدہ و دل منور ہوئے — آپ ﷺ آئے تو سب نقش اُجاگر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو فصلِ بہار آگئی — سب ورق گل کدوں کے مصور ہوئے
آپ ﷺ آئے تو ایماں ہوا دل نشیں — شک پریشاں ہوئے، وہم ششدر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو غم دیدہ انسان کو — سچی خوشیوں کے عنواں میسر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو ذرّے بھی انجم بنے — آپ ﷺ آئے تو کنکر بھی گوہر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو بھٹکے ہوئے قافلے — گامزن خیر کے راستے پر ہوئے
(جعفر بلوچ)

تزئینِ کائنات برنگ دگر ہے آج — جشن ولادت شہ ﷺ جن و بشر ہے آج
صدیوں سے فرشِ راہ تھے جس کے لیے نجوم — آغوشِ آمنہ میں وہ رشک قمر ہے آج
صبح ازل کو جس نے دیا حسن لازوال — وہ موجِ نور زینت دیوار و در ہے آج
کس کے قدم سے چمکی ہے بطحا کی سرزمیں — ظلمت کدوں میں شور نوید سحر ہے آج
اے چشم شوق، شوکت نظارہ دیکھنا — ماہِ فلک چراغ سر رہ گزر ہے آج
شوقِ نظارہ نے وہ تراشا ہے آئینہ — جس آئینے میں جلوہٗ آئینہ گر ہے آج
(ناصر کاظمی)

بارگاہِ کبریا سے آگیا — بے نواؤں کی دعاؤں کا جواب
ظلمت جہل و ضلالت میں ہوا — ضوفشاں رشد و ہدیٰ کا آفتاب
آگیا وہ محسنِ انسانیت — جس کی آمد سے کھلے خوشیوں کے باب
سیّدالکونین ہے جس کا لقب — رحمتِ دارین ہے جس کا خطاب
جس کی تعلیمات سے برپا ہوا — ایک عالم گیر فکری انقلاب
(ضیا محمد ضیا)

انساں کو شعور گل و لالہ نہ ہوا تھا جب تک ترے چہرے کا اُجالا نہ ہوا تھا
دُکھی انسانیت کے چارہ گر تشریف لاتے ہیں ہے جن کی ذات رحمت سر بسر تشریف لاتے ہیں
کریں گے جو مسخر دہر کو اخلاقِ عالی سے وہ دل کی سلطنت کے تاجور تشریف لاتے ہیں
خدائی جن کے در سے بھیک پائے گی تمدن کی زمانہ جن کا ہے دریوزہ گر تشریف لاتے ہیں
دیار دل کو خوش بوئے عقیدت سے بسا لیجے وفا کی مشعلوں سے جادۂ جاں جگمگا لیجے

(حفیظ تائب)

نام تھا لکھا ہوا جن کا سر لوحِ ازل وہ خدا کے آخری پیغامبر پیدا ہوئے
رونما چرخِ رسالت پر ہوا مہرِ عرب ظلمت دنیا میں آثارِ سحر پیدا ہوئے
اُس نظر سے بے حسوں کو بھی ملا سوزِ حیات بادلوں میں برق، پتھر میں شرر پیدا ہوئے
آپ ہی کا آستاں ہے جس پہ زخم ہیں دو جہاں یوں تو دنیا میں ہزاروں سنگ در پیدا ہوئے

(قمر میرٹھی)

کھلا ہے باغ عالم میں وہ گل بستانِ فطرت کا کہ خود صناعِ قدرت مدح خواں ہے جس کی نکہت کا
جو وہ پیدا نہ ہوتے، تو نہ ہوتے دو جہاں پیدا انھی کی ذاتِ اقدس مطلعِ اوّل ہے خلقت کا
وہ آئے جن کے آنے کی خبر دی ہر پیمبر نے وہ آئے، تکملہ جن سے ہوا احکامِ قدرت کا
اگر آتی نہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ اس بزمِ ہستی میں تو رہتا ہم سے مخفی حسنِ صنعت، دستِ قدرت کا

(اُفق کاظمی)

آئے وہ جن کے دم سے ہے رونق بزم رنگ و بو بزمِ رسل کے تاج دار، محرمِ رازِ کن فکاں
صحنِ چمن میں چل پڑی پھر سے نسیم عطر بیز غنچے کھلے کلی ہنسی، برگ و شجر ہوئے جواں
علم و عمل کی قوتیں بخش دیں کائنات کو قلب و نظر کو پھر ملی دولتِ سوزِ جاوداں
آئے وہ جن کے فیض نے حسن دیا حیات کو آئے شفیع عاصیاں، آئے پناہ بے کساں

(ذکی کیفی)

غیر فانی امن کا منشور ہے ان کا ظہور چھا گئی سارے جہاں پر رحمت عالم کی ذات
گھپ اندھیروں کی صفیں لپٹیں، اُجالے ہوگئے آپ ﷺ جب تشریف لائے جگمگائی چاند رات
جو ازل سے آج تک ہر اک زباں کا ورد ہے آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کو ملا ایسا ثبات
جلتی بجھتی زندگی کی لو فروزاں ہوگئی آپ ﷺ آئے تو منور ہوگیا روئے حیات

(سلیم اختر فاروانی)

قندیل نور، شمع حرا، زینت حرم نقش جمیل صبح ازل کا کہیں جسے

(حافظ لدھیانوی)

ہوا کے نرم جھونکوں سے مہ و انجم کو نیند آئی شفق پھولی، چمن جاگے، کرن پھوٹی، سحر آئی
نقاب شب عروس مہر نے چہرے سے سرکائی نمود صبح صادق اک پیامِ جاں فزا لائی
حریم قدسی میں محفوظ تھی جو روزِ اوّل سے وہ نعمتِ آمنہ کی محترم آغوش نے پائی
جنابِ مصطفیٰ، صل علیٰ تشریف لائے سواد طیبہ و بطحا پہ رحمت کی گھٹا چھائی
اُجالا ہوگیا ظلمت کدوں میں مہر تاباں سے طلسم جہل ٹوٹا، زندگی نے روشنی پائی

(اقبال عظیم)

کیف سا ایک عالم پہ چھانے لگا قصر وہم و گماں ہوگیا منہدم
زندگی کی شکستہ نوائی رُکی مل گیا سازِ ہستی کو پھر زیر و بم
آفتابِ رسالت ہوا جلوہ گر شب کی تاریکیوں نے دیا توڑ دم
پھر چمن در چمن گل مہکنے لگے پھر صدف ریزیاں ہوگئیں یم بہ یم

(غلام رسول عدیم)

جوش رحمت سے کھلا باب اثر آج کے دن ملی انسان کو معراجِ نظر آج کے دن
کس کے پرتو نے اندھیروں سے تراشے سورج گمرہوں کو ملی منزل کی خبر آج کے دن
گمرہی گرد ہوئی، نور بصیرت چمکا جگمگانے لگی ہر راہ گزر آج کے دن
قطرے قطرے کو ہوا بحر کا وجدان نصیب ذرّے ذرّے کو ملا حسنِ نظر آج کے دن

(طفیل ہوشیار پوری)

کھلیں کلیاں، ہنسے غنچے، چمن میں بھی بہار آئی شمیم جاں فزا آئی، حسین و دلربا آئے
اُبلتے ہیں ترانے ساز فطرت کے فضاؤں میں سحر کے روح پرور کیف میں نور ہدیٰ آئے
فلک سے بھی زمیں پر نور کی بارش برستی ہے جہاں میں رحمتیں لے کر امام الانبیا ﷺ آئے

(گوہر ملسیانی)

مظہرِ نورِ حق جلوہ بار آگیا حسن عالم پہ گویا نکھار آگیا
نازش لطف پروردگار آگیا بزمِ کونین کا تاج دار آگیا
جس کی توصیف ہے برلب قدسیاں دستِ قدرت کا وہ شاہ کار آگیا

جس کا کونین میں کوئی ہم سر نہیں ذاتِ یکتا کا آئینہ دار آگیا
بے سہارو، مبارک، سہارا ملا بے قراروں کو مژدہ، قرار آگیا
(تابش صمدانی)

نظر لالہ و گل پہ اب کیا اُٹھے گی کہ اک حاصل لالہ زار آگیا ہے
بجھے گا نہ جس کا چراغِ نبوت وہ پیغمبر ﷺ ذی وقار آگیا ہے
اب انساں کو انساں کا عرفان ہوگا یقیں ہوگیا، اعتبار آگیا ہے
ازل سے جو تھا باغباں کی نظر میں وہ گل بن کے جان بہار آگیا ہے
جو خیرات میں تاج و اورنگ دے گا فقیروں میں وہ شہرِ یار آگیا ہے
زمانے کو اب اپنی منزل مبارک کہ اک خضر صد رہ گزار آگیا ہے
فلک اپنا اسلوبِ گردش بدل دے کہ اک مصلحِ روزگار آگیا ہے
میں ہوں حق بہ جانب اگر میرے لب پر کوئی نغمہ بے اختیار آگیا ہے
(احسان دانش)

آپ ﷺ آئے نور کی شمعیں فروزاں ہوگئیں قوتیں اشرارِ باطل کی پریشاں ہوگئیں
آگئیں جب ساعتیں صبحِ ولادت کی قریب زندگی کی وسعتیں، گلشن بداماں ہوگئیں
کوہِ فاراں سے جو ابھرا آفتابِ زندگی بلبلیں بستانِ ہستی کی ثناخواں ہوگئیں
(محمد اکرم رضا)

راستے صاف بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں لوگ محفل کو سجاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
کہکشاں راہ گزر، چاند ستارے، ذرّے سب چمک کر یہ دکھاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
رہ گزر میں نظر آنے لگے ہرسو جلوے ذرّے رہ رہ کے بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
چاند تاروں میں نصیؔر آج بڑی ہلچل ہے ہمیں آثار بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
(نصیرالدین نصیر گولڑوی)

آمنہ کا لختِ دل، نورِ نظر پیدا ہوا خاندانِ ہاشمی میں اک گہر پیدا ہوا
اوجِ گردوں پر مقدر کا ستارا آگیا آمنہ کی گود میں اک ماہ پارا آگیا
ہر نبی کے لب پہ تھی جس کی خبر پیدا ہوا راہِ حق میں رہبروں کا راہبر پیدا ہوا
(یزدانی جالندھری)

D:NaatRang-16
File: Iqbal Javed
1st Proof

آج وہ دن ہے جھکی پڑتی ہے رحمت کی گھٹا بعد مدت آج پھر آسودگی ہر گھر میں ہے
آج وہ دن ہے چھپا پھرتا ہے شیطانِ لعین اک ہزیمت کا سا نقشہ اس کے کل لشکر میں ہے
آج وہ دن ہے کہ سب درہائے جنت کھل گئے غلغلہ عیش و طرب کا گنبد بے در میں ہے
(مرزا فرحت اللہ بیگ)

اب آفتاب برج سعادت میں آگیا اب ہو چکی بساط شب نامراد طے
اب دیدۂ بہار میں ہے سرمۂ غبار اب ہو رہی ہے بارش انوار پے بہ پے
اب تاجدارِ یثرب و بطحا کا ہے ظہور تاحد مصر و شام، بہ انحراف روم ورے
(عابد علی عابد)

وادیٔ مکہ میں جب نورِ یقیں روشن ہوا کفر رخصت ہوگیا، دینِ متین روشن ہوا
ہوگئیں کافور سب تاریکیاں، مایوسیاں نورِ ایماں سے ہر اک قلبِ حزیں روشن ہوا
آپ کے آنے سے روشن ہوگئے دشت وجبل عرش تاباں ہوگیا، فرش زمیں میں روشن ہوا
بندۂ مومن کی دنیا، دین میں شامل ہوئی آسمان حق پہ اک ماہِ مبیں روشن ہوا
جو ہٹا سرکارﷺ سے دھندلا گیا، کجلا گیا آگیا جو آپ کے زیرنگیں، روشن ہوا
(اکرم علی اختر)

آپﷺ سے پہلے جہان خشک وتر کچھ اور تھا آپﷺ کی آمد پہ عالم سر بہ سر کچھ اور تھا
نور در آغوش یوں تو روز ہوتی تھی سحر آپﷺ جب آئے تو انداز سحر کچھ اور تھا
(راز کاشمیری)

خلقِ خدا کی پیاس بجھانے کے واسطے سرکارﷺ بحر جود و سخا بن کے آگئے
لُو سے جھلس رہا تھا چمن زارِ دہر کا آپ اس چمن میں ٹھنڈی ہوا بن کے آگئے
پھیلیں شعاعیں نورِ نبوت کی چارسو ظلمت میں آنحضورﷺ ضیا بن کے آگئے
پیغامِ انقلاب تھی بعثت حضورﷺ کی آپﷺ ایک دورِ نو کی صدا بن کے آگئے
(ضیا محمد ضیا)

کعبۂ جاں، قبلۂ قلب و نظر پیدا ہوئے خواجہ کونین، شاہِ بحر و بر پیدا ہوئے
ہر قدم اک مشرق نور و ضیا کا سامنا ہر نفس امکان معراج نظر پیدا ہوئے
عارف ارض و سما، میر بساطِ کائنات خیر سے خیرالامم، خیرالبشر پیدا ہوئے

جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا اک نظر میں سینکڑوں حسنِ نظر پیدا ہوئے
اب نہ اُتریں گے صحیفے، اب نہ آئیں گے رسول لے کے قرآں آخری پیغامبر پیدا ہوئے
(احسان دانش)

رُخِ حیات کے جلوے نکھارنے کے لیے عروسِ دہر کے گیسو سنوارنے کے لیے
حقیر و عاجز و پامال نوعِ انساں کو وقار حد بشر تک اُبھارنے کے لیے
خدا نے ہادیٔ کامل ﷺ کو دہر میں بھیجا رہِ نجات پہ انساں کو ڈالنے کے لیے
(بشیر احمد تمنا)

شبِ ظلمت کے ہنگاموں میں گم تھی نسلِ انسانی یکایک طاق کعبہ پر چراغِ ہاشمی آیا
تبسم کی ادا سیکھی تھی کب گلہائے ہستی نے جب اک انسانِ کامل لے کے ہونٹوں پر ہنسی آیا
پڑی سوتی رہیں دنیا کی قومیں خوابِ غفلت میں وہ جب آیا تو انساں کو شعورِ زندگی آیا
(شفیق جونپوری)

دنیائے نعت گوئی میں جب بھی ولادت باسعادت کا ذکر ہوا ہے، ساتھ ہی درود و سلام بھی شعری شگفتگی، فکری تازگی، قلبی زندگی اور روحانی بالیدگی کا سبب بنتا رہا ہے۔ محبت، تعلق، اُنسیت کا یہ سلسلہ پیہم رواں دواں ہے کہ اوقاتِ عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب کہ کوئی نہ کوئی مسلمان، کہیں نہ کہیں نہ پڑھ رہا ہو اور اپنے آقا اور محسن حضرت محمد ﷺ کے حضور میں درود و سلام نذر نہ کر رہا ہو۔

ربّ دوجہاں کی ذات بلند و برتر ہے اور اس کی حمد و ثنا پیہم رواں اور ہر دم جواں ہے۔ اس کی مشیت تھی کہ اس کے حبیب ﷺ کی ذات کی عظمت کو بھی دوام مل جائے۔ چناں چہ اس نے ذکرِ حبیب ﷺ کو رفعت عطا کر دی ایسی رفعت جس میں پوری کائنات سمٹی ہوئی ہے جس کے محیط میں گنبد آبگینہ رنگ بھی حباب آسا ہے جو ہر حد سے بڑھ کر اور ہر جہت سے بالاتر ہے۔ اس ذکر کو ہر نوع سے رفیع الشان رکھنے کا اہتمام یوں کیا گیا کہ خود وہ ذات جو ہر ثنا کی، ہر اعتبار سے مستحق ہے وہ بھی صلوٰۃ و سلام کے ذریعے حضور ﷺ کی سعادات و برکات میں اضافہ کرتی رہے۔ شب و روز فرشتے اس مقامِ نازِ پُرانوار کے طبق لے کر اُترتے رہیں جسے گنبد خضریٰ کہتے ہیں اور بندے اپنے ظرف کے مطابق سلام بھیجتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور عطا کے مطابق رحمت و عطوفت کے آرزومند رہیں یہ آرزومندی اللہ کے حکم کی تعمیل بھی ہے، اس کی رضا کے

حصول کا ذریعہ بھی اور اس نوع سے دعا بھی کہ اس خزانۂ رحمت پر جتنی زیادہ رحمت نازل ہوگی عالمین اتنی ہی زیادہ تقسیم ہوگی کہ وہ ذاتِ پاک ﷺ الطافِ حق کی قاسم ہے اور ہم ہر اعتبار سے محتاج لطف و کرم:

میں خاک محض، میں انبارِ گل میں مشت غبار تری نگاہ جو پڑ جائے کیمیا ہوں میں
درود ہوں تری رحمت مآب کملی پر ردائے یاس میں لپٹی ہوئی قبا ہوں میں
تو رحمتوں کا تجلی، تو شفقتوں کا جمال یہ میری سوچ کا محور نہیں کہ کیا ہوں میں

درود و سلام ہمارے لیے وجۂ رحمت ہے۔ زندگی کی ظلمتوں میں نور اور تمازت محشر میں عرش کا سایہ ہے یہ قرب کا ایک دلآویز ذریعہ ہے۔ ایک پاکیزہ محرک ہے کہ یاد کا جواب یاد سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھی فرشتوں کی جانب سے بھی اور خود ممدوحِ عظیم و جلیل کی طرف سے بھی، یاد کے تسلسل ہی سے تعلق کی بنیاد استوار رہتی ہے۔ یہی وہ تذکرہ ہے جس سے اعمال کا حسن نکھرتا لحد عنبریں رہتی اور مغفرت کے ایوان کھل جاتے ہیں۔ قبولیت دعا کے لیے درود اُچک لے جانے والی بجلی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔ یہ دعاؤں کا محافظ، رضائے الٰہی کا حاصل اور سعادتوں کا سرچشمہ ہے۔ سلام نعت گوئی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اور نعت ثنا و تعظیم اور رحمت و عطوفت کو غم جاں، غم جاناں اور غم دوراں سے ہم آہنگ کرکے اس انداز سے پیش کرتی ہے کہ اس کی لَے، کہیں ذات میں گم ہوجاتی ہے، کہیں صفات سے انوار سمیٹتی ہے، گاہے اشکوں کو صورت و صدا بناتی ہے اور کبھی روح کی لرزشوں کو نغمگی عطا کرتی ہے، کہیں دل کی بے چینیوں کا اظہار ہوجاتی ہے اور کہیں زیادہ زمانے کی کلفتوں کا تذکرہ۔ گویا نعت ذاتی ہوتے ہوئے بھی کائناتی وسعتوں کی آئینہ دار ہے یہ اُمت کی ایک ایسی فریاد ہے جو اس ذاتِ اقدس کے حضور میں پیش کی جاتی ہے جو فی الواقع ثنا و تعظیم کے قابل ہے جس کی رحمت بے کراں ہے اور جس کی عطوفت ضرب المثل:

اب بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقیں ہے
کل بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقیں تھا

درود و سلام حکم خداوندی کی تعمیل کا ایک شرعی انداز بھی ہے اور شعرا کی زبان و قلم کا ایک غنائی اظہار بھی، اردو زبان اس اعتبار سے معتبر ہے کہ سلام کے جس قدر نذرانے اس میں ہیں کسی اور زبان کے شعری ادب میں نہیں ہیں اور صلوٰۃ و سلام کی اس نغماتی کہکشاں کے رنگ

روپ میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ ثنائے رسول ﷺ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ، فرشتے اور بندے ایک ہی سطح پر ایک ہی بات کے آرزومند ہوتے ہیں۔ ظرف کے مطابق عطا اور طلب میں فرق ہوسکتا ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کے بارے میں صلوٰۃ و سلام کے انداز کو پیہم اپنانا پھر فرشتوں اور بندوں کو بھی اس ثنا و تعظیم میں شریک کر لینا ثبوت ہے اس بات کا کہ درود و سلام ہی وہ شرف اور نعمت ہے جس پر عالم علوی اور عالم سفلی دونوں کا اجماع ہے ورنہ کہاں عرش، کہاں فرش، کہاں خاک، کہاں عالم پاک، اگر کوئی نسبت ہے تو وہ درود ہی کی بنا پر مؤقر اور معتبر ہے:

ساز دل سے نغمہ کی صورت اُٹھی موجِ درود
عظمتِ کردار پر حق کی شہادت دیکھ کر

صلوٰۃ و سلام دراصل تحسین ہے مصورِ حقیقی کے سب سے بڑے شاہ کار کی۔ مصورِ حقیقی کی آرزو ہے کہ اس کے نقشِ بہترین کی بہترین تعریف ہو، تعریف کرنے والا اگر صاحبِ نظر ہے تو اس کی قدرشناسی مصور کے نزدیک لعل و جواہر سے بھی گراں سمجھی جائے گی۔ تحسینِ نظر ظرف اور توفیق کے مطابق مختلف ہوا کرتی ہے۔ بعض صرف زبان سے اعتراف کرتے ہیں، بعض تصویر کو دیکھ کر وجد میں آجاتے ہیں، بعض مصور کی عظمتوں کے حضور میں جھک جھک جاتے ہیں اور بعض کا شوقِ دیدار، آنسوؤں میں ڈوب جاتا ہے۔ آنسوؤں کی زبان سے ادا ہونے والی ستائش خود مصور کے دل میں سرخوشی بن کر سما جاتی ہے۔ تصویر دیکھتے دیکھتے اگر مصور بھی مل جائے تو یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔ حضور ﷺ نقاشِ ازل کا بہترین نقش ہیں کہ جو دیکھنے والا اُن کے حسن کی کماحقہ کی تحسین کرتا ہے۔ وہ دراصل مصورِ حقیقی کے جذبۂ رحمت اور لطفِ بے نہایت کو جوش میں لاتا ہے۔ یوں فطرت کی نوازشاتِ بے پایاں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔

اس رحیم و کریم ذات کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں دعا کے آداب بھی سکھائے اور طلب کے انداز بھی بتائے اور ہم پر واضح کر دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے تو اللہ کے حبیب ﷺ کے حضور میں ستائش کے نذرانے پیش کرو یہی منعم کے انعام کی تحسین ہے۔ یہی فن کی داد ہے اور اسی داد کا دوسرا نام صلوٰۃ و سلام ہے۔ گویا سلام بحضور سرورِ کونین ﷺ، رضائے الٰہی کے حصول کا ایک معتبر، مستند اور مبرور ذریعہ ہے اور رضا ہر جزا سے بڑھ کر ہوا کرتی ہے اور آخر میں آغا شورش کاشمیری کے الفاظ میں:

سلام پہنچے آمنہ کے اس لال ﷺ کو جس نے ہمیں اپنی رحمۃ للعالمینی

D:NaatRang-16
File: Iqbal Javed
1st Proof

میں پناہ دی، ہمارے بازوؤں کو کشور کشائی کی طاقت بخشی، ہمارے دلوں کو اپنی خندہ جبینی سے آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگایا، ہمیں ایمان کی لافانی دولت سے مالامال کیا۔ جس پر قرآن کریم جیسی لازوال کتاب نازل ہوئی۔ جو مسکرایا تو چمنستانِ کونین کے پھولوں نے ہنسنا سکھایا۔ جو اٹھا تو پہاڑوں نے سربلندی پائی۔ جس کے خرامِ ناز سے صبا نے ٹہلنا سیکھا، جس نے کائنات کو نورانی کیا.. جو نور میں سب سے پہلے اور ظہور میں سب سے آخر تھا۔ جس کی توانائیوں نے ہمیں کائنات کی تسخیر پر قادر کیا۔ جس نے عرب کے بدوؤں اور حجاز کے ساربانوں کو شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنا سکھایا۔ جس نے عرب و عجم کی تمیز مٹا ڈالی۔ جس نے انسانوں پر انسانوں کی فوقیت کو ختم کیا اور تقویٰ، دیانت اور فراست کو انسانی شرف و مجد کی دلیل ٹھہرایا۔

سلام پہنچے اس محسنِ کائنات ﷺ پر جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ جس کا عشق ہمارا قبلۂ مراد اور کعبۂ ذوق ہے۔ جو تمام نبیوں میں آخری نبی ہے۔ جس کی ختم المرسلینی پر ساڑھے تیرہ سو سال میں کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انھیں نقشِ آب کی طرح محو کر دیا۔ جو بظاہر گنبدِ خضریٰ میں سو رہا ہے لیکن جس کی چشمِ نگراں ارض و سما کی وسعتوں اور پہنائیوں سے باخبر ہے۔ ہم حقیروں میں اتنی ہمت کہاں کہ حضور ﷺ کی ثنا کرسکیں۔ یہاں قلم عاجز اور زبانیں گنگ ہوجاتی ہیں۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

اردو میں منظوم سیرت نگاری

(چند مزید کتب کا تعارف)

''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۵ میں منصور ملتانی کا مضمون اردو میں منظوم سیرت نگاری ایک جائزہ شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں موصوف نے ابتدا تا حال اردو میں لکھی گئی گیارہ منظوم سیرتوں کا جائزہ کیا ہے۔ چند غیر مطبوعہ سیرتوں کے نہ مل پانے کا اعتراف بھی انھوں نے کیا اور جن سیرتوں کے اشتہار یا صرف نام سے واقف تھے فٹ نوٹ میں بھی ان کا تذکرہ کر دیا ہے۔ لیکن بعض نہایت اہم منظوم سیرتیں جن پر ''نعت رنگ'' میں تبصرے بھی شائع ہوئے ہیں وہ منصور ملتانی کے مضمون میں جگہ نہ پا سکے۔ شاید یہ منظوم سیرتیں ان کی دست رس سے باہر رہی ہوں گی۔ ذیل میں ان تمام منظوم سیرتوں کا تنقیدی جائزہ اس مضمون میں لیا جارہا ہے جو منصور ملتانی کے مضمون میں شامل نہیں ہوسکیں۔

۱۔ صلصلۃ الجرس/عمیق حنفی

یہ عمیق حنفی کی لکھی ہوئی منظوم سیرت رسول ﷺ ہے۔ اپنی اس تصنیف کے عنوان کے لیے شاعر نے حدیثِ رسول ﷺ سے رجوع کیا ہے اور وحی رسول ﷺ کی مناسبت سے اس کا نام ''صلصلۃ الجرس'' رکھا۔ واضح رہے کہ نزول وحی کے متعلق ایک حدیث میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ترمذی شریف کے باب المناقب میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

عن عائشہؓ ان الحارث بن هشام قال النبی صلی الله علیه وسلم کیف یاتیک الوحی. فقال رسول الله علیه وسلم احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس (الترمذی جلد الثانی ۲۰۴)

آنحضرت ﷺ کے ذکر خیر کا مرقع ''صلصلۃ الجرس'' کو دقیق النظر نقادوں نے بھی

پسند کیا ہے اور اشتراکیت کے قائلین نے بھی۔ چناں چہ خلیل الرحمٰن اعظمی نے اپنے ذاتی مکان ''اردو باغ'' میں داخلے کی تقریب پر ''صلصلۃ الجرس'' عمیق حنفی سے پڑھوائی تھی۔ یہ نظم شاعر نے انوکھے انداز اور عجیب طرز میں لکھی ہے جو بیک وقت پابند بحور و قافیہ بھی ہے اور معرّیٰ اور آزاد بھی۔

سیاہ کف در دہاں سمندر/ نہنگ جس کے ہزار حلقے / سیاہ، اجلا، ڈراؤنا
جال ڈالتا ہے/ تڑپتی مچھلی کی طرح جس میں پھنسا ہوا ہے تمام عالم/ تمام
عالم پکارتا ہے/ بچانے والا نہ آئے، ہونٹوں پر اس کا پیارا سا نام تو
آئے۔☆[۱]

آج بھی زمانے کو آنحضرت کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن اب کوئی پیغمبر قوم کی اصلاح کے لیے نہیں آئے گا، کیوں کہ آپ ﷺ ختم المرسلین ہیں ۔ آج تمام عالم بربریت کے آتش فشاں اور انسانیت سوز بارود کے ڈھیر میں پر محسن انسانیت کا منتظر ہے اور انھیں کے نام وحی کی بدولت تباہی سے بچا ہوا ہے۔ عصرِ نو کے اس ذہنی انتشار، اخلاقی خلفشار اور سماجی، تہذیبی و تمدنی بحران کی عکاسی عمیق حنفی نے کتنی عمدگی سے کی ہے۔

یہ نیم اسرار وادی سے نکل کر کون آتا ہے/ گماں کی گرد چھٹتی جا رہی ہے/
سُلگتی سنسناتی گولیاں/ فضاؤں میں پگھلتی جا رہی ہیں/ سرنگوں میں بچھی
بارود آتش بازیاں بن کر/ سیاہی پر اجالوں کی کشیدہ کاریاں کرتی جا رہی
ہیں/ یہ کن خوش لمس پیروں کی رگڑ کھا کر/ کبھی چنگاریوں جیسی، کبھی برفیلی
ریگ بے یقینی رو پہلی اور سنہری روشنی کے پھول بن کر/ نچھاور ہو رہی
ہے/ یہ قصوا اور جدعا کے نقوش پا/ سیاہی پر چھڑکتے جا رہے ہیں روشنی کا
عود و عنبر/ سواران کا /دل و جاں کا امیرِ کارواں ہے۔☆[۲]

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کی حالت کا جائزہ ہر منظوم سیرت نگار نے لیا ہے۔ عمیق حنفی نے وہاں کی جاہلیت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

در کعبہ پہ دیکھو تو ہبل کا بت کھڑا ہے/ وہی اعراب مکہ کا خدا ہے
کہیں انصاب یا چمقاق کی اقلیدسی شکلیں
کہیں اوثان یا انسان صورت پتھروں کی مورتیں

کہیں اصنام یعنی دھات یا لکڑی کے بت انسان کی صورت☆[۳]

غذائے ریگ ہے نو زائیدہ بچی / مگر لات ومنات وعزّٰی ان کی دیویاں سچی / لیکن آپ ﷺ کی آمد سے یہ بربریت ختم ہو جاتی ہے اور عرب کی کایا پلٹ جاتی ہے:

عناصر عناصر سے اذاں کی پر کشش آواز آتی ہے/ خدائی اپنے مرکز کی طرف سب کو بلاتی ہے کہ وادیِ غیرذی زرع میں کھیتی لہلہاتی ہے/ بگولے رقص کرتے ہیں☆[۴]

عمیق حنفی نے صلصلۃ الجرس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت، واقعہ شق الصدر، ہجرت اور فتح مکہ وغیرہ تمام واقعات سیرت منظوم کر دیے ہیں۔

۲۔لَم یَاتِ نَظِیرُکَ فِیْ نَظَرٍ / عنبر بہرائچی

یہ عنبر بہرائچی کی لکھی ہوئی منظوم سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ شاعر نے ایک ہی بحر میں ایک ہزار چوبیس اشعار قلم بند کیے ہیں۔ شوکت الفاظ پرشکوہ انداز و اسلوب اور پوری نظم میں یکساں آہنگ و لے اس منظومہ کو رزمیہ بنا دیتے ہیں۔ واقعات کے تاریخی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے شاعر نے سیرتِ رسول ﷺ کو دل کش اور جاذب نظر انداز میں نظم کیا ہے۔ عنبر بہرائچی اس سے قبل گوتم بدھ کی منظوم سوانح ''مہا بھنشکر من'' لکھ چکے ہیں جسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی ۔ یہ دونوں کتابیں اردو میں رزمیہ کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ عنبر تاریخی واقعات کو فکر کی آنچ دے کر تخیلات کے سانچے میں ڈھالنے کا ہنر خوب جانتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ ان کے یہاں نظم میں ڈھلتی ہے تو رطب و یابس سے یکسر پاک ہوتی ہے اور اس کی کثافت لطافت میں بدل جاتی ہیں۔ عقیدت سے مملوعنبر کی مذہبی شاعری شعریت سے عاری نہیں ہوتی، تقدس تخلیقی اظہار کا اہم عنصر بن کر ان کی شاعری میں ابھرتا ہے ۔ اسلوب کی جدت، لہجے کا ندرت اور تخئیل کی لالہ کاری سے ان کی شاعری کو ایک وقار حاصل ہے۔ یہ سارے شعری محاسن ''لم یات نظیرک فی نظر'' میں یکجا ہوگئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ کتاب بے نظیر بن گئی۔ حضور پرنور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کو رزمیہ شعری اسلوب میں پیش کرنے کا سہرا عنبر بہرائچی کے سر بندھتا ہے۔ سیرتِ پاک ﷺ کو منظوم کرنے کی روایت اگرچہ بہت قدیم ہے لیکن عنبر نے جو اسلوب و لہجہ اپنایا ہے وہ نیا اور منفرد ہے۔

شاعر نے اس منظوم سیرت میں بعثت سے فتح مکہ تک کے احوال و کوائف نظم کیے

D:NR16
File:Yahya
Final

ہیں۔ خود شاعر اس کے متعلق رقم طراز ہے کہ:

> میں نے اس نظم میں اعلان نبوت سے فتح مکہ تک واقعات کا احاطہ کیا ہے۔ کیوں کہ حیات طیبہ کا یہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین تگ دو سے بھرا ہوا ہے۔☆۵

عنبر نے آپ ﷺ کے سوانحی حیات واقعات کو مختلف شاعرانہ سرخیوں کے ذیل میں پیش کرنے کا جتن کیا ہے۔ مثلاً بعثت کے واقعہ کے لیے ''حرا'' دوسری وحی کو جہاں سے سلسلہ نبوت کا باقاعدگی سے آغاز ہوا ہے۔ اس کے لیے ''مطلع انوار'' پہلی دعوتِ دین کے لیے ''کوہ صفا''۔ ان کے علاوہ عام الحزن، اسریٰ، ہجرت، ''مواخات و معنویات''، ''یوم الفرقان''، ''قران السعدین'' ''شہیدانِ وفا'' اور ''فتح مکہ'' وغیرہ۔ یہ نو واقعات آپ کی حیات طیبہ کے نہایت اہم ہیں بلکہ یہی وہ آیاتِ نبوت ہیں جنھیں بہ ظاہر تو جھٹلایا گیا لیکن مشرکین بہ باطن نبوت کی ان نشانیوں کے قائل تھے اور حسرتیں لیے ہوئے دنیا سے چل بسے ''آیات نبوۃ'' کے یہ سلسلے آپ ﷺ کی تیئس ۲۳ سالہ نبوی زندگی کے اہم واقعات کی مربوط کڑیاں ہیں۔ یہ وہ واقعات ہیں جو آپ ﷺ کی بشریت اور فوق البشریت کی گواہی دیتے ہیں اور بنی نوع انسان میں پیغمبر کی عظمت و فضیلت اور رفعت و سربلندی میں کڑی آزمائشوں کے مظہر ہیں۔

عنبر کی اس طویل منظوم سیرت میں رزمیہ کے تمام عناصر ترکیبی پائے جاتے ہیں۔ اس کا ہیرو عالم انسانیت کا سب سے عظیم المرتبت انسان ہے۔ اس کے ذیلی کردار بھی انسانوں میں سب سے افضل تر ہیں۔ اس کا اسلوب بھی اعلیٰ وارفع ہے۔ پوری نظم میں ایک ہی بحر ووزن کو قائم رکھا گیا ہے۔ ذیلی واقعات تسلسل کے ساتھ اصل سیرت کے حالات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ نظم میں آغاز سے اختتام تک ایک جیسا آہنگ پایا جاتا ہے۔ اس نظم میں پیش کیے گئے تمام واقعات تاریخی ہیں بلکہ تاریخ ساز بھی ہیں۔ غرض کہ عنبر بہرائچی کی اس منظوم سیرتِ رسول ﷺ میں رزمیہ کی تمام تر خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ شاعر نے ''حرا'' کی سرخی دے کر آپ ﷺ کی بعثت سے قبل کے عربی تمدن کی جھلک یوں پیش کی ہے:

ہر اک طرح کے جور و ظلم دہر میں ہوئے روا
ہیں برگ و بار سے تہی شرافتوں کی ڈالیاں
زنانِ گل سرشت، جبر کا شکار جس طرح
ببول میں الجھ گئی ہوں کیوڑے کی بالیاں

پدر نے جیتے جی انھیں بہ زور دفن کردیا
نظر میں باپ کو بھرے جدا ہوئی ہیں بچیاں
وہ پتھروں کے بت بشر کے ہاتھ سے گڑھے ہوئے
حواسِ آدمی پہ کر رہے ہیں حکم رانیاں☆۶

ایسے انسانیت کش اخلاق سوز تہذیب وتمدن کی ظلمتوں میں حرا کے خلوت نشیں کا نور جلوہ گر ہے۔یہ وہ تجلی ہے جس کی چھاؤں میں سکون کی رتیں محو خرام رہتی ہیں،رحمتوں کی بدلیاں چھائی رہتی ہیں۔یہی تجلی وجۂ تخلیق کائنات ہے۔وجودِایں وآں اور چرخ وزمیں کی خوش خرامی کا سبب یہی ذات ہے۔یہ ذات ﷺ مطلعِ شہود کا نقش اوّلیں ہے اور خاتم النّبیین بھی۔ اسی ذاتِ پاک ﷺ کو اللہ کی طرف سے پہلی وحی آتی ہے۔

ہوا جو ختم انہماک، جبرئیل آگئے
میانِ شرق و غرب، شہپروں کی نے نوازیاں
ملک نے یہ کہا پڑھو! خدا کے نام سے پڑھو
کہ جس کے دستِ فیض سے تمام خلق سازیاں
جمے ہوئے لہو سے آدمی کو دست وپادیے
پڑھو! تمھارے رب کی انگنت ہیں مہربانیاں
اسی نے علم کے دیے، قلم سے ضوفشاں کیے
اسی نے جہلِ آدمی پہ کیں شعور پاشیاں☆۷

مندرجہ ذیل بالا اشعار قرآن حکیم کی پہلی سورۃ ''اقرا'' کی گویا تفسیر ہیں۔شاعر نے نہایت محتاط انداز میں اسے منظوم کر دیا ہے۔اس کے بعد ''مطلع انوار'' کے تحت انھوں نے دوسری وحی کے اہم واقعہ کو نظم کیا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے غار حرا میں آپ کو اپنے سینے سے بھینچ کر ''اقرا'' کا درس دیا تھا اس واقعے سے آپ ﷺ خوف زدہ ہوئے تھے اور گھر آکر حضرت خدیجہؓ سے کمبل اوڑھانے کا کہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی تھی۔ اس اثنا میں حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ پر دوسری وحی ''**یاایھا المدثر قم فانذر**'' لے کر آئے۔اس وحی کے بعد آپ ﷺ نے دعوتِ حق دینی شروع کی۔حضرت خدیجہؓ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، زید بن حارثہؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ بالآخر ''کوہ صفا'' پر آپ ﷺ نے تمام اہلِ مکہ کو ایک خدائے برتر کی پرستش کی دعوت دی۔ عنبر نے ''کوہ صفا'' پر آپ ﷺ کی دعوت کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی ہے:

حضور ﷺ نے صدا یہ دی کہ اے گروہ گم رہا
تمھارے مشغلے ہیں سب، عذاب سخت کے لیے
حصار شرک میں نہ یوں تباہ زندگی کرو
جھکاؤ سر فقط خدائے لا شریک کے لیے
سیہ دلوں سے اور ایک تیرگی لپٹ گئی
سنی جو یہ صدائے نور بیز اہلِ کفر نے
پیام دل نشیں کو پتھروں نے دیں سلامیاں
مگر گروہ بولہب کے بخت میں یہ گل نہ تھے ☆۸

اس سرخی کے تحت نظم کیے گئے واقعات میں آخری واقعہ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے ''عام الحزن''، ''اسرا''، ''ہجرت''، ''مواخات و معنویات''، ''یوم الفرقان''، ''قرآن السعدین''، ''احد''، ''افک مبین''، ''شہیدان مکہ'' اور ''فتح مکہ'' جیسی سرخیاں قائم کی ہیں اور متعلقہ ہر واقعہ کو اسی کے ذیل میں نظم کیا ہے۔ اس طرح عنبر کی یہ منظوم سیرتِ رسول ﷺ اختتام کو پہنچتی ہے۔

۳۔ مثنوی رسول ﷺ / صفوت علی صفوت

نئی صدی کے آغاز پر صفوت علی صفوت نے مثنوی رسول ﷺ لکھ کر اردو میں منظوم سیرت کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ صفوت کراچی (پاکستان) کے متوطن ہیں۔ لیکن انھوں نے امریکا کی شہریت اختیار کرلی ہے اور وہاں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے شعبے کے افسرِ اعلیٰ ہیں۔ اردو کے لیے غیر ذی زرع زمین میں انھوں نے ''مثنوی وقت''، ''فکر فردا''، اور مثنوی رسول ﷺ لکھ کر باغ اردو کو سنوارا ہے۔ انھوں نے ''مثنوی وقت'' کا انگریزی میں منظوم ترجمہ "Tiambic" کے عنوان سے کیا ہے جو امریکا ہی میں شائع ہوا اور ان کی ویب سائٹ پر یہ دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ مثنوی تخلیق کائنات کی سائنسی داستان ہے۔ شاعر نے اس میں ایک نہایت ہی اچھوتا مضمون

باندھا ہے۔ انھوں نے ''زماں و مکاں'' کے فلسفہ کو سائنسی نقطۂ نظر سے پرکھا اور خلا بسیط میں موجود اجرام سماوی، کہکشائیں، کالے بھنور (Black Holes) اور روشنی کی رفتار وغیرہ کئی موضوعات کو اس مثنوی میں پیش کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ ان کی اس تخلیق پر اسلامی افکار غالب رہی ہے۔ اردو کے شعری ادب میں مثنوی وقت ایک نیا موضوع لے کر آئی ہے، جس پر تا حال کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ اس مثنوی میں انھوں نے ایک جگہ لکھا تھا:

تو وہ نورِ احمد مجتبیٰ، وہ الگ ہے عشق کی داستاں
یہ عبورِ وقت کی بات ہے، وہ میں پھر کروں گا کبھی بیاں

بالآخر اس وعدے کو نبھانے کے لیے انھوں نے مثنوی رسول لکھ ڈالی۔ ''مثنوی وقت'' میں شاعر نے مثنوی کی مروّجہ بحور سے ہٹ کر بحر کامل مثمن سالم کا استعمال کیا تھا۔ مثنوی کی بحور میں یہ ایک قسم کی جدت تھی۔ ''مثنوی رسول ﷺ'' میں بھی صفوت نے بحر کے حق میں اپنی جدت کو برقرار رکھا اور بحر ہزج مثمن سالم میں اس مثنوی کے اشعار ترتیب دیے۔ اس میں بھی اشعار کی روانی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ یہ مثنوی منظوم سیرت رسول ﷺ ہے۔ صفوت نے سیرت کے واقعات کو بڑے سائنٹفک انداز میں پیش کیا ہے۔ یعنی وقت کی محسوس رفتار (جو صفوت کا پسندیدہ موضوع ہے) کے مطابق مثنوی کے واقعات اشعار میں ڈھلتے ہیں۔ مثلاً صفوت نے پہلے پینتیس (۳۵) اشعار میں ازل سے حضور ﷺ کی ولادت کے واقعات قلم بند کر دیے۔ پہلے چند اشعار پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وقت کا وجود ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اکیلی ہے اور اپنے وجود کا اعتراف کرانے کے لیے تخلیق کائنات کا سوچ رہی ہے۔ سائنسی زبان میں اس حالت کو "Singularity" یا "Nothingness" کہا گیا ہے۔ صفوت اس حالت کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں:

تن تنہا ہے وہ اس کو خیال آیا خیالوں میں
نہیں اس کے سوا کچھ بھی عیاں اس کے اجالوں میں
نہ ہیں الفاظ نے بحر و زمیں ہیں یا رسول اللہ
قلم اور روشنائی بھی نہیں ہیں یا رسول اللہ
مگر وہ سوچتا ہے یہ کمی اب دور ہو جائے
روایت اس کے آگے بڑھ کے اب دستور ہو جائے

D:NR16
File:Yahya
Final

اصول اس نے بنا ڈالے ہیں کچھ تخلیق کے لیکن
مکان و لامکاں میں دعوت و تصدیق کے لیکن
تذبذب ہے ابھی اس کو ذرا خلقت کے بارے میں
ابھی تک وقت بھی ہے منجمد خود اپنے دھارے میں
فنا مخلوق کے اک روپ کا تبدیل ہونا ہے
اسی اک قاعدے میں وقت کو تحلیل ہونا ہے☆۹

اس ذات حقیقی کا خیال کن میں ڈھل کر آدم و حوا، ہابیل و قابیل، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، عبد المطلب اور عبداللہ کی صورت میں تخلیق پاتا چلا گیا۔ بالآخر مقصد تخلیق کی تکمیل عبداللہ کے گھر آمنہ کے بطن سے حضرت محمد ﷺ کی ولادت ہو جاتی ہے۔ تخلیق آدم سے لے کر ولادت رسول ﷺ تک کے واقعات کو شاعر نے بہت ہی کم وقفہ میں بیان کر دیا ہے۔ وقت کی تیز رفتاری سے اتنا طویل زمانہ منقلب ہوتا گیا۔ لیکن ''عام الحزن'' کے بعد جب آپ کو معراج نصیب ہوئی تو شاعر واقعات کا بیان اس انداز سے کرتا ہے گویا وقت کی طنابیں کھینچ لی گئی ہوں۔ ماہرین فلکیات کا خیال ہے کہ خلا میں سفر کرتے وقت آدمی کا طبعی وقت تھم جاتا ہے اور اس کی حیاتیاتی گھڑی (Biological Clock) رک جاتی ہے۔ حضور ﷺ چوں کہ معراج میں خلاؤں سے دور عرش اعلیٰ پر پہنچے تھے اس لیے شاعر نے وقت کے تھم جانے کا تاثران اشعار میں دیا ہے۔ صفوت نے واقعہ معراج کی تصریح جدید علم سائنس کی شاخ علم پرواز (Aeronoutical Engineering) کی بنیاد پر کی ہے۔ منکرین معراج رسول ﷺ کو علم کی پرواز کی روشنی میں واقعۂ معراج پر غور کرنا چاہیے۔ سائنس کے پرستاروں کو یہی علم حقیقت معراج سے آگاہ کرسکتا ہے۔ بہرحال! صفوت کی مثنوی رسول ﷺ میں خاص واقعہ تو معراج کا ہی بیان کیا ہوا ہے، حجۃ الوداع تک کے واقعات نہایت سرسری طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ ہم اس کتاب کو ''نئے معراج نامے'' طور پر بھی قبول کر سکتے ہیں۔ جو اپنے اسلوب اور طرز بیان میں اردو میں موجود دیگر معراج ناموں سے یکسر الگ ہے۔ امریکا میں شائع ہوئی اس کتاب کا ہندی ایڈیشن بھارت میں انشا پبلی کیشنز کے جناب ف۔ س۔ اعجاز نے ہندی رسم الخط میں کلکتہ سے ۲۰۰۲ء میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس ہندی ایڈیشن میں راقم کا پیش لفظ ہے۔

۴۔حرا کی روشنی/ شرف الدین ساحل

ڈاکٹر شرف الدین ساحل کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ شرف الدین ساحل بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ اچھے شاعر بھی ہیں اور ان کے تین چار مجموعۂ کلام شائع ہو چکے ہیں۔ وہ تاریخ، ادبیات اور اسلامیات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ''حرا کی روشنی'' ایک مستقل کتاب کی صورت میں انھوں نے نعتیہ ادب کو دی جس میں ''صلصلۃ الجرس'' کے طرز اسلوب کے علاوہ شاعر نے اپنے خلاق تخئیل سے بھی اضافہ کیا ہے اور حضورﷺ کی سیرت مبارکہ کے ضعف و غرابت سے پاک اہم ترین واقعات کو صحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ساحل کا یہ کمال ہے کہ وہ عقیدت کی شاعری میں روایت کو درایت کی میزان میں تولتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عقیدت دل کے تابع ہوتی ہے اور درایت عقل کے زیرنگیں۔ شاعری میں شاعر کا دل کارفرما ہوتا ہے۔ لیکن ساحل کی شاعری میں دل و دماغ دونوں بہ یک وقت متحرک نظر آتے ہیں۔ شاعری میں اقبال کے بعد سے اس رجحان کو کافی تقویت ملی ہے۔

اس منظوم سیرت میں دور جاہلیت اور ولادت تو اجمالاً پیش کر دیے گئے ہیں لیکن بعثت رسولﷺ سے لے کر حجۃ الوداع تک کے واقعات بالتفصیل بیان کیے ہوئے ہیں۔ ساحل نے صحیح روایات ہی پیش کیے ہیں، دور از کار تشبیہات اور بعید از فہم اصلاحات سے انھوں نے قصداً اجتناب برتا۔ ان کے یہاں سیرت میں آپﷺ کی شانِ رسالت میں عبدیت کی رنگ آمیزیاں اتنی گہری ہیں کہ الوہیت کی پرچھائی تک کا اس میں شائبہ نہیں ہوتا۔ فرق مراتب کا ساحل نے اتنا خیال رکھا کہ ان کے نعتیہ اشعار کے لفظ لفظ میں باخدا دیوانہ باش و با محمدﷺ ہوشیار کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔

ساحل زندگی کے بے چین و پرسکون اور ادق و سہل حالات کے مطابق عروضی اوزان کو ڈھالنے کا فن خوب جانتے ہیں۔ ''حرا کی روشنی'' میں انھوں نے اسی طریقہ کو اپنایا ہے، مثلاً حضورﷺ کی ولادت سے قبل کے حالات سے نعت خواں کو کیا لینا دینا، اس لیے شاعر بس اک سرسری سی تصویر دکھا کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسے پرآشوب دور میں پیدا ہونے والے بچہﷺ کو (جو آگے چل کر نبی بننے والا ہے) اس دور کی پیچیدگی اور دشواری سے کیا واسطہ، اس لیے ساحل نے نہایت تیزی سے قارئین کی نظروں کے سامنے سے جاہلیت کی تصویر گزارنے کے لیے

D:NR16
File:Yahya
Final

''فاعلن'' رکن کا استعمال کیا ہے۔ جو ایک ''سبب'' اور ایک ''وتد'' سے مل کر بنا ہے۔ لیکن جیسے ہی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی سارے عالم میں طمانیت و سکون کی فضا چھا گئی۔ ایسے پرسکون ماحول کی عکاسی کرنے کے لیے ساحل نے سہ رکنی وزن مفاعلین مفاعلین مفاعلین کا استعمال کیا۔ بعثت رسول ﷺ کے بعد کارِ نبوت کے لمبے رستے پر آپ ﷺ کو چلنا تھا۔ اس کٹھن راستے پر آپ ﷺ ابتداً آہستہ روی سے چلے۔ اس کیفیت کا اظہار ساحل نے پھر لمبی بحر مفاعلین مفاعلین کے ذریعہ کیا۔ لیکن دعوتِ حق کے خلاف جب مشرکین مکہ نے سر اٹھایا تو چاروں طرف بے چینی اور طوائف الملوکی کے حالات پیدا ہوگئے۔ ایسے درہم برہم اور ابتر حالات کی عکاسی ساحل نے سخت آہنگ بحر و وزن ''مفاعلاتن'' کے ذریعہ کی۔ ہجرت کے بیان میں مسدس بحر کا استعمال ہوا جس میں بجائے ارتعاش کے سکوت پایا جاتا ہے۔ بیعت عقبہ کے بعد شمع رسالت پر مر مٹنے والوں کا جوش بڑھنے لگا تو ساحل نے جذبات کی مناسبت سے طویل الصوت ارکان کے استعمال میں تخفیف کرکے اس میں جوش و ولولہ والی صورتی لے کر پیدا کی۔ یعنی مثمن بحر کو مربع میں بدل دیا۔ مشرکین مکہ کی پراگندہ ذہنیت اور اودھم کود، لٹھم لٹھا والی کیفیات کی عکاسی کے لیے شاعر نے مخلوط الارکان بحر کا استعمال کیا ہے۔ بدر و احزاب کے غزوات کی عکاسی انھوں نے مختلف ارکان کو ایک ہی مصرع میں استعمال کرکے کی ہے۔ ان غزوات کے بیان میں فعلن/فعلن/ فاعلاتن، فاعلاتن اور فاعلاتن فاعلن/ فاعلان جیسی ترکیبوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کی عمر شریف کے آخری ایام ہیں۔ امت کو بہ عجلت تمام ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا ہے۔ ان حالات کے بیان کے لیے شاعر بھی ارتعاشی آہنگ والے ارکان کا استعمال کرتا ہے۔ ان ارکان کے استعمال میں تعدی فرق سے جو آہنگی نشیب و فراز بنتا ہے وہ صحابہ کرامؓ کے جذبات کی تصویرکشی کرتا ہے۔ اب حضور ﷺ اس دارِ فانی سے کوچ کرنے والے ہیں۔ بیماری کا غلبہ ہے۔ اضمحلال اور بیماری کی کیفیت ہے۔ شمع رسالت کی روشنی دھیرے دھیرے کم ہوتی جارہی ہے۔ جوش و ولولہ ہے کہ لخت لخت ہو رہا ہے۔ جذبات ٹکڑے ٹکڑے ہورہے ہیں۔ ان کیفیات کی عکاسی کے لیے ساحل نے یہاں بھی ارتعاشی آہنگ والے ارکان کا استعمال کیا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ فعولن / فعل بھی جوڑے گئے ہیں۔ جن سے ارکان کی ارتعاشی لے میں غم کی کپکپاہٹ محسوس کی جاسکتی ہے:

جب آیا وقت آخر/ تو نکلے نطق ھادی سے وہ جملے مثل گوہر

جو خط ایک امتیازی کھینچتے ہیں عبد اور معبود کے بیچ / دھک اٹھی ہے آتش"[☆10]
آخر حضرت ابوبکرؓ کی آواز اس خاموشی میں ابھرتی ہے۔ لیکن غم میں نڈھال، دل رنجور
جو کرتے ہیں محمد کی عبادت/ انھیں معلوم ہو وہ جا چکے ہیں
مگر کرتے ہیں جو رب کی عبادت/ وہ رب زندہ ہے اس پر موت وارد ہونہیں سکتی"[☆11]
یہ وہ الفاظ ہیں جن کی وحی تصدیق کرتی ہے:
نہیں ہیں کچھ محمد ﷺ / فقط وہ تو پیغمبر ہیں خدا کے/ اگر ہو جائے ان کی موت واقع /
تو کیا پھر جاؤ گے تم راہ حق سے۔

غرض کہ ڈاکٹر ساحل کی یہ منظوم سیرت رسول ﷺ ارکان و اوزان کی لے و آہنگ اپنے جلو میں لیے ختم ہو جاتی ہے۔

۵۔تنزیل/ امین صدیقی

منظوم سیرت رسول ﷺ کی اجمالی تاریخ کا ایک ورق الٹنے پر امین صدیقی کا نام بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان کی طبیعت کی اٹھان اور ان کی شاعری کا رجحان مذہبی نوعیت کا ہے۔ مقصدیت اور نصب العین سے وابستگی نے ان کی شاعری کو افادیت کا حامل بنا دیا ہے۔ مزاج کے تلون اور خیالات کی اڑان کے زیر اثر ان کی شاعری تخلیق نہیں پاتی بلکہ پاکیزہ جذبات اور صالح احساسات کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عقیدت اور عقیدے کی شاعری کو ہمارے ناقدین شعریت سے عاری سمجھتے رہے ہیں۔ اور اسی لیے ایسی تخلیقات کو نا قابل اعتنا سمجھا گیا۔ در آں حالے کہ آج بھی ساری دنیا کا کلاسکی ادب کھنگالا جائے تو اس کے عظیم شہ پاروں میں عقیدت کا نور جگمگاتا ہوا دکھائی دے گا۔ پھر وہ ہومر کی ایلیڈ ہو یا ملٹن کی "فردوس گم گشتہ"، تلسی داس کی رامائن ہو یا گوئٹے کی "نغمہ محمد" ابن العربی کی رسالۃ اغفران ہو یا حالی کی مدوجزر اسلام۔ کیا یہ مشہور زمانہ کتابیں شعریت سے عاری ہیں۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ جیسا ناقد جو ادب میں مذہب کے داخلے کا قطعی روادار نہیں تھا، ایسی شاعری کو بے حد پسند کرتا جس میں کیتھولک نظریات کی تشہیر ہوئی ہو۔ امین صدیقی کی "تنزیل" (جو منظوم سیرت رسول ﷺ ہے) کا شمار بھی ایسی ہی کتابوں میں کیا جاتا ہے جن پر تقدیسی رنگ غالب ہے لیکن جن میں شعریت کو نبھانے کے بھر پور جتن کیے گئے ہیں۔

''تنزیل'' میں سیرت رسول ﷺ کے ہر واقعہ کو تاریخ کے حوالے سے لکھا گیا ہے، ضعیف روایات اور من گھڑت واقعات سے امین صدیقی نے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے۔ شاعر نے سراقہ کا تائب ہونا، کسریٰ کے کنگنوں کے متعلق پیشین گوئی، مدینہ میں آپ ﷺ کا ورد مسعود، قبا میں قیام، مسجد کی تعمیر، مدینہ میں قیام، غزوہ بدر اور دیگر غزوات، دعوت حق کی خاطر صعوبتوں کو برداشت کرنا اور فتح مکہ وغیرہ تاریخی واقعات جو سیرت رسول ﷺ سے جڑے ہوئے ہیں ان تمام کو اجمالاً مگر موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ہجرت کے موقع پر اہل مدینہ کس بے چینی سے آپ ﷺ کا انتظار کررہے ہیں۔ اس کی تصویرکشی امین نے یوں لکھی ہے:

شہر کا شہر اٹد پڑتا تھا — کتنی حسرت سے راہ تکتا تھا
یاس نے گھیرا آس ٹوٹی تھی — ساری امید دل سے چھوٹی تھی
یک بیک اک یہود کے گھر سے — شور اٹھا کہ آرہے ہیں وہ
اہلِ ایمان کے محترم صاحب — نرم دل صاحب کرم صاحب
گرد اڑاتی ہوئی نظر آئی — دور صحرا کے پاک سینے میں
ابر رحمت اٹھا جو مکہ سے — سایہ افگن ہے اب مدینے پر
بچے خوش ہو کے دف بجاتے تھے — خیر مقدم کا گیت گاتے تھے ☆۱۲

بخاری شریف میں آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں آمد پر بنو بخار کی لڑکیوں نے گایا ہوا عربی گیت محفوظ ہے۔ امین نے اس استقبالیہ گیت ''طلع البدر علینا'' کا منظوم ترجمہ کر دیا ہے:

چاند ہم پر طلوع ہو ہی گیا — الوداع کی حسین گھاٹی سے
شکر ہم پر خدا کا واجب ہے — مانگنے والے اور کیا مانگیں
ہم میں معبوث ہو کے آیا ہے — ساتھ میں حکم رب کالایا ہے
بس اطاعت اسی کی لازم ہے — جس کے آگے ہماراسرخم ہے ☆۱۳

لیکن بعض نہایت اہم واقعات یا تو منظوم ہونے سے رہ گئے ہیں یا ان کا مقام بدل گیا ہے، مثلاً ''اذان'' کی ابتدا اسلام کی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ ہے آپ ﷺ کی سیرت سے جڑا ہوا ہے۔ یہ واقعہ غزوہ بدر سے قبل پیش آیا تھا لیکن کتاب میں وہاں موجود نہیں ہے۔ یہی حال تعمیر مسجد قبا اور بنو بخار کی لڑکیوں کی جانب سے آپ ﷺ کے استقبال کے واقعہ کا ہے۔ ان میں مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ ان چند معمولی اسقام کے علاوہ پوری نظم فن کارانہ

انداز میں نظم ہوئی ہے۔ انھوں نے ضائع بدائع کے ساتھ ساتھ روزمرہ اور محاوروں کو بھی زبان کے چٹخارے کے لیے برتا ہے، مثلاً شاعر نے مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد کو ''طلوع نور'' کہا ہے۔ اسی لیے نور کی مناسبت سے نورانی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

ہے۔ امین نے اس استقبالیہ گیت ''طلع البدر علینا'' کا منظوم ترجمہ کر دیا ہے:

نیک لوگوں کا ہے مگر دیکھو — اس طرف نور کا سفر دیکھو
ہر طرف نور کا اجالا ہے — یہ مدینے کی ہے سحر دیکھو
نور عرفاں سے آنکھ تر دیکھو — لے کر آیا تھا نور کا لشکر
ماہ انور وفا کی بستی میں — اس کو گھیرے ہوئے تھے پروانے

جان و دل سے فدا تھے دیوانے[۱۴]

خط کشیدہ الفاظ ''نور'' کی مناسبت سے لائے گئے ہیں۔ مناسبت لفظی کی یہ عمدہ مثال ہے۔ اس طرح امین صدیقی کی منظوم سیرت رسول ﷺ تنزیل نعتیہ ادب میں قدر و نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ امین صدیقی نے منظوم سیرت لکھ کر جہاں اردو کے نعتیہ سرمایے میں اضافہ کیا ہے وہاں فلاح آخرت کا اندوختہ بھی تیار کر لیا گیا ہے۔

۶۔ رسول اکرم ﷺ/نصیر پرواز

نصیر پرواز ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ''خطہ گلاب''، متاع دیدہ تر''، ''گیت تھکی سانسوں کے'' اور ''ایک تنہا صدا'' ان کی شعری تصانیف ہیں۔ سن ۲۰۰۳ء میں انھوں نے منظوم سیرت ''رسول اکرم ﷺ'' بھوپال سے شائع کی۔ حسن اتفاق کہ پرواز صاحب نے یہ کتاب مجھے اس وقت بھیجی جب یہ مضمون زیر قلم تھا۔ نصیر پرواز غالباً تنہائی پسند شاعر ہیں۔ وہ اپنے اطراف کی ادبی سرگرمیوں سے بھی بے خبر دکھائی دیتے ہیں۔ ''رسول اکرم ﷺ'' کے ''ابتدا'' میں وہ رقم طراز ہیں:

> سیرت کی جتنی بھی تصانیف میرے علم میں آئی ہیں وہ سب کے سب نثر پاروں پر مشتمل ہیں۔ نعتوں کے مجموعے ضرور منظوم ہیں... عاشقان رسول ﷺ میں ایسے ایسے باکمال اہل علم گزرے ہیں کہ ممکن ہی نہیں کسی نے مکمل منظوم سیرت پاک نہ لکھی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کاوش کسی

D:NR16
File:Yahya
Final

وجہ سے منظرِعام پر نہ آسکی ہو... میرا یہ دعویٰ قطعی نہیں کہ منظوم سیرت
پاک ﷺ سب سے پہلے میں نے لکھی ہے۔ یہ دعویٰ اس لیے بھی نہیں
کہ میرے محترم قیصر الجعفری صاحب ''چراغ حرا'' کے نام سے ایک
منظوم سیرت پاک ﷺ شائع کر چکے ہیں۔☆[۱۵]

اس کتاب کی ورق گردانی کرنے کے بعد راقم نے ان سے فون سے رابطہ قائم کیا اور ولی ویلوری سے موصوف تک تمام منظوم سیرتوں کے نام گنوائے تو ان کی حیرت میں اضافہ ہوگیا۔ بہرحال! منظوم سیرتوں میں پرواز کی یہ تخلیق ایک اچھا اضافہ ہے۔

نصیر پرواز نے اس منظوم سیرت میں وہ نہایت اہم واقعات منظوم کر دیے ہیں جو سیرت نگاری کے ضمن میں اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اشاعت دین کی خاطر جو صعوبتیں برداشت کیں جو تکالیف، انگیخت کیں ان کا اجمالاً تذکرہ اس کتاب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ بحر و اوزان کی خاطر بعض ناموں کے صحیح تلفظ کو نہیں نباہ سکا۔ پیش لفظ میں اپنی اس مجبوری کا پرواز نے برملا اظہار کر دیا ہے۔ یہ منظوم سیرت مثنوی کی طرز میں ہے اور شروع سے آخر تک بلا سرخی مسلسل نظم کر دی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے بعض واقعات رسول ﷺ تلاش کرنے میں دستواری پیش آتی ہے۔ شاعر کا کمال یہ بھی ہے کہ اس نے بعض قرآنی آیتوں کا منظوم کردیاہے۔ مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی قرآن کی اس وحی کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ (الیوم اکملت...الاسلام دینا)۔

جب جماعت دو نمازوں سے فراغت پا گئی — بارگاہ رب سے آقا ﷺ کو بشارت آ گئی
آج کے دن دین کو ہم نے مکمل کر دیا — نعمتوں سے آپ ﷺ کی امت کا دامن بھر دیا
کر لیا ہم نے سراسر دین اسلامی پسند — آج کے دن ہوگیا ایمان کا رتبہ بلند☆[۱۶]

یا رحلت رسول ﷺ پر ابوبکرؓ نے قرآن کریم کی آیات سنا کر صحابہؓ کے حواس و درست کیے تھے اس واقعہ کے بیان میں قرآنی آیات کا منظوم ترجمہ بے جوڑ محسوس نہیں ہوتا:

بوبکرؓ نے پھر قرآن پاک کی آیت پڑھی
اس اندھیرے میں ملی جس سے سبھی کو روشنی
تھے محمد ﷺ تو فقط رب دو عالم کے رسول
اس سے پہلے بھی ہوا ہے کتنے نبیوں کا نزول

وہ اگر مر جائیں تو کیا دین سے پھر جاؤ گے
اس طرح تم اپنے رب سے کچھ صلہ نہ پاؤ گے
نعمتیں ان کے لیے ہیں جو رہیں ثابت قدم
خالق اکبر کی نظروں میں وہی ہیں محترم☆۱۷

تجہیز و تکفین رسول ﷺ کے واقعات نقل کرنے کے بعد شاعر نے آپ کی مدحت طرازی میں جو سوز و گداز والی کیفیت پیدا کی ہے اس سے شاعر کی عقیدت رسول ﷺ منکشف ہوتی ہے۔شاعر کے جذبات کا اک دریا ہے جو اس مدحت رسول ﷺ میں موجزن دکھائی دیتا ہے:

وہ نبی شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، صدرالعلیٰ
وہ سراج السالکیں، نور الھدیٰ، کہف الوریٰ
محسن انسانیت، کوثر کا ساقی وہ نبی ﷺ
جس کے صدقے میں جہانِ عشق باقی وہ نبی ﷺ
وہ نبی ﷺ جس پر مکمل ہوگیا دین مبیں
وہ نبی ﷺ، جس کی شریعت علم و عرفان و یقیں
جس نے لکھا فکر کے ماتھے پہ حرف آگہی
جس نے بخشا خاک کے ذروں کو اسرارِ خودی☆۱۸

نصیر پرواز کی یہ کتاب (رسول اکرم ﷺ) منظوم سیرتوں میں غالباً آج تک کی آخری تصنیف ہے۔ اس میں شاعر کی زبان و انداز بیان پر اثر ہے اور محاوروں، کہاوتوں اور ضرب الامثال کی چاشنی لیے ہوئی ہے۔ سیرت کے ہر واقعہ کو شاعر نے دیانت دارانہ طور پر نظم کیا ہے اور اس کی تاریخی شہادتوں پر بھی نظر رکھی ہے۔نصیر پرواز کی یہ کوشش نعتیہ ادب میں یقیناً سنگ میل ثابت ہوگی۔

۷۔شاہنامہ اسلام (حصہ پنجم) بہ طرز حفیظ جالندھری

مصنفہ محمد علی خاں مجددی نقش بندی

ہم سبھی جانتے ہیں کہ ابوالاثر حفیظ جالندھری نے ''شاہنامۂ اسلام'' چار جلدوں میں حضور ﷺ کی سیرت کے اہم واقعہ ''غزوۂ احزاب'' تک منظوم کیے ہیں۔ زندگی کے وفا نہ کرنے

D:NR16
File:Yahya
Final

کی وجہ سے منظوم سے سیرت کو مکمل کرنے کا ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ ناقدین ادب کی یہ بھی رائے ہے کہ احزاب کے واقعات قلم بند کرنے کے بعد ان کی توجہ اس مقصد عظیم سے ہٹ گئی تھی اور وہ گیت اور نظمیں لکھنے میں مشغول ہوگئے تھے۔ طبیعت کا یہ ٹھہراؤ پتہ نہیں کیوں ہوا کہ وہ بعد میں سیرت لکھ ہی نہیں سکے۔ بہرحال! جو بھی کوائف رہے ہوں حفیظ جالندھری کی یہ محنت ادھوری رہ گئی تھی۔ بعد کے واقعات نظم کرنے کے لیے پہل کرنے والوں میں حیدرآباد کے ایک غیرمعروف لیکن کہنہ مشق شاعر محمد علی خاں کا نام ہمارے سامنے آتا ہے۔ انھوں نے حفیظ ہی کی طرز میں غزوۂ تبوک تک کے واقعات رسول ﷺ قلم بند کیے ہیں اور اسے ''شاہنامۂ اسلام'' جلد پنجم کی شکل میں ہمارے سامنے رکھا۔ محمد علی خاں نے شاہنامے ہی کی بحر میں اور اسی اسلوب میں باقی ماندہ واقعات نظم کرنے کی سعی کی ہے۔ انھوں نے حواشی اور فٹ نوٹس بھی اسی نہج پر رقم کیے ہیں۔ واقعات کی منظرکشی محمد علی خاں نے نہایت موثر انداز میں کی ہے اور بجائے تفصیل کے اجمال میں پورے واقعات کو نظم کرنے کے جتن کیے ہیں۔ حفیظ کی زبان کے چٹخارے البتہ اس میں نہیں پائے جاتے۔ پھر بھی محمد علی خاں کی یہ کوشش بنظر استحسان ہی دیکھی جائے گی۔ انھوں نے حفیظ کے ادھورے کام کو پورا کرنے بیڑا اٹھایا ہے۔ ان کی نظم کردہ ''تبوک'' کے بعد کی سیرتِ رسول ﷺ کی بقایا جلدیں میری نظر سے نہیں گزریں شاید وہ زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہوسکی ہوں۔ یا میری دست رس سے دُور رہی ہوں۔

۸۔ شاہنامۂ اسلام جدید (عامر عثمانی)

حفیظ کے کام کو آگے بڑھانے میں مدیر تجلی (دیوبند) مرحوم نے بھی کمر کسی تھی اور رحلت رسول ﷺ کے بعد کے تاریخ اسلام کے واقعات کو قلم بند کر کے پہلی جلد شائع بھی کر دی تھی۔ لیکن قارئین کا حلقہ انھیں نصیب نہ ہوسکا اور پہلی جلد ہی میں ان کے جذبات کا چراغ گل گیا۔ ''مسجد سے مے خانے تک'' قارئین تجلی کی سیر کرانے کے والے عامر عثمانی کی ناگہانی موت نے ان کے ہاتھوں سے تاریخ اسلام کو نظم کرنے کا کام چھین لیا اور وہ حسرت لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ بہرحال! منصور ملتانی نے منظوم سیرت پر جتنی تخلیقات کا تعارف قارئین ''نعت رنگ'' کو کرایا تھا ان میں سے جو چھوٹ گئی تھیں، اپنی بساط بھر کوشش سے ان تمام کو تلاش کر کے ''نعت رنگ'' کے قارئین کے سامنے رکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حواشی

☆۱۔عمیق حنفی: ''صلصلۃ الجرس'' (مکتبۂ شعر و حکمت) حیدرآباد،طبع اوّل،۱۹۷۲ء،ص ۱۷

☆۲۔ایضاً،ص ۱۹

☆۳۔''صلصلۃ الجرس''،ص ۳۱

☆۴۔ایضاً،ص ۳۳

☆۵۔عنبر بہرائچی:''لم یاتِ نظیرک فی نظر''،طبع ثانی،ص ۳۴

☆۶۔عنبر بہرائچی۔''لم یات نظیرک فی نظر''، دوسرا ایڈیشن،لکھنؤ ۱۹۹۶ء،ص ۳۷۔۳۶

☆۷۔ایضاً،ص ۴۱

☆۸۔ایضاً ۵۴۔۵۵

☆۹۔صفوت علی صفوت: ''مثنویِ رسول''، (امریکا) ۲۰۰۱ء،ص ۱۵۔۱۶

☆۱۰۔شرف الدین ساحل: ''حرا کی روشنی''، ناگپور، ۱۹۹۰ء،ص ۶۳

☆۱۱۔ایضاً ص ۶۵

☆۱۲۔امین صدیقی: ''تنزیل''، مالیگاؤں ۲۰۰۱ء،ص ۶۷

☆۱۳۔ایضاً،ص ۶۸

☆۱۴۔ایضاً،ص ۶۶

☆۱۵۔نصیر پرواز: ''رسولِ اکرم ﷺ'' بھوپال،۲۰۰۳ء،ص ۵

☆۱۶۔ایضاً،ص ۱۵۱

☆۱۷۔ایضاً،ص ۱۵۹

☆۱۸۔ایضاً،ص ۱۶۰

D:NR16
File:Yahya
Final

ڈاکٹر محمد سلطان شاہ۔ لاہور

نعتیہ شاعری میں ذکرِ احادیثِ رسول ﷺ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا وہاں اپنے رسولِ اکرم نبی معظم ﷺ کی اتباع کا بھی حکم صادر فرمایا اور اطاعتِ رسول ﷺ کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اطاعتِ ربّ العٰلمین ہے۔ قرآن مجید میں محبتِ کبریا کے دعوے داروں کو اطاعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی ہدایت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس حکم پر عمل کرکے وہ اللہ کی محبت و مغفرت کے مستوجب ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعثتِ انبیا کا مدعا یہ ہے کہ اذنِ خداوندی سے اُن کی اتباع کی جائے۔ مزید یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر رحمتِ ایزدی کے طلب گار ہو تو اللہ اور رسول کی اتباع کرو، اگر تم خدا و رسول کا حکم نہیں مانو گے تو حب الٰہی کی دولت سے محروم رہو گے، اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور رسول مکرم ﷺ کی فرماں برداری نہ کی تو تمھاری نیکیاں اکارت جائیں گی، کوئی عمل خواہ کتنا ہی تمھارے نزدیک اچھا ہو، تمھیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور قیامت کے دن تہی دست حاضر کیے جاؤ گے، جہاں عذابِ عظیم اور ذلت و رُسوائی تمھارا مقدر ہوگی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اطاعتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ اتباعِ رسول ﷺ بھی ضروری ہے اور اسے ترک کرنے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات اور دوٹوک احکامات کے باوجود بعض نام نہاد مسلمانوں نے اطاعتِ رسول کو غیرضروری قرار دیا، یا اس کے معانی و مفہوم کی من مانی تاویلات کرنا شروع کر دیں، حالاں کہ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا، ''**وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا**''☆[1] (جو کچھ تمھیں رسول دے دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں

اُس سے رُک جاؤ) لیکن اس کے باوجود فتنۂ انکارِ حدیث کے ذریعے مولوی عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز جیسی شخصیات نے اُمت کو اتباعِ رسالت سے برگشتہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس تحریک کو مقبولِ عام بنانے کے لیے ابتدائی طور پر فرنگیوں نے اہم کردار ادا کیا اور پھر وحیِ الٰہی کے بجائے اپنی ناقص عقل پر کلی انحصار کرنے والے معدودے چند اہلِ قلم نے اپنی ساری توانائی اس پر صرف کر دی کہ کسی طرح اُمت کو سنتِ محمدیہ ﷺ سے دُور کیا جا سکے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق علمائے حق نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے لسانی و قلمی جہاد کے ذریعے ان لوگوں کی تمام تر کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔

شعرا معاشرے کا سب سے حساس طبقہ ہوتے ہیں اور اپنے کلام میں اپنے عہد میں سر اُٹھانے والے فتنوں اور عصری انقلابات کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ تاہم ہر شاعر اپنے عہد پُرآشوب کی ہر شورش کو یکسانی سے محسوس نہیں کرتا۔ ایک معاشی استحصال سے زیادہ اثر لیتا ہے تو دوسرا مذہبی فتنوں پر زیادہ حساسیت کا اظہار کرتا ہے۔ گزشتہ صدی میں برصغیر پاک و ہند میں اُٹھنے والے فتنۂ انکارِ حدیث سے۔ مذہبی شاعری کرنے والے سخن ور متاثر ہوئے اور انھوں نے ضرورت و اہمیت حدیث، حجیتِ حدیث کے اثبات اور منکرینِ حدیث کی مذمت میں سخن سرائی کی۔ اس کی چند ایک مثالیں یہاں پیش کی جا رہی ہیں:

خالد بزمی نے دس اشعار پر مشتمل ایک نظم ''فتنۂ انکار حدیث''☆[۲] لکھی جس میں انھوں نے منکرینِ حدیث کے باطل عقائد کی تردید کی ہے۔ پہلا بند ملاحظہ ہو:

جو لوگ منکرینِ حدیثِ رسول ﷺ ہیں
مذہب کے نام ہی سے دراصل ان کو بیر ہے
کہتے ہیں وہ کہ جس کا نہیں دین میں ثبوت
کرتے ہیں وہ کہ جس کا کوئی سر ہے نہ پیر ہے

چوتھے بند میں بزمیؔ نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ منکرینِ حدیث فقط احادیث کو خلافِ قرآن ثابت کرنے کے لیے ہی سرگرداں نہیں بلکہ قرآن بھی ان کے دستِ ستم سے نہیں بچ سکا۔ ان متجدد فقہا نے اگر ایک طرف حدیث کا انکار کیا ہے تو دوسری طرف قرآن مجید کی آیات کی من مانی تاویلات بھی کی ہیں:

ان منکروں کی دوڑ حدیثوں ہی تک نہیں
قرآن بھی ان کے دستِ ستم سے نہ بچ سکا

انکار اُس طرف ہے تو تاویل اس طرف
دیں ''ماڈرن فقیہوں'' کے ہاتھوں میں آگیا

آخری بند میں اہلِ ایمان کو ان مذہب دشمن عناصر کی فتنہ انگیزی سے ہوشیار رہنے کا یوں مشورہ دیتے ہیں:

اے حق پرست و صاحبِ ایمان دوستو
مذہب کے دشمنوں کا ارادہ کچھ اور ہے
ہشیار منکرینِ حدیثِ رسول ﷺ سے
یہ دور آزمائشِ ایماں کا دور ہے

شورش کاشمیری نے بھی ''فتنۂ انکارِ حدیث'' کے عنوان سے ایک نظم کہی لیکن پوری نظم میں اصل موضوع پر صرف یہ شعر ہے:

جانتے ہو کہ یہاں فتنۂ انکارِ حدیث
اپنے افکارِ بد انجام میں پرویزی ہے[☆۳]

ماہرالقادری نے منکرینِ حدیث کی مذموم مساعی کے خلاف یوں آواز بلند کی:

حدیثِ دیں کو بازیچۂ ادب نہ بنا
کلامِ حق کو دلی جوش کا سبب نہ بنا
دلیل و عقل سے انکار کے تو بت نہ تراش
ہوائے نفس کی لذت کو اپنا رب نہ بنا
ادب کی آڑ میں دے کر پیام گم راہی
تمام دہر کو بوجہل و بولہب نہ بنا[☆۴]

آخری مصرع توجہ طلب ہے جس میں شاعر نے منکرینِ حدیث کو ابوجہل و ابولہب قرار دیا ہے کیوں کہ یہ دونوں بھی رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادات کے منکر تھے۔ ایک اور شعر میں ماہرالقادری کہتے ہیں:

ترا نطق وحیِ یزداں تری بات شرحِ قرآں
ترا نام دل کی تسکیں، ترا ذکر راحتِ جاں[☆۵]

راز کاشمیری حضورِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ہر قول و فعل کو معیارِ حق تسلیم کرتے

ہیں، اُن کے علاوہ کسی کی بات کو معتبر نہیں سمجھتے۔ اسی لیے کہتے ہیں:

معیارِ حق ہے آپ ﷺ کی ہر بات، ہر عمل
نامعتبر ہے سارا جہاں، آپ ﷺ معتبر ☆[۶]

راسخ عرفانی حضورِ اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلنے والی ہر بات کو خدائی کلام کی تشریح و تعبیر قرار دیتے ہیں:

نکلا ہے جو بھی لفظ زبانِ حضور ﷺ سے
لاریب ترجمہ ہے خدا کے کلام کا ☆[۷]

ایک اور شعر میں کہتے ہیں:

چراغِ جادۂ منزل ہے مصطفیٰ ﷺ کی حدیث
نظر کا نور ہے محبوبِ کبریا ﷺ کی حدیث ☆[۸]

محمد ہارون الرشید ارشدؔ حضور خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی کو ایک مومن کے لیے سعادت اور واجب التعمیل قرار دیتے ہیں:

ہے سعادت سنت خیرالبشر ﷺ کی پیروی
واجب التعمیل ہے فرمانِ فخر الانبیا ﷺ ☆[۹]

ارشدؔ نے اپنی نعتیہ شاعری میں سنت و حدیث کی اہمیت واضح کی ہے۔ اُن کے کئی اشعار سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال و افعال کا پرتو محسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے آیتِ کریمہ ''وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی'' کا یوں منظوم ترجمہ کیا ہے:

جو وحیِ خدا تھی، وہی لب پہ آئی
کلام خدا ہے کلامِ محمد ﷺ ☆[۱۰]

ارشدؔ کے کلام سے سنت کے موضوع پر دو اور شعر ملاحظہ ہوں:

توحید میرا دل ہے تو جاں سنتِ رسول ﷺ
بعدِ خدا ہیں میرے لیے حضرت رسول ﷺ ☆[۱۱]

میرے یقین کا معیار مصحف و سنت
میرا عقیدہ کلامِ خدا، کلام حضور ﷺ ☆[۱۲]

عبدالمجید صدیقی کے نعتیہ کلام میں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں انھوں نے ارشاداتِ

مصطفیٰ ﷺ کو فرامینِ کبریا قرار دیا ہے:

سچ کہا ہے "گفتہٗ اُو گفتہٗ اللہ بوَد"
شاہد ناطق ہے خود قرآن اس اظہار کا ☆۱۳

ارشاد ہے "ماینطق" جب ان ہی کے حق میں
اللہ کا فرمان ہے فرمانِ محمد ﷺ ☆۱۴

اسی بات کو حافظ عبدالغفار حافظؔ نے یوں شعر کے قالب میں ڈھالا ہے:

عین حق ہے جو بھی نکلا ہے زبانِ پاک سے
عین فرمانِ خدا فرمانِ والا آپ ﷺ کا ☆۱۵

عبدالکریم ثمرؔ نے بھی اسی تخیل کو یوں نظم کیا ہے:

تری حدیث ہے اُم الکتاب کی تفسیر
تری زباں بھی خدا کی زبان سے ملتی ہے ☆۱۶

حکیم شریف احسنؔ نے "من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ" کا منظوم ترجمہ یوں کیا ہے:

وہی ہیں جن کی اطاعت اطاعتِ حق ہے
خدا کی بات ہے گفتارِ رحمت عالم ﷺ ☆۱۷

راغبؔ مرادآبادی نے بھی حضور اکرم ﷺ کے اقوال کو اقوالِ حق تعالیٰ قرار دیا ہے۔ اُن کے مطابق حضور سیّد انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر بات وحی و الہام پر مبنی ہوتی تھی۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں:

اُس کا ہر نقشِ قدم ہے شبِ اسریٰ کا چراغ
اُس کی ہر جنبشِ لب نغمۂ وحی و الہام
اُس کا ہر لفظ ہے برہانِ صداقت بکنار
اُس کی ہر بات نجاتِ ابدی کا پیغام ☆۱۸

حافظ مظہرالدین اقوالِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یوں توصیف کرتے ہیں:

کیف افروز ہے بات بات آپ ﷺ کی
وجد انگیز ہے ہر کلام آپ ﷺ کا ☆۱۹

D:NaatRang-16
File: Dr.Sultan
2nd Proof

حافظ محمد افضل فقیر نے بھی اپنے کلام میں ارشاداتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے انوار کا ذکر کیا ہے اور اہتمامِ سنت کا درس دیا ہے:

جس سے تاب ناک امروز، جس سے کامراں فردا
وہ حضور کی سنت اور اہتمام اس کا ☆۲۰

☆

اُس کے ارشاداتِ حسین کی منزل منزل تنویریں
اس کے مضمونِ رحمت کے عالم عالم پیرائے ☆۲۱

علیم ناصری نے ائمۂ حدیث کا یوں ذکر کیا ہے:

اک عمر رہے چنتے یاقوت حدیثوں کے
مالکؒ ہو، بخاریؒ ہو، مسلمؒ ہو کہ کاشانی ☆۲۲

احادیث پر عمل کی خاطر ان کے علم کے جوہر سے خود کو آراستہ کرنے والا کنگال زردار و زراندوز بن جاتا ہے۔ اس مضمون کو علیم ناصری نے یوں نظم کیا ہے:

کرلوں میں اگر جمع حدیثوں کو جوہر
ہوجاؤں اس افلاس میں زردار و زراندوز ☆۲۳

مولانا ظفر علی خاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبانِ اقدس سے نکلنے والے ارشادات کے متعلق کہتے ہیں:

ان ھو الا وحی یوحی جس کی شان میں آیا ہے
رحمتِ عالم ہو کے اک اُمی اس مکتوب کو لایا ہے ☆۲۴

بعض غیر مسلم شعرائے نعت نے بھی اپنی نعتیہ شاعری میں احادیث کا ذکر کیا ہے۔ لالہ لچھمی نرائن سریو استو سخا کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

کچھ شک ہو اگر تم کو تو جبریلؑ کو لاوں
گفتارِ خدا ملتی ہے گفتارِ نبی ﷺ سے ☆۲۵

کلام حق ہو تفسیراً حدیثِ پاک توضیحاً
یہ بزم وصف احمد ﷺ رات بھر یوں ہو تو بہتر ہے ☆۲۶

ایک اور ہندو شاعر پروفیسر ساحرؔ ہوشیار پوری کو سارے عالم میں گفتارِ مصطفیٰ ﷺ کی گونج سنائی دیتی ہے:

دھوم ہے سارے جہاں میں آپ ﷺ کی گفتار کی
اک زمانہ معتقد ہے آپ کے انوار کا ☆۲۷

بلونت کمار ساگر احادیث کو شرحِ قرآں قرار دیتے ہیں:

کیوں مسلماں نہ اس پہ ہو قرباں
شرحِ قرآں جو ہے کلامِ نبی ﷺ ☆۲۸

حکیم ترلوک ناتھ اعظم جلال پوری کلامِ کبریا کو کلامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

پیامِ محمد ﷺ خدا کا پیام
کلامِ محمد ﷺ خدا کا کلام ☆۲۹

لالہ رام سروپ شیدؔا احادیثِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یوں ذکر کرتے ہیں:

ہیں احادیث آپ ﷺ کی دنیا میں بہر انتظام
ہے زمانوں پر رواں وہ آپ ﷺ کا شیریں کلام ☆۳۰

گیان چند منصورؔ کلامِ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام اللہ قرار دیتے ہیں:

کلامِ محمد ﷺ، کلامِ الٰہی
کلامِ الٰہی، کلامِ محمد ﷺ ☆۳۱

اماشنکر چتروئنشی بازلؔ لکھنوی حضور ختمی المرتبت ﷺ کے اقوال کی شہادت اس طرح دیتے ہیں:

آپ ﷺ کہلائے صادق الاقرار
قول کے بادشاہ کیا کہنا ☆۳۲

عرشؔ ملسیانی پیغمبرِ اسلام ﷺ کے کلام کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

یہ شانِ فصاحت، یہ آیاتِ مصحف
کلیم اللہ اللہ، کلام اللہ اللہ

D:NaatRang-16
File: Dr.Sultan
2nd Proof

نہ قول و عمل میں کوئی فرق مطلق
پیامی سراسر، پیامِ اللہ اللہ ☆۳۳

مولوی خرم علی بلہوری حدیثِ رسول ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ناحق تجھے اور کچھ ہوس ہے
قرآن و حدیث تجھ کو بس ہے
حق ہوگا حدیث خواں سے خرم
اور شاد رسول ﷺ فخرِ عالم ﷺ ☆۳۴

گزشتہ سطور میں اردو شعرا کے کلام سے ضرورت و اہمیتِ حدیث اور حجیت و حقانیتِ حدیث سے متعلق جو اشعار دیے گئے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف شعرائے نعت نے اِکا دُکا اشعار میں سنت و حدیث کا ذکر بھی کیا ہے۔ راقم کو جو دو نظمیں اس موضوع پر ملی ہیں، وہ بھی اردو شاعری کا اعلیٰ نمونہ قرار نہیں دی جاسکتیں۔ دراصل ہمارے شعرائے کرام کتب احادیث و سیرت سے استفادہ تو درکنار، قرآنِ مجید کی تفہیم کے لیے اس کا مطالعہ بھی شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے ہاں حدیث کے موضوع پر بہت کم اشعار ملتے ہیں تاہم دنیائے نعت میں ایک ایسا شاعر بھی ہے جس کے کلام میں اَن گنت اشعار میں اس مضمون کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کا نام راجا رشید محمود ہے جو ربع صدی سے اپنے شب و روز مدحتِ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے لیے وقف کیے ہوئے ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ محمود کی شاعری میں اردو کے تمام شعرا سے زیادہ احادیثِ رسول ﷺ کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خالصتاً نعت گو شاعر ہے، ثانیاً اس شاعر کا کتبِ احادیث و سیرت کا مطالعہ اپنے ہم عصر نعت گو شعرا سے کہیں وسیع ہے۔ ثالثاً اس نے احادیث اور سیرت کے موضوع پر بعض منثور تحقیقی تصانیف بھی لکھی ہیں۔ ان وجوہ کے باعث ان کے ہاں احادیثِ مبارکہ کا پرتو دیگر شعرا کی نسبت زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ شاعرِ نعت کے پہلے اردو مجموعہ ''و رفعنا لک ذکرک'' میں ایک مکمل نعت میں صرف اسی مضمون کو نظم کیا ہے:

کلامِ پاک ہے معیارِ گفتگوئے رسول ﷺ خدا کا کفر ہے انکارِ گفتگوئے رسول ﷺ
وہی ہوئے ہیں زمانے میں صاحبِ کردار کھلے ہیں جن پہ بھی اسرارِ گفتگوئے رسول ﷺ
کھلے ہیں جس میں محبت کے پھول ہر جانب وہی ہے گلشنِ بے خارِ گفتگوئے رسول ﷺ
گھرے تھے کفر و ضلالت میں جو عرب، ان پر ضیا فگن ہوئے انوارِ گفتگوئے رسول ﷺ

ہر اک زمانے کو بخشے گا نکہتیں محمودؔ بہار زا ہے چمن زارِ گفتگوئے رسول ﷺ [☆۳۵]

اپنے ایک اور نعتیہ مجموعہ ''حرفِ نعت'' میں بارہ اشعار پر مبنی نعت میں اس شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی قولی حدیث کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خیر کا پیغام بر قولِ نبی ﷺ سامنے شر کے سپر قولِ نبی ﷺ
کبریا کے قول سے ثابت ہوا سر بہ سر سچا ہے ہر قولِ نبی ﷺ
اک محیطِ علم و حکمت ہے خواہ ٹھہرے مختصر قولِ نبی ﷺ
ہے مفاہیم کلام اللہ کا ایک حسنِ منتشر قولِ نبی ﷺ
ہے ادھر صادق کلامِ کبریا اور سچا ہے ادھر قولِ نبی ﷺ [☆۳۶]

راجا رشید محمود نے ایک غیر مطبوعہ نعت [☆۳۷] میں حجیتِ حدیث اور حکمتِ و عظمتِ حدیث یوں کا اظہارِ خیال کیا ہے:

اقوالِ مصطفیٰ ﷺ رہی خاصیتِ حدیث ثابت کلامِ حق سے ہے حجیتِ حدیث
احکامِ لایزال کی تہذیب ہوگئی یہ عصمتِ حدیث ہے، یہ عظمتِ حدیث
شارع ہیں، صرف شارحِ دیں ہی نہیں نبی ﷺ وا مومنوں پہ ہوگئی ہے حکمتِ حدیث

اسی نعت میں وہ محدثین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے روایت و درایت کے اصول وضع کرکے احادیث میں ہر قسم کی آمیزش کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا:

کرکے روایت اور درایت کا اہتمام قائم دلوں میں کی گئی ہے حرمتِ حدیث
اس کو محدثین نے یوں منضبط کیا روشن مثالِ مہر ہوئی صورتِ حدیث

شاعرِ نعت نے قولِ نبی ﷺ کے قولِ کبریا ہونے اور قرآن مجید کے بعد احادیث کے ماخذِ قانون ہونے کا مضمون یوں نظم کیا ہے:

قولِ نبی ﷺ کو حق نے کہا قولِ کبریا واضح ہوئی ہے اس طرح حیثیتِ حدیث
ہیں معتبر دو ماخذِ قانونِ کبریا نورِ کلام حق ہو کہ ہو طلعتِ حدیث
محمود دینِ حق کی ہمیں روشنی ملی قرآں کے ساتھ مل گئی جو نعمتِ حدیث

محمود نے ایک پوری نعت حدیث کی خوبیوں کے لیے مختص کی ہے جو بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ بطورِ نمونہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اقوالِ کبریا کی ہے شارح یہ بے گماں قرآن کی ہے ہم نوا سرکار ﷺ کی حدیث

D:NaatRang-16
File: Dr.Sultan
2nd Proof

مانطق کے حکمِ خدا سے عیاں ہے یہ الہام کا ہے سلسلہ سرکار ﷺ کی حدیث
آقا ﷺ کی زندگی تھی صحابہؓ کی رہنما اپنے لیے ہے رہنما سرکار ﷺ کی حدیث
تشریح اور توجیہ کلامِ خدا کی ہے ہے شارحِ دین ہدیٰ سرکار ﷺ کی حدیث
تفسیر اس کو جانیے قرآنِ پاک کی محمود حق ہے برملا سرکار ﷺ کی حدیث ☆۳۸

کلامِ محمود میں بیسیوں ایسے اشعار ہیں جن میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادات و فرمودات کی تعمیل کی تحریک ہے، کہیں حضور اکرم ﷺ کے اقوال کو فرامینِ حق قرار دیا ہے تو کہیں احادیثِ مبارکہ کو سرچشمۂ ہدایت بتایا گیا ہے۔ یہاں اُن کے مختلف مجموعہ ہائے نعت سے بطورِ نمونہ چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ و رفعنا لک ذکرک

دہر بھر کی ہر صداقت کو پرکھ کر دیکھ لو
جو حدیثِ مصطفیٰ ﷺ میں ہے، وہ سچائی کہاں ☆۳۹

۲۔ دیارِ نعت

دیکھو اٹھا کے لوگو، احادیث کی کتب
جو قول بھی نبی ﷺ کا ہے، کیا دل نشیں نہیں ☆۴۰

۳۔ مدحتِ سرور ﷺ

مان لو آقا ﷺ کے فرمودات و ارشادات کو مومنوں کے واسطے تو یہ ہے فرمانِ حیات ☆۴۱
کلامِ حق کی وضاحت کو تو ضروری ہے رسولِ پاک ﷺ کے اقوالِ معتبر کا وجود ☆۴۲
ہر اک بات آقا و مولا کی ہے الہام پر مبنی ہر ارشاد ان کا ہے اللہ کے پیغام پر مبنی ☆۴۳

۴۔ کتابِ نعت

حدیثوں کے سوا ملتا نہیں ہے کہیں سے رہنمائی کا تصور ☆۴۴

مفاہیمِ کلامِ حق بتاتی ہیں حدیثیں ہی
کہ ارشاداتِ آقا ﷺ اس کی تشریحات کرتے ہیں ☆۴۵

۵۔ اوراقِ نعت

راز ''مانطق'' سے کھولا ہے کلام اللہ نے
بات بات آقا ﷺ کی ہے نطقِ الٰہی ہو بہ ہو ☆۴۶

۶۔ اشعارِ نعت

''ماینطق'' کی رُو سے جو خود رب کی بات ہے
میرے حضورِ پاک ﷺ کی ہر بات کو سلام ☆۴۷

۷۔ مدیحِ سرکار ﷺ

میرے رسولِ پاک ﷺ کی اک اک حدیث میں
جو بات ہے وہ آدمی کی بہتری میں ہے ☆۴۸

۸۔ حی علی الصلوٰۃ

وہ بے شک مت پڑھے صلوات نامِ مصطفیٰ ﷺ سن کر
احادیثِ نبی ﷺ پر ہی نہ جس کو اعتبار آئے ☆۴۹

۹۔ حرفِ نعت

آقا ﷺ کی ہر حدیث کو دل سے پڑھو، سنو
کیا بات بات آپ ﷺ کی درسِ عمل نہیں ☆۵۰

☆

احادیثِ حبیبِ کبریا ﷺ ہی اس کا باعث ہیں
جو وقعت فضلِ رب سے، راستی کی ہے مرے دل میں ☆۵۱

۱۰۔ نعت (مجموعۂ نعت)

نثار قلب مرا آپ ﷺ کی حدیثوں پر
ہے قولِ آقا ﷺ پہ قربان ذوقِ نعت مرا ☆۵۲

۱۱۔ فردیاتِ نعت

پڑھتا جاتا ہے جب انسان احادیثِ رسول ﷺ
کرتی جاتی ہے زباں اور مدیحِ سرکار ﷺ ☆۵۳

۱۲۔ سلامِ ارادت

D:NaatRang-16
File: Dr.Sultan
2nd Proof

ہیں احادیثِ نبی ﷺ میں اس کی تفصیلات بھی اس طرح قرآں کی تشریحات کو میرا سلام ☆۵۴
جو خدائے پاک کے احکام کی تشریح ہیں سیّد و سرور کے ارشادات کو میرا سلام ☆۵۵

۱۳۔ تسبیحِ نعت

میرے حضور ﷺ کا ہر قول، قولِ حکمت ہے میرے حضور ﷺ کی ہے بات بات دانائی ☆۵۶
اُن کے ہر اک عمل سے، ہر ارشادِ پاک سے رب کے کرم سے ملتی ہے ہر منزلت کی خبر ☆۵۷

۱۴۔ صباحِ نعت

مفتاحِ راز آیۂ ''ماینطق'' میں ہے محمود بات رب کی ہے، تقریر آپ ﷺ کی
لوحِ جہاں پہ نقش ہے بے شبہ و گماں سرکار ﷺ کی حدیثِ صداقت کا حرف حرف ☆۵۸

۱۵۔ احرامِ نعت

جو احادیثِ نبی ﷺ سے لاتعلق سا رہا ایسا بدبخت آدمی ہے مغفرت ناآشنا
احادیثِ رسولِ محترم ﷺ کو جمع کرنے میں بڑی کاوش نظر آتی ہے مسلم اور بخاری کی
جو غور و خوض احادیثِ پیمبر ﷺ پر کرے کوئی تو پائے علم قرآں کے مفاہیم و معانی کا
احادیثِ حبیبِ کبریا ﷺ ہم کو بتاتی ہیں بلاغت اُن پہ بس ہے اور فصاحت ختم ہے اُن پر
پڑھ پڑھ کے احادیث میرے سرورِ دیں ﷺ کی ہر مسئلۂ پیشِ نظر کا کوئی حل دو ☆۵۹

آخر میں شعرائے کرام سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنی نعتیہ شاعری میں حضورِ اکرم ﷺ کی سنت جیسے اہم موضوع پر ضرور اشعار کہیں، کیوں کہ دین قرآن و سنت کے مجموعے کا نام ہے۔ حدیث کے بغیر قرآن کی تفہیم ممکن نہیں۔ تاہم انھیں خود مجموعہ ہائے احادیث کا مطالعہ کرنا ہوگا، وگرنہ اس موضوع پر اُن کی شاعری میں سطحیت ہوگی۔

حواشی

☆۱۔ آلِ عمران ۳:۳۲
☆۲۔ خالد بزمی: ''مجھے ہے حکمِ اذاں'' (لاہور: قاضی پبلی کیشنز ۱۹۹۲ء)، ص ۴۳-۴۴
☆۳۔ شورش کاشمیری: ''چہ قلندرانہ گفتم'' (لاہور: مطبوعاتِ چٹان ۱۹۶۵ء) ص ۱۰۳
☆۴۔ سالکوٹی ''مولانا محمد صادق: ''ضربِ حدیث'' (گوجرانوالہ: مکتبۂ نعمانیہ، ۱۹۶۱ء) ص ۳۴۷
☆۵۔ ماہر القادری: ''ذکرِ جمیل' مرتبہ: طالب ہاشمی (لاہور بزمِ فاران، ۱۹۸۹ء) ص ۱۷۰
☆۶۔ راز کاشمیری: ''لوح بھی تو قلم بھی تو'' (گوجرانوالہ: عثمان اکیڈمی، ۱۹۸۸ء) ص ۹۵
☆۷۔ راسخ عرفانی: ''ارمغانِ حرم'' (گوجرانوالہ: مکتبۂ نور، ۱۹۷۷ء) ص ۵۵
☆۸۔ راسخ عرفانی: ''نکہتِ حرا'' (گوجرانوالہ: مکتبۂ نور، ۱۹۸۹ء) ص ۴۳
☆۹۔ ارشد، محمد ہارون الرشید: ''آبشارِ کرم'' (لاہور: مکتبۂ رحمانیہ، ۱۴۱۲ھ) ص ۹۳
☆۱۰۔ حوالہ سابق، ص ۱۷

☆۱۱۔ حوالہ سابق، ص۲۰
☆۱۲۔ حوالہ سابق، ص۴۲
☆۱۳۔ عبدالمجید صدیقی: ''صدقِ مقال'' (کراچی: ناشر ڈاکٹر محمود احمد صدیقی، ۱۹۵۹ء) ص۲۸
☆۱۴۔ حوالہ سابق، ص۴۵
☆۱۵۔ حافظ عبدالغفار حافظ: ''قصیدۂ رسولِ تہامی ﷺ'' (کراچی: انجمن ترقی نعت، ۱۹۸۸ء) ص۳۶
☆۱۶۔ عبدالکریم ثمر: ''شعر و الہام'' (لاہور: مکتبۂ عرفان، اچھرہ، ۱۹۶۲ء) ص۲۱۹
☆۱۷۔ شریف احسن، حکیم: ''عبدہ و رسولہ'' (فیصل آباد: نعت اکادمی، ۲۰۰۰ء) ص۲۷
☆۱۸۔ راغب مرادابادی: ''نعتِ خیرالبشر ﷺ'' مرتبہ: سیّد فیضی (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء) ص۲۹
☆۱۹۔ حافظ مظہرالدین: ''تجلیات'' (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء) ص۵۰
☆۲۰۔ حافظ محمد افضل فقیر: ''جانِ جہاں ﷺ'' (لاہور: مکتبۂ کارواں، ۱۴۰۳ھ) ص۴۵
☆۲۱۔ حوالہ سابق، ص۱۲۰
☆۲۲۔ علیم ناصری: ''طلع البدر علینا'' (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۱۹۹۹ء) ص۹۱
☆۲۳۔ حوالہ سابق، ص۱۳۲
☆۲۴۔ ظفر علی خان: ''خالستان'' (لاہور: مکتبۂ کارواں، س۔ن) ص۱۴
☆۲۵۔ ماہنامہ ''نعت'' لاہور، ''غیر مسلموں کی نعت'' حصہ چہارم (لالہ چھمی نرائن کی نعت گوئی) جلد۵، شمارہ۷ (جولائی ۱۹۹۲ء) ص۹۰
☆۲۶۔ حوالہ سابق، ص۱۰۰
☆۲۷۔ راجا رشید محمود: ''غیر مسلموں کی نعت گوئی''، ماہنامہ ''نعت'' لاہور، جلد۸، شمارہ۱۱، ص۵۵ (نومبر ۱۹۹۵ء) ص۱۵۰
☆۲۸۔ نور احمد میرٹھی (مرتب) ''نورِ سخن''، ص۱۱۸/ ماہنامہ ''نعت'' لاہور، جلد۸، شمارہ۱۱، ص۵۵
☆۲۹۔ نور احمد میرٹھی: ''بہرزماں بہرزباں'' (کراچی: ادارہ فکرِ نو، ۱۹۹۶ء) ص۱۲۱
☆۳۰۔ حوالہ سابق، ص۴۱۶
☆۳۱۔ حوالہ سابق، ص۵۶۵
☆۳۲۔ عرفان عباسی: ''تذکرہ شعرائے اترپردیش'' (لکھنؤ: نظامی پریس ۱۹۸۳ء) ص۲۲۷
☆۳۳۔ یزدانی، مولانا محمد حنیف: ''محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں'' (لاہور: شہ اینڈ سنز، ۱۹۷۹ء) ص۵۱
☆۳۴۔ بلہوری، خرم علی: ''نصیحۃ المسلمین'' (لاہور: المکتبۃ السّلفیہ، ۱۹۸۲ء) ص۸۲
☆۳۵۔ راجا رشید محمود: ''و رفعنا لک ذکر'' (لاہور: اختر کتاب گھر، ۱۹۹۳ء، اشاعتِ سوم) ص۵۷
☆۳۶۔ راجا رشید محمود: ''حرفِ نعت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت لاہور، ۲۰۰۰ء) ص۱۰۷۔۱۰۸
☆۳۷۔ راجا رشید محمود: ''احرامِ نعت'' (زیرِ طبع ہے)
☆۳۸۔ راجا رشید محمود: ''صباحِ نعت'' (زیرِ طبع ہے)
☆۳۹۔ راجا رشید محمود: ''و رفعنا لک ذکر''، ص۳۵
☆۴۰۔ راجا رشید محمود: ''دیارِ نعت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۲ء) ص۵۷
☆۴۱۔ راجا رشید محمود: ''مدحتِ سرور ﷺ'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۲ء) ص۳۲
☆۴۲۔ حوالہ سابق، ص۴۴

☆۴۳۔ حوالہ سابق، ص۴۳
☆۴۴۔ راجا رشید محمود: ''کتاب نعت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۰ء) ص۱۰
☆۴۵۔ حوالہ سابق، ص۱۰۸
☆۴۶۔ راجا رشید محمود: ''اوراقِ نعت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۲ء) ص۱۵
☆۴۷۔ راجا رشید محمود: ''اشعارِ نعت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۰ء) ص۶۸
☆۴۸۔ راجا رشید محمود: ''مدیحِ سرکار ﷺ'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۱۹۹۷ء) ص۲۴
☆۴۹۔ راجا رشید محمود: ''حیّ علیٰ الصلوٰۃ'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۱۹۹۸ء) ص۴۹
☆۵۰۔ راجا رشید محمود: ''حرفِ نعت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۰ء) ص۸۲
☆۵۱۔ حوالہ سابق، ص۱۷
☆۵۲۔ راجا رشید محمود: ''نعت (مجموعہ کلام)'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۱ء) نعت نمبر۳
☆۵۳۔ راجا رشید محمود: ''فردیاتِ نعت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۰ء) ص۹۰
☆۵۴۔ راجا رشید محمود: ''سلامِ ارادت'' (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۰ء) ص۳۷
☆۵۵۔ حوالہ سابق، ص۴۷
☆۵۶۔ راجا رشید محمود: ''تسبیحِ نعت'' ماہنامہ ''نعت'' لاہور، جلد۱۶، شمارہ۴ (اپریل ۲۰۰۳ء) ص۱۸
☆۵۷۔ حوالہ سابق، ص۱۲۹
☆۵۸۔ راجا رشید محمود: ''صباحِ نعت''
☆۵۹۔ راجا رشید محمود: ''احرامِ نعت''

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط ۔ بھارت

معراج نامہ : بلاقی

اردو میں معراج ناموں کی روایت کا تعلق ایک طرف عقیدتِ رسول ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کو اُجاگر کرتا ہے تو دوسری طرف اس سے اردو میں سماوی سفر پر مشتمل ادب وجود میں آیا۔ سماوی سیر پر مشتمل ادب کی تشکیل کا سراغ ہمیں سب سے پہلے عالمی ادب میں یونان کے ہوؔمر کی ''اوڈیسی'' میں ملتا ہے۔ یہ ایک یونانی منظوم ڈراما ہے جس میں جنت دوزخ اور عرفات کے سفر اور وہاں کے آثار و شواہد کا قیاسی اور تخیلاتی بیان ہے۔ ہوؔمر نے یہ ڈراما حضرت مسیحؑ سے اٹھارہ سو برس پہلے لکھا تھا۔ اس کے بعد ڈانٹے (م۱۳۲۱ء) کی تصنیف ''ڈیوائن کامیڈی (Divine Comedy)'' میں اس قسم کے سماوی سفر کی روئداد ملتی ہے۔ عربی ادب میں ابن شہیدالاندلیسی (م۱۰۳۲ء) کی ''رسالۃ التوابع والزوابع'' اور ابوالعلیٰ المعری (م۱۰۵۵ء) کی ''رسالۃ الغفران'' میں بھی افلاکی سیر کا بیان ہوا ہے۔ علامہ اقبالؔ نے ''جاویدنامہ'' میں اور امیر خسروؔ کی ''نہہ سپہر'' میں بھی آسمانی سیاحت کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔ غرضے کہ سیر سماوی کو موضوع سخن بنانے کی روایت قدیم ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ڈانٹے کے بعد سے جتنی بھی تخلیقات اس قسم کی وجود میں آئی ہیں ان پر واقعۂ معراج کا نمایاں اثر دکھائی دیتا ہے۔ سعید احمد اکبرآبادی ڈاکٹر لویس عوض کی رائے کو نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> اس طرح کے ادب پارے مستقل بالذات ہیں۔ ان میں اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ یونانی اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ (چناں چہ)... ڈانٹے کے زمانے میں واقعۂ معراج پر ہسپانوی، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں تین تراجم موجود تھے۔

D:NaatRang-16
File: Yahya-1
Final

''معراج''، تاریخِ اسلام کا عظیم الشان واقعہ ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے ساتوں آسمانوں کی سیر کی تھی۔ واقعۂ معراج کے متعلق نصوص بھی ہیں اور احادیثِ صحیحہ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ عقائد کے لحاظ سے البتہ علمائے اسلام دو طرح کے خیالات رکھتے ہیں۔ ایک طبقہ اس واقعہ کو ''روحانی'' سفر گردانتا ہے تو دوسرا اسے ''جسدی'' قرار دیتا ہے۔ بہرکیف! اس تاریخی واقعے نے ادبِ لطیف پر گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ اس کی وجہ سے شاعری کو نیا موضوع ملا اور نئی علامات وتشبیہات اور استعارات و اصطلاحات بھی ملیں۔

دکن میں واقعۂ معراج پر مستقل تصنیف نثر میں خواجہ بندہ نواز گیسودراز (م۱۴۲۱ء) سے منسوب ہے۔ اور نظم میں معراج کے موضوع پر اوّلاً تصنیف بلاقیؔ کی ''معراج نامہ'' ہے۔ بلاقیؔ نے واقعۂ معراج کو تصوف کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ہندوپاک کے علاوہ یورپی ممالک میں اس کے پھیلے ہوئے نسخے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ بلاقیؔ کی اس تصنیف کو غیرمعمولی مقبولیت حاصل رہی تھی۔ شاہ کمالؔ کے معراج نامہ (۱۱۹۱ھ) اور محمد باقر آگاہؔ کی ''ہشت بہشت'' (۱۲۰۶ھ) میں بلاقیؔ کے معراج نامہ کا ذکر ہوا ہے۔

بلاقیؔ کے ''معراج نامہ'' کے نسخوں میں ''مادۂ تاریخ'' کے اشعار میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اصل تاریخ تصنیف کا پتا لگانا دشوار ہوگیا ہے۔ راقم نے سالارِ جنگ میوزیم، آصفیہ لائبریری اور ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے نسخوں کے علاوہ نسخہ ایلچ پور بھی دیکھا ہے۔ ان تمام میں مادۂ تاریخ کے اشعار بالترتیب یوں نقل ہوئے ہیں:

ہزار ایک پنج شست تھی سال میں — سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار ایک پر پنج شصت تھیں سال میں — سو اتوار کے روز خوش حال میں
ہزار ئیک پانصد بنی سال میں — کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار یک و پنجاہ وی سال میں — سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار ئیک پانصد بنی سال میں — سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں

کتب خانہ سالارِ جنگ حیدرآباد کے ان نسخوں سے بالترتیب ۱۰۶۵ھ، ۱۰۰۵ھ، ۱۰۸۰ھ، ۱۰۰۵ھ اور ۱۰۶۵ھ متخرج ہوتے ہیں۔ آصفیہ کے نسخہ نمبر۱۵۴۱ سے ۱۰۶۵ھ نسخہ نمبر۱۳۸۱ سے ۱۰۸۰ھ اور نسخہ نمبر۳۸۳ سے ۱۰۹۴ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے نسخوں میں مادّۂ تاریخ کے اشعار یوں مرقوم ہیں:

ہزار ایک پر پنج صد بنی سال میں — کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں

ہزار ایک پنجہ صدی سال میں ۔۔۔۔ کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار ایک پر شصت کے سال میں ۔۔۔۔ سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں

ان اشعار سے بالترتیب ۱۰۰۵ھ اور ۱۰۶۰ھ برآمد ہوتے ہیں۔ نسخۂ ایلچ پور سے ڈاکٹر نعیم الدین صاحب نے ۱۱۰۵ھ متخرج کیے ہیں۔ اس نسخہ میں مادّۂ تاریخ یوں درج ہے:

ہزار ایک برس پنجہ صد سال میں ۔۔۔۔ کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں

''گجرات میں مذہبی مثنویاں'' کے مصنف نے بھی بلاقیؔ کے معراج نامے کی تاریخ تصنیف ۱۰۶۵ھ میں بتائی ہے۔ البتہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی مشہور تصنیف ''تاریخِ ادبِ اردو'' (جلداوّل) ص ۴۹۳ پر بلاقیؔ کے معراج نامہ کی تاریخِ تصنیف ۱۰۵۶ھ بتائی ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> معراج نامہ (قلمی) انجمن ترقی اردو پاکستان کے علاوہ آٹھ اور قلمی نسخے میری نظر سے گزرے جن میں سنہ تصنیف ۱۰۵۶ھ دیا گیا ہے۔

پروفیسر سیّد رفیع الدین اشفاق نے اپنے تحقیقی مقالے ''اردو میں نعتیہ شاعریؔ میں بلاقیؔ کے معراج نامہ کو ۱۰۸۰ھ کی تصنیف گردانتا ہے۔ موصوف نے ادارۂ ادبیات اردو کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے۔ مجھے ادارہ میں یہ نسخہ نہیں ملا۔ ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری نے ۱۰۶۵ھ کے اختلاف کو'' کاتبوں کی سہل پسندی کا ثمرہ'' کہا ہے کہ'' وہ (۵) اور (۶) کے تقدم و تاخر کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔ انھوں نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ یہ کاتبانِ معراج نامہ بلاقیؔ کی غلطی ہے یا کاتب ''تاریخِ ادب اردو'' جلد اوّل کی۔ اگر اس غلطی کو وہ تاریخ ادب اردو کے کاتب سے جوڑتے ہیں تو بالکل ہے یا بجا اور درست ہے لیکن اگر اس غلطی سے ان کی مراد'' کاتبانِ معراج نامہ بلاقیؔ'' کی غلطی سے ہے تو یہ درست نہ ہوگا کیوں کہ معراج نامہ بلاقی کے مادّۂ تاریخ والے اشعار میں تاریخ ملفوظی ہے عددی نہیں۔ لفظوں سے لکھے گئے اعداد میں تقدم و تاخر سے تو وزن و بحر دونوں بگڑ جاتے ہیں اور شعر مجروح ہوجاتا ہے۔ میرا اپنا قیاس یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ڈاکٹر جمیل جالبی نے جن آٹھ نسخوں کی نشان دہی کی ہے اس میں ''ہزار ایک پنجہ و شش سال'' لکھا ہوگا۔ جس سے ۱۰۵۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر جمیل جالبی کسی ایک مخطوطہ سے مادّۂ تاریخ کا شعر اپنی مؤقر کتاب میں نقل فرما دیتے تو ہم شش و پنج میں نہ رہتے۔

''معراج نامہ بلاقیؔ'' کے اشعار کی تعداد کے معاملے میں سیّد رفیع الدین اشفاقؔ اور اسمٰعیل آزاد

نے وضاحتی فہرست ''تذکرۂ مخطوطات'' جلد اوّل، ص ۲۷ پر زورؔ مرحوم کے تعارف پر تکیہ کرلیا ہے۔ مرحوم نے لکھا ہے کہ ''یہ تقریباً ۵۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے۔'' یہی عبارت مذکورہ دونوں محققین نے اپنے تحقیقی مقالات میں شامل کرلی ہے۔ جب کہ تذکرۂ مخطوطات جلد پنجم، ص ۶۴ پر زورؔ مرحوم دوسرے نسخے کے متعلق رقم طراز ہیں۔ ''جلد چمڑے کی بنائی گئی ہے اس میں مکمل مثنوی (معراج نامہ) محفوظ ہے اور ۷۶۵ ابیات ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب نے اشعار کی تعداد نہیں بتائی۔ میرے پیش نظر ادارۂ ادبیات اردو کے نسخوں میں بلاقیؔ نے خود رقم کیے ہوئے اشعار کی تعداد مندرج ہے:

کہا سات صو (سو) بیت معراج کے کہ جوہر جڑے تھے مگر تاج کے

دوسرے نسخے میں یوں درج ہے:

کہا آٹھ سو بیت معراج میں جواہر جڑے ہیں... تاج میں

ایلچ پور کے نسخہ میں یہ شعر اس طرح درج ہے:

کہا آٹھ سو بیت معراج میں کہ جوہر جو ہیں فکر کے تاج میں

ان اشعار سے پتا چلتا ہے کہ معراج نامہ بلاقیؔ آٹھ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ تحقیق میں تساہل کے سبب ان محققین نے کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کو ضروری نہیں سمجھا۔ میرے پیش نظر تمام مخطوطات میں بلاقیؔ کے معراج نامہ کی ابتدا انا شعار سے ہوتی ہے:

اوّل نام اللہ جو بولوں احد ثنا اور صفت اس کی کر بے عدد
ثنا اس اپرنت سزاوار ہے کر نہار قدرت کرتا رہے
کیا چاند سورج ستارے فلک زمین آسماں حور و جن و ملک

ایلچ پور کے مخطوطہ کا کاتب کم سواد ہے۔ اس کے یہاں املے کی بہت ساری غلطیاں پائی جات ہیں۔ مثلاً اس نے پہلے ہی شعر میں آئے لفظ احد کو ''اہد'' لکھا ہے۔ اس نسخہ کا ترقیمہ بھی ادھورا ہے۔ فارسی عبارت اس طرح لکھی ہے:

تمت تمام شد۔ کارمن نظام شد۔ بتاریخ بستم ماہِ جمادی الثانی بیوم چہار
شنبہ اتمام یافت در عہد سلطنت محمد شاہ بادشاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنۃ

محمد شاہ کا زمانۂ سلطنت ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء رہا ہے۔ اس تیس سالہ دور میں ۱۱۳۱ھ، ۱۱۳۹ھ، ۱۱۴۷ھ اور ۱۱۵۵ھ ان چار سالوں میں جمادی الثانی کی بیس تاریخ بدھ کے روز

آئی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ معراج نامہ ان چار سالوں میں کسی ایک سال میں لکھا گیا تھا۔ شاید ترقیمہ کی تاریخ کا لحاظ رکھتے ہوئے ڈاکٹر نعیم الدین صاحب نے معراج نامۂ بلاقی کی تاریخ تصنیف بھی ۱۱۰۵ھ بتائی ہے۔ دوسرے معراج ناموں کے ترقیموں میں تاریخ تحریر صاف صاف درج ہے۔ جیسے ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے نسخہ نمبر۱۰ کا ترقیمہ اس طرح ہے۔ ''تحریر فی التاریخ غرہ شہر ذی الحجہ ۱۱۶۵ھ تحریر یافت۔'' اس اعتبار سے بلاقیؔ کے ''معراج نامہ'' کے تمام نسخوں کے ایلچ پور کا نسخہ قدیم تر ہے۔ استادِ محترم ڈاکٹر سیّد نعیم الدین صاحب نے ناگ پور یونی ورسٹی جرنل کے ۱۹۴۳ء کے شمارے میں اس نسخے کا تعارف کرایا تھا اور ہو اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ وہی سیّد بلاقی ہیں جن کا مزار ایلچ پور کی جامع مسجد کے قریب والے قبرستان میں ہے۔ بلاقیؔ کے حالاتِ زندگی تاحال معلوم نہ ہو سکے۔

بلاقیؔ کا معراج نامہ درج ذیل سرخیوں پر مشتمل ہے:

حمد و نعت، صفت براق و روانگی، اوّل آسماں، دوم آسماں، سوم آسماں، چہارم آسماں، پنجم آسماں، ششم آسماں، ہفتم آسماں، دوزخ، بہشت، قدرتِ باری تعالیٰ، مقامِ جبرئیل، عرش، باری تعالیٰ، سزائے یہودی کہ معجزہ، معراج را دروغ نمودہ بود، خاتمہ۔

حمد و نعت کے بعد بلاقیؔ آ واقعہ معراج کی تفصیل بیان کرتے ہیں (یہاں سے تمام حوالے اب ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے قلمی نسخہ نمبر۶۸ سے دیے جائیں گے۔)

کہ ہجرت کی ان کی برس بارہ کوں — چلے تھے محمدﷺ سو معراج کوں
خوشی سوں محمد کی معراج کوں — سنوار یا عرش اس شہ تاج سوں
خدا نے نبی کوں سو دیکھیں بدل — جتا عرش و کرسی بنایا سکل

(ورق۲ ب)

کھڑا تھا فرشتہ بڑے بار کا — حکم یوں ہوا اس کرن ہار کا
نبی کن چلیا جا ادھی رات ہے — بولا لیا بتی کوں سو کچھ بات ہے
چلیا جب فرشتہ ادھی رات لے — ہزاراں لکا لک ملک سات لے

(ورق۳ الف)

زبان کے کھردرے پن اور الفاظ کے دکنی تلفظ سے ہٹ کر بھی اگر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ بلاقیؔ

D:NaatRang-16
File: Yahya-1
Final

سے تاریخ معراج کے تعین میں زبردست سہو ہوا ہے۔ نعتیہ شاعری پر تحقیق کرنے والوں نے اس کی نشان دہی نہیں کی۔ دراصل معراجِ رسول ﷺ ہجرت کے ایک سال قبل کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کو ۱۲ سال ہو چکے تھے۔ بلاقی نے یہاں ''ہجرت کے بارہ برس'' نظم کر دیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ درست نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں لفظ ''بعثت'' ہوگا کاتبوں کی کرم فرمائی سے ''ہجرت'' ہوگیا ہو۔ مذکورہ بالا اشعار میں شعری تقاضے کے تحت ''عَرَش'' کو ''عَرْش'' اور ''حُکُم'' کو ''حُکْم'' باندھا گیا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ حکم خداوندی سے آسمان سے زمین کی طرف نزول فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ اُم ہانیؓ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ جبرئیل حجرۂ مقدسہ پر حاضری دیتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کس طرح بیدار کیا جائے۔ بالآخر جبرئیل آپ ﷺ کے پیر کو بوسہ دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی آنکھ کھل جاتی ہے اور آپ ﷺ جبرئیل سے آنے کی وجہ سے دریافت فرماتے ہیں۔ بلاقی اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

سو جبریل آہستہ پگ کوں لے کر چومے جو انوکوں اٹھے جاگ کر
انکھیاں کھول دیکھے تو جبریل ہے کیوں آیا ادھی رات اس کوں کہے
جو کچھ حق کیا اسکوں فرمان تھا بیاں وار وو سب بھی سوں کہا
خدا کا کرم ہے سو تجہ ذات پر بولاا تجے ہے سو افلاک پر

خدا نے سو تجہ کوں درود و سلام یو تحفہ جو بھیجا، ہمیشہ عدام
لٹکے چلو شہ سو معراج کوں کھڑیا یو براق کے ساج سوں

(س الف/ب)

بلاقی اس کے بعد براق کی تعریف بیان کرنے لگتے ہیں۔ لفظ ''براق'' کا عربی صرف و نحو کے مطابق صحیح تلفظ ''بُراق'' ہی ہوتا ہے۔ شاعر نے اس کا صحیح تلفظ ہی اپنے معراج نامے میں استعمال کیا ہے۔ مجھے لفظ ''براق'' کا صحیح استعمال اور دیگر معراج ناموں میں نہیں ملا۔ لفظ ''براق'' اب اتنا مروّج ہوگیا ہے کہ عربی داں حضرات بھی اسے انداز کرنے لگے ہیں۔ بلاقی نے البتہ بحر و وزن کو نبھانے کے لیے جہاں دیگر الفاظ میں کنز و بیونت سے کام لیا ہے وہاں لفظ براق کو صحیح تلفظ کے ساتھ باندھا ہے۔ براق کی تعریف بلاقی دیگر شعرائے معراج نامے کی طرح ہی کرتے ہیں مثلاً:

مخطوطات میں بلاقؔی کے معراج نامہ کی ابتدا انا شعار سے ہوتی ہے:

کیا زین اس پر سو یاقوت کا کھڑا رہ ترارے بچہ حوت کا
(ترارے: چلبلا، تیز، ترار)

☆

جڑت کا پٹا ہے سو اس تنگ کا جھلکتا ہے بجلی کی جھلکار کا
سروسار مرجان موتی جڑے جلد، باد سوں و وسوانگی اڑے
(انگی: پہلے، اوّل)
کینے لال لیا کر کیا پیش بند؟ بھوت سانچہ گھوڑا ووقد میں بلند
(کینے: کس نے)
رکاباں لگیاں ہیں سو میزان سیاں جھمکتا ہے سورج چندر سار کیاں
(سیاں، سار کیاں: کی طرح، کے جیسے)
سو سر کان کوں ہر جنس جوہر جڑے اگر ٹک ڈٹاوے تو بے حد اڑے
(ڈٹاوے: ڈانٹے، پھٹکارے)

☆

کہ ڈُپچی لگی اس ہرے پانچہ کی لگے تھے بہتر جنس پارچی
(ورق ۳ ب)

بلاقؔی اور دیگر معراج ناموں کے شعرا کے یہاں براق کی اوصاف بیانی میں صرف عام روایات ہی کی پاسداری کی گئی ہے۔ احادیث سے انحراف شاید اس لیے کیا گیا ہوگا کہ اُن میں براق کے اوصاف میں تحیر انگیزی نہیں پائی جاتی۔ قربؔی براق کی اوصاف بیانی میں اس کا سراپا بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں:

صبا اوق کی پونچا نہیں گرد کوں فلک دل بندیا تھا اوسی گرد سوں
اتھاموں اوسے آدمی کی مثال اتھے کان ہاتھی کے گھوڑے کے بال
اتھی اوس کی گردن شتر کے کفن اتھے اس کے سینے میں اشتر کے فن
تھے سم بیل کے حسن و خوبی میں طاق دو پر ان پر تھے جو چھپاتے ساق
جڑت کی تھی زیں اس اپر بے مثال جھلکتے اتھے سورتیوں جگ اجال
(بحوالہ سخاوت علی مرزا، معراج نامہ قربؔی، مسئولہ اردو کراچی، ۱۹۵۴ء)

D:NaatRang-16
File: Yahya-1
Final

غرضے کہ ایسی صفات والے براق پر آپ ﷺ کو سوار کیا جاتا ہے اور بیت الحرم سے مسجد اقصیٰ کی جانب آپ ﷺ کا سفر شروع ہوتا ہے۔ بلاقؔی نے مسجد اقصیٰ کے پتھر (چٹان) کے متعلق عجیب و غریب روایت نقل کی ہے:

وو پتھرے نے خفگی سو فرمان سوں	لگیا بولنے وو نبی ﷺ خاص کوں
کہ اس ٹھار پر میں رہیا آج لک	کہ دروازہ میں اس برس سات لک
برس سات لک میں سو اس ٹھار پر	رکھیا نیں قدم کوئی میرے اُپر
مبارک قدم توں رکھیا مجہ اُپر	توں کرنا دعا یوں مرے حق اپر
نبی ﷺ جوں دعا اس کرے حق اُپر	زمیں سے معلق رہیا وہ پتھر

(۵ الف/ ب)

اس پتھر کے متعلق تقریباً تمام معراج ناموں میں ذکر ہوا ہے۔ مختارؔ اس پتھر کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

بزاں حق کی فرمان سوں او پھتر	نبی ﷺ سوں کیا بولنے یک دیگر
ہوے برس ہفتاد اس ٹھار میں	پڑیاں ہوں میں مسجد کے دربار میں
نہ مجہ پو رکھا کوئی اپنا قدم	مبارک رکھیا ہے توں اپنا قدم

(۳۹ الف)

(مختارؔ: معراج نامہ (قلمی نمبر۴۷۷) ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد)

ضمیرؔ کے یہاں مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ شاہ کمالؔ کے معراج نامہ مخزونہ کتب خانہ سالارِ جنگ نمبر۹۶۴ میں ورق ۲ ب کے بعد ۱۳ الف تو موجود ہے لیکن سلسلۂ واقعات میں فصل دکھائی دیتی ہے۔ ہوسکتا ہے بیچ کے اوراق گم ہوگئے ہوں اور جلد بندی اسی طرح کر دی گئی ہو۔ پس وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ کمالؔ نے بھی مسجد اقصیٰ کے پتھر کے متعلق روایت نقل کی ہوگی۔ مروّجہ میلادناموں میں البتہ اس طرح کی روایات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

انبیا علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد آپ ﷺ براق پر سوار ہوکر سوئے فلک روانہ ہوجاتے ہیں۔ معراج ناموں میں اس سماوی سفر کی روئداد نہایت ڈرامائی انداز میں ملتی ہے۔ حضرت جبرئیلؑ پہلے آسمان کے دروازے پر پہنچتے ہیں اور دربان کو دروازہ کھولنے کا حکم دیتے

ہیں۔ بلاقی اس واقعہ کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں:

کہ پہلے سما کے سو دروان کوں کہا کھول بیگی سوں دروازہ تو

(بیگی: جلدی)

سو دروان بولا کہ توں کون ہے سو آیا ادھی رات کیا کام ہے
کہا میں ہوں جبریل کچھ کام تھا تیا تھا زمیں پر سو فرمان تھا
بھی دروان بولا دوجا کون ہے سو محبوبِ حق کا نبی خاص ہے

(۶ الف)

پہلے آسمان پر حضورﷺ کی ملاقات آدمؑ سے ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی۔ بلاقی نے اس کی منظرکشی نہایت عمدگی سے کی ہے۔ اس واقعہ بیانی میں بلاقی نے احادیثِ سے رجوع کیا ہے اور مروّجہ روایتوں کو بھی جگہ دی ہے۔

جو دیکھے نبیﷺ نے سو اس ٹھار پر بوڑھا مرد بیٹھا ہے آدم بشر
سو جبریل کوں پوچھے جب اس کا نام تیرا جد ہے آدم علیہ السلام
انگے ہو محمدﷺ نے کیتے سلام کہ آدم نے بولے علیک السلام

(اَنگے: آگے بڑھ کر)

توں فرزند میرا سو بولے آدم کہ سارے نبیاں میں سو تجہ پر ختم
خدا کے نبیاں میں بزرگی تجے توں اس ٹھار پر یاد کرنا مجے
سو شیطان مجہ کوں دیا تھا دغا سو اس روز کا میں بہوت شرمندا

(ورق ۷ ب)

مندرجہ بالا چوتھے شعر "توں فرزند... تجہ پر ختم کے معنی میں التباس پیدا ہوگیا ہے۔ یا تو چاہیے تھا کہ "نبوت بچہ پر ختم ہوگئی ہے" یا "سارے نبیاں میں تو محترم ہے"۔ خیر! احادیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر ہوا ہے۔ بلاقی نے اصل خیالات اسی سے اخذ کیے ہیں اور اپنے خلاق تخیل سے بھی کام لیا ہے۔

یہاں سے آپﷺ دوسرے آسمان پر جاتے ہیں۔ یہاں حضرت ادریس و یحییٰ علیہما السلام سے آپﷺ کی ملاقات ہوتی ہے۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ سے اور چوتھے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آپﷺ ملتے ہیں۔ چوتھے آسمان پر جبریلؑ حضورﷺ سے عزرائیلؑ

کا تعارف کراتے ہیں جو یاقوت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ملک الموت حضورﷺ سے یوں ہم کلام ہوتے ہیں:

ملک موت بولیا نبیﷺ کے کنے دیا امر مج کوں یہ جبار نے
(کنے: کے پاس)
قبض روح کرتا بندیاں کا تمام جتے جیو دنیا میں خاص و عام
(جتے: جتنے)
کہ جیتے جناور ہیں دنیا منیں دیا امر حق نے مرے ہات میں
(جیتے: جتنے، زندہ)
کہ حق کا رضا اب ہوئے سات میں کروں قبض لک جیو یکبات میں
(لک: لاکھ)
(ورق ۹ ب)

ضرویاتِ شعری کے تحت بلاقی نے دوسرے شعر میں لفظ "قبض" کو بروزن مرض باندھا ہے جب کہ چوتھے شعر میں "قبض" صحیح تلفظ کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ یہاں سے آپﷺ پانچویں آسمان پر تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں آپﷺ کو ایک نہایت ہیبت ناک فرشتہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کے سراپا کی تصویر کشی بلاقی نے اس طرح کی ہے:

فرشتیاں میں دیکھے فرشتہ بڑا کہ رہتا ہے اس ٹھار پر وہ کھڑا
تلے پاؤں اس کے زمیں سات میں اُپر سر سو اس کا فلک سات میں
بڑی ناک ہورموں بھی سر بھی بڑا نبیﷺ کا وو کلمہ سو کہتا کھڑا
(ورق ۱۱، الف)

مختار نے اس ہیبت ناک فرشتے کو چوتھے آسمان پر مقیم بتایا ہے۔ مختار کا یہ فرشتہ ہیئت کذائی میں بالکل بلاقی کے بیان کردہ فرشتے جیسا ہے۔ اندازِ بیان میں بھی کوئی زیادہ فرق دکھائی نہیں دیتا۔ مختار کہتے ہیں:

فرشتیاں میں دیکھے فرشتہ بلند کھڑا ہے او جوں کوہ الوند مند
اتھی پاؤں تحت الثریٰ کے بھتر سر ا کا اتھا نہہ فلک کے اوپر
پر اس پر پڑے پاؤں کی نک اوسے ہر ایک نک ابالاں کے پردے سے
(نک: ناک)

فارسی ادب میں نہہ فلک (نو آسمان) کی اصطلاح رائج ہے۔ شاید مختارؔ نے اسی لیے نو آسمانوں کی بات کہی ہے۔ لیکن یہ ساری روایات غیر مصدقہ اور خیالی ہیں۔ احادیثِ رسول ﷺ میں واقعۂ معراج کے احوال میں یہ سب کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا لگتا ہے کہ تمام معراج نامے موضوع روایات اور من گھڑت واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ معراج کی تاریخ ساز حقیقت کو وضع کردہ اور غیر مصدقہ روایات کی پوٹ لگا کر پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ ایسی صداقت ہے کہ نہ ماننے پر بھی اس کی عظمت نہیں گھٹتی اور مان لینے سے اس کی شان میں بڑھوتری نہیں ہوتی۔ یہ ایسی سچائی ہے جس کی تصدیق جدید سائنس کرتی ہے۔ بہرکیف! پانچویں آسمان پر اس فرشتے کے علاوہ آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ہارونؑ سے ہوتی ہے۔ لیکن ضمیر لکھنوی نے اثنا عشری عقائد کے تحت فلک پنجم پر حضرت علیؓ سے آپ ﷺ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

کہ اس آسماں پر بحسن قبول علی کی زیارت کریں گے رسول ﷺ
یہاں عقل انساں کی حیران ہے کہ دیکھو علی کی بھی کیا شان ہے
روا کب ہے کہنا علی کو خدا مگر وہ خدا سے نہیں ہے جدا

عجائب میں تھے غرق خیرالانام براقِ فلک سیر گرم خرام
اوٹھا اٹھ کے کیا دیکھتے ہیں نبی ﷺ کہ یک جا کھڑے ہیں علی ولی
علی کا بھی ہونا ہوا جب نبوت کیا خاتم الانبیا نے سکوت

(ورق ۲۸ اور ۳۰ ب)

(ضمیر لکھنوی: معراج نامہ (قلمی ۹۶۰) سالارِ جنگ میوزیم، حیدرآباد)

بلاقیؔ نے البتہ حضرت علیؓ کو عرش کے قریب شیر کی صورت میں بتایا ہے۔ یہ بھی اہلِ تشیع ہی کا عقیدہ ہے۔ حضرت علیؓ کو شیعہ ''شیرِ خدا'' یا ''اسد اللہ'' بھی کہتے ہیں۔ بلاقیؔ حضرت علیؓ کے متعلق یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:

ندا یوں ہوا اے محمد ﷺ تمہیں کہ اس باگ کوں تو پچھانیا نہیں

(باگ: شیر)

اتھا باگ دیکھیا توں دنیا بھتر سو وو باگ حاضر ہیاس ٹھار پر

(بھتر: اندر)

تری باٹ پکڑیا تھا دنیا منیں وہ منگتا تھا حاجت سو تیرے کنے

(باٹ: راستہ)

علی کوں رکھیا میں سو وو باگ کر کہ قوت دیوے تجہ کوں دنیا بھتر

پچھانے کاہت میں ہے انگشتری سو وو باگ پنجہ جو ہے حیدری

(پچھانے: پہچان کے لیے) (ورق ۱۸ الف)

تمام معراج ناموں میں اس طرح کی روایات کی تکرار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شعرا نے عوام الناس میں رواج پائی ہوئی ان ضعیف و من گھڑت روایات کو بلاتحقیق اپنی تخلیقات میں شامل کرلیا ہے، جس کی وجہ سے ''معراج نامہ'' کی تقدیسی شاعری عقیدت کے غلو میں حقیقت سے دُور ہوتی چلی گئی اور اساطیر کے دھند لکے میں واقعاتِ مقدسہ کا سراج منیر مدہم اور ٹمٹماتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ درآں حالے کہ معراج ایسی ٹھوس سچائی ہے کہ اسے ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

بلاقیؔ کی اس مثنوی میں دیگر معراج ناموں کی طرح جزوی سرخیاں لگائی گئی ہیں اور متعلقہ تمام واقعات اس کے اندر بیان کر دیے گئے ہیں۔ بلاقیؔ کا معراج نامہ درج ذیل سرخیوں میں بٹا ہوا ہے... ''حمد و نعت... صفتِ براق و روانگی... اوّل آسماں... دوم آسماں... سوم آسماں... چہارم آسماں... پنجم آسماں... ششم آسماں... ہفتم آسماں... دوزخ... بہشت... قدرت باری تعالیٰ... مقام جبریل... عرشِ باری تعالیٰ... سزائے یہودی کہ معراج را دروغ ﷺ نمودہ بود... خاتمہ...

بلاقیؔ پانچویں آسمان کے حالات بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ کو فلک ششم کی سمت محو پرواز بتاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد جبرئیلؑ آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جاتے ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوتی ہے۔ دوزخ، جنت کے مشاہدے کے بعد آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں جبرئیلؑ کی حد ختم ہوجاتی ہے۔ اس لیے اب آپ ﷺ اکیلے عرشِ معلیٰ کی طرف رفرف کی سواری پر سفر کرتے ہیں۔ عرشِ معلیٰ پر پہنچنے کے بعد عبد و معبود میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ نماز کے تحفہ سے آپ کو سرفراز کیا جاتا ہے۔ شعرائے کرام نے اپنے خلاق تخیل سے عرشِ معلیٰ کی گفتگو کو بھی قلم بند کیا ہے، مثلاً بلاقیؔ کہتے ہیں:

محمد ﷺ نے بولے اے پروردگار کہ امت کو پاتا ہوں میں گنہ گار

کہ اب نے کہا اے نبی الختم کیتا کھاوے گا توں سو امت کا غم
(کیتا: کتنا)

وو فرزند آدم سو امت تری وہ بندہ مرا کھائے نعمت مری
تیرے سونچہ مجکوں بھوت فکر ہے گنہ گار بندے مجے شرم ہے
گنہ ہوا گر نو زمیں آسماں جو تل میں اونوں میں بخشوں عیاں
امت تیری ہوکر گنہ یوں کرے مجے شرم لگتی وہ بندے مرے
نہ کر فکر کچہ تو اے میرے نبی امت کہ گنہ میں تو بخشا سبھی
(ورق ۱۸ الف)

مختار نے عرشِ معلیٰ کے واقعہ کے یوں قلم بند کیا ہے:

ندا آئیا تب یو فی الفور میں نہ نعلین کاڑو محمد ﷺ تمھیں
(کاڑو: نکالو)

اتا آؤ میرے حبیب اے حبیب رہو ہو کر مجہ نور سوں عنقریب
(اتا: اِدھر، ابھی)

محبت کا سہرا بندائے ہیں تب میانی کا پردہ اچائے ہیں تب
(میانی: درمیان) (ورق ۵۷ الف)

کمالؔ کے ''معراج نامہ'' میں راوی خود حضور ﷺ ہیں۔ اس لیے ہر جگہ متکلم واحد کا صیغہ ''میں'' کا استعمال ہوا ہے۔ عرشِ معلیٰ پر عبد و معبود کی گفتگو اس طرح قلم بند کی گئی ہے:

پس سنا میں یہ ندائے جاں فزا جس کا یہ مضمون تھا اور مدا
جو تیرا پروردگار ذوالکرم تجہ پہ کہتا ہے سلامِ محترم
سن کے یہ آوام ہو کر سرفراز میں کہا یہ عرض ازروئے نیاز
ہو السلام الیہ یعود السلام تبارکت ربی ذوالجلال والاکرام
پس ہوا مجہ کو خطاب ذوالجلال یانبی اللہ قل ہذا القال

لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ

بعد اس قول جلیل القدر کو میں زباں پہ اپنے لایا ہو بہ ہو
پس کہا دیکھا ترے رب کا عذاب میں کہا اے داورِ عالی جناب

D:NaatRang-16
File: Yahya-1
Final

اب تیرے رحمت سے کرتا ہوں طلب اپنے اور اُمت سے تخفیفِ تعب
پس کہا حق یا حبیبی یارسول میں کیا سب خلق سے تجہ کو قبول
(ورق ٦ الف)

(کمال الدین کمالؔ: معراج نامہ، قلمی ۹۶۴/۳۲، سالارِ جنگ)

آخرش جنت، دوزخ کی سیر کرکے آپ ﷺ زمین پر واپس تشریف لاتے ہیں۔ احوالِ بہشت و نار کے بیان میں تمام معراج ناموں میں احادیثِ نبویہ سے مطابقت پائی جاتی ہے یا ان کا لفظی ترجمہ۔ حالاں کہ یہاں بھی شعرا نے اپنے خلاق تخئیل سے کام لیا ہے اور نادر تراکیب استعمال کرکے جنت کے بیان میں حسن آفرینی اور جہنم کے بیان میں وحشت و ہیبت ناکی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلاقیؔ دوزخ کی منظرکشی اس طرح کرتے ہیں:

نبی ﷺ نے جو دیکھے سو ڈاویں طرف کہ جلتا تھا دوزخ سو باویں طرف
(ڈاویں، باویں: بائیں)

بھرے سانپ بچھواں ووا جگر تمام گنہ گار روتے رہیں صبح و شام
(ورق ۱۳ الف)

حاتمؔ کے جہنم میں جلنے لیکن سخاوت کی جوہ سے تخفیفِ عذاب کا بیان سبھی معراج ناموں میں ملتا ہے۔ ان معراج ناموں میں جنت کے حالات بڑے موٴثر اور دل کش انداز میں بیان ہوئے ہیں، مثلاً ضمیر لکھنوی جنت کی منظرکشی اس طرح کرتے ہیں:

نظر آئی دیوارِ باغِ بہشت طلا اور نقوی اک ایک خشت
عجائب صفائی عمارت تمام جہاں چشمِ خورشید جھپکے مدام
عریض اور طویل ایک موتی کا در خدا کا بنایا ہوا ہے وہ گھر
زمیں زرد مخمل سے با آب و تام ہزاروں پڑے نافۂ مشک ناب
نظر ائیں پہلے دو نہریں رواں صفائی میں جوں طبع روشن دلاں
کناروں پہ اونکے جواہر کے کام وہ فیروز فام اور وہ یاقوت فام
(ورق ۴۱ ب)

قربیؔ نے جنت کے حوروں کی تصویرکشی بڑی خوب صورتی سے کی ہے:

وہ ڈیریاں میں حوراں تھے جوں آفتاب جھلکتا اتھا اوں ستی سورتاب
(اوں ستی: ان سے

وہ آواز دل کش سوں گاتے اتھے بھی ہر یک یکس کوں سراتے اتھے
(سراتے: سرھاتے)

وہ نغماتِ دل کش سوں آتا صدا محل اور جھاڑیاں ستی خوش صدا
لیا تھا او رخسار سوں ماہتاب اتھا روشنی میں خجل آفتاب
اتھے بے نہایت سیاہ ان کے بال دیا جائے نا اون کو شب کا مثال

(بحوالہ: سخاوت مرزا: معراج نامہ، قربی، اردو کراچی، ۱۹۵۴ء)

نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالات جو پاکستان میں لکھے گئے ہیں وہ میری نظروں سے نہیں گزرے، اس لیے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ قربی کے معراج نامے کا ان میں ذکر ہوا بھی یا نہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی مبسوط کتاب ''تاریخِ ادب اردو'' جلد اوّل میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ محترم پروفیسر رفیع الدین اشفاق کے تحقیقی مقالے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' (۱۹۵۵ء) جو غالباً نعتیہ شاعری پر پہلا تحقیقی مقالہ ہے، میں بھی قربی کا ذکر نہیں۔ ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری کے مقالے کا دکنی حصہ تو رفیع الدین صاحب کے مقالے کا چربہ ہی ہے۔ اس میں بھی قربی کا کہیں ذکر نہیں۔ البتہ حضرت طلحہ رضوی برق کی کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں قربی کے معراج نامہ کا ذکر ہوا ہے۔ برق صاحب نے قربی کے معراج نامے کے دو اشعار ہی پیش کیے ہیں ساتھ ہی انھوں نے نو معراج ناموں کی بھی نشان دہی کی ہے، جن کا تاحال شاید کسی بھی تحقیقی مقالے میں احاطہ نہیں ہوسکا۔ معراج ناموں پر کام کرنے والوں کے لیے طلحہ رضوی برق کی یہ مختصر سی کتاب نہایت کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ راقم نے اپنے تحقیقی مقالے ''اردو شاعری میں مذہبی رجحانات'' (۱۹۸۵ء) میں اٹھارہ معراج ناموں کا تذکرہ کیا تھا۔ اس مضمون میں برسبیلِ تذکرہ ان میں سے چند کے حوالے دیے گئے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے آئندہ شماروں میں ان شاء اللہ ہر ایک پر تفصیلی مضمون لکھا جائے گا۔

بالآخر حضرت محمد ﷺ معراج سے تشریف لاتے ہیں تو آپ ﷺ کے اس اعلان پر چہ میگویاں شروع ہوجاتی ہیں۔ صدیق اکبرؓ آپ ﷺ کی ایک ایک بات کو صدق دل سے مان لیتے ہیں، لیکن دشمنانِ اسلام کو آپ ﷺ کی استہزا اور ٹھٹھا اُڑانے کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔ چناں چہ مشرکینِ مکہ ابوجہل، ابولہب اور دیگر سردارانِ قریش معراج نبوی کا نہ صرف یہ کہ انکار کرتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کو نعوذ باللہ کاذب، مجنوں وغیرہ کہنے لگتے ہیں۔ سفر کی نشانیاں اور دلیلیں مانگتے ہیں۔ صحیحین میں

آپ ﷺ کا دلیلیں دینا اور سفر کی نشانیاں بتانا ثابت ہے۔ لیکن بعض غیر مصدقہ روایات بھی اس ضمن میں معراج ناموں میں در آئی ہیں۔ ان کا احادیثِ نبویہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ایسی روایات ہیں جنھیں سن کر راسخ العقیدہ مسلمان کا ایمان متزلزل ہوسکتا ہے۔ منکرِ معراج کی ایک ایسی ہی روایت مجھے اکثر ناموں میں ملی ہے۔ اس روایت کو سب سے پہلے بلاقؔی نے اپنے معراج نامے میں بیان کیا ہے۔ چناں چہ واقعہ اس طرح نظم کیا گیا ہے کہ:

جتی خلق سن کر امنا کہی　　　سچی بات ہے گر گواہی دیئی
یہودی مگر اس میں بیٹھا اتھا　　　اپس کے غروری میں اینٹھا اتھا
یہ سمجھیا انے یو سانچہ کر　　　چلہا تھا وہاں سو کفر دل میں دھر
سو یو بات جھوٹی اپس دل میں جان　　　برس پانچ سو راہ ہے آسمان

(۱۹۔الف)

آخر دل میں کفر لے کر وہ یہودی جب گھر گیا تو کھانا پکانے کے لیے بیوی کو مچھلی لا کر دی اور خود دریا میں نہانے چلا گیا۔ جیسے ہی اس نے پانی میں غوطہ لگایا، مرد سے عورت میں تبدیل ہوگیا۔ ایک دوسرے مرد نے جب اسے دریا کنارے اکیلا دیکھا تو اپنے گھر لے گیا۔ اور بارہ برس تک ان کے درمیان زن وشو کا رشتہ رہا جس سے اس عورت کو سات لڑکے ہوئے۔ ایک بار وہ عورت نہانے کے لیے دریا پر آئی اور پانی میں جیسے ہی غوطہ لگایا اپنی اصلی حالت پر آگئی۔ یعنی مرد بن گئی۔ دریا سے گھر لوٹتا ہے تو وہ یہودی کیا دیکھتا ہے کہ عورت مچھلی دھو رہی ہے اور شوہر کا انتظار کر رہی ہے۔ یہودی نے جب یہ ماجرا دیکھا تو تائب ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر اسلام قبول کرلیا۔ اس واقعہ کو بلاقؔی نے شعری محاسن کے ساتھ اس انداز میں بیان کیا ہے کہ عشق و عاشق کے قصوں کا سا لطف آجاتا ہے۔ اس واقعہ کو ضمیؔر لکھنوی نے بھی پیش کیا ہے اور میلاد خوانی میں اکثر اسے قصے کو پڑھا جاتا ہے۔

واقعۂ معراج نبی پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا نہایت اہم واقعہ ہے اور اسلامی تاریخ میں اس کی حیثیت مسلم ہے۔ اس واقعہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے عقلی و نظری دلائل کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر بھی قدیم شعرا نے اپنی فراست وعقیدت سے ایسی من گھڑت روایتیں نقل کر ڈالی ہیں جن کا بہ ایمان وعقیدے سے کوئی تعلق ہے نہ اسلامی تاریخ سے کوئی واسطہ بلکہ ایسی روایتوں سے تو معترضین کو اعتراض کا موقع مل جاتا ہے۔ میں قارئینِ ''نعت رنگ'' کا اور علمائے کرام

دینِ مبین کے سامنے عجز و انکسار کے ساتھ یہ بات رکھ رہا ہوں کہ ٹھیک اسی طرح کی روایت برادرانِ وطنِ ہند کے یہاں کرشن جی کو برہم چاری (مجرد) نہ ماننے والے کے متعلق بھی صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ کرشن جی کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی ۱۶ر ہزار گوپیاں (معشوقائیں) تھیں۔ ان کے درمیان رہ کر بھی کرشن جی مجرد رہے یہ اُس قوم کا عقیدہ ہے۔ لیکن کرشن جی کے تجرد کو ایک آدمی نہیں مانتا تھا۔ چناں چہ ایک دن اپنی بیوی کو کھانا پکانے کا کہہ کر وہ جمنا میں نہانے کے لیے چلا گیا۔ پانی میں جیسے ہی غوطہ لگایا تو وہ مرد سے عورت میں تبدیل ہوگیا۔ کنارے پر ایک سادھو ریاضت کر رہا تھا اس نے جب جمنا کنارے اکیلی عورت کو دیکھا تو اپنی کٹیا میں لے آیا۔ سادھو سے اس عورت کو ۱۰۱ بچے ہوئے۔ ایک دن وہ عورت دریا پر نہانے گئی تو اپنی اصل حالت میں آگئی۔ وہ شخص جب گھر گیا تو عورت کو انتظار کرتا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر وہ مذکر کرشن جی کی مجردانہ زندگی کا قائل ہوگیا اور توبہ کرلی۔ بتایئے اب ان دونوں واقعات میں مقدم و مؤخر کے علاوہ وہ بھی کچھ فرق ہے؟ میں نے اردو شاعری میں شمائل النبی (''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۹) میں ''باز و فاختہ'' کی ایک ایسی ہی روایت کو پیش کیا تھا جو مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں چلی آرہی ہے۔

معراج کے واقعہ سے اس روایت کو اس لیے بھی جوڑا نہیں جاسکتا کہ اس میں کعبۃ اللہ میں بیٹھ کر واقعۂ معراج سنانے کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ سن کر یہودی دریا پر نہانے کے لیے جاتا ہے جب کہ مکہ کے قرب و جوار میں کوئی دریا ہے ہی نہیں۔ اس واقعہ کی شعری تاثیر کے پیش نظر دیاشنکر نسیم نے اپنی شرۂ آفاق مثنوی ''گلزارِ نسیم'' میں اس روایت کو تاج الملوک سے جوڑ دیا ہے جو اس مثنوی کا خیالی کردار ہے۔ تاج الملوک صحرائے نسیم میں گھومتے گھومتے ایک حوض میں غوطہ زن ہوتا ہے اور عورت بن جاتا ہے۔ برے دن اس پر پھر لوٹ آتے ہیں۔ تاج الملوک کے عورت بن جانے کے واقعہ کو نسیم نے یوں نظم کیا ہے:

جب جن کے نہانے کا دن آیا　　　غوطہ کسی حوض میں لگایا
بارے جو پڑی گھر اس کی بے قید　　　امید سے رہ گئی وہ نومید
باہم زن و مرد نے کیا میل　　　دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
آگے سے جوان ایک خوش قد　　　آتا تھا، دنوں کی جیسے آمد
نامردی سے اپنی نعرہ زن ہو　　　بے چاری چلی کسی طرف کو

D:NaatRang-16
File: Yahya-1
Final

ابھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
مردی نے جو پھر وجود پایا پستانوں کو بے نمود پایا
ترکش پہ نگاہ کی، تو تھا تیر قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر

(دیاشنکرنسیم (مرتبہ رشید حسن خاں)، مثنوی گلزارِنسیم، دہلی ۹۲ء، ص۵۲)

یہ ایک ہی روایت تین طرح سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ کرشن کے تعلق سے یہ روایت سنسکرت اور دیگر دوسری جدید ہندوستانی زبانوں کے مذہبی ادب میں پائی جاتی ہے۔ مراٹھی زبان کے مشہور مسلم صوفی شاعر شیخ محمد (م ۱۶۵۰ھ) نے ''یوگ سنگرام'' میں کرشن کے متعلق اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے۔ بہرحال! غیرمصدقہ اور من گھڑت روایتوں کو آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے جوڑنے کا عمل نہایت غیرمسعود اور کریہہ ہے۔ اللہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے کہ ان روایتوں سے ایمان میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوتا البتہ اسلام جیسا فطری دین غیرفطری اور روایتی دکھائی دینے لگتا ہے۔

واقعۂ معراج پر بلاقؔی کا یہ معراج نامہ اوّلین تخلیق ہے۔ بلاقؔی نے اس فارسی معراج ناموں کی روشنی میں لکھا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ کسی فارسی معراج نامہ کا ترجمہ ہو اور بلاقؔی نے بعض ضعیف اور مقامی روایات اس میں شامل کرلی ہوں۔ شاہ کمالؔ نے اپنے معراج نامے میں بلاقؔی کی اس کم زوری کو واضح کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

نامۂ معراج در ہندی زباں جو بلاقؔی نے کیا تالیف آں
تھے روایت اوس میں شاید مختلط ہم صحیح و ہم ضعیف و ہم غلط
لاجرم و طبع موزونِ بلند نامۂ مذکور نئیں آیا پسند

(ورق ۲ ب)

بہرکیف! بلاقؔی کے معراج نامے کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر ایک عمدہ نسخہ ایڈٹ کیا جائے تو نعتیہ شاعری میں ایک اہم اضافہ ہوگا اور معراج ناموں کی روایت کی پہلی کڑی ہمارے ہاتھ میں رہے گی۔ وما توفیقی الا باللہ

پروفیسر محمد فیروز شاہ۔ میانوالی

اصنافِ سخن کا تنوع اور نعت

اصنافِ سخن جہانِ سخن کے وہ منور گوشے ہیں جہاں روشنی کی مختلف النوع کہکشائیں جگمگاتی ہیں۔ ہر گوشۂ نور کا اپنا سرور ہے۔ زندگی جس کے وجود سے تابندگی پاتی ہے۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ کائناتِ سخن بلکہ یہ ساری کائنات دراصل حضور اکرم ﷺ کی نعت ہے۔ جسے خود احسن الخالقین نے تخلیق فرما کر اس میں ''ورفعنا لک ذکرک'' کا جاوداں علم لہرا دیا ہے۔ ازل اور ابد کی بے کراں وسعتوں پر محیط رنگِ نعت خوبرو آواز کا راز، سربلند لمحے کا آغاز، کامرانی کا ہمراز، دلِ حزیں کا دمساز اور قبولیت کا اعزاز بن کر زیست کو منزل نصیب بناتا ہے۔ دانائے راز نے بھی درحقیقت اسی صداقت کو زبان دی تھی۔ جب کہا تھا:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرمے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہوں
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

ہماری یہ دنیا اور اس کی تمام رعنائیاں محبوب ﷺ خدا و کائنات کی تشریف آوری کا صدقہ بھی ہیں اور آپ ﷺ کی عظمتوں بھری نعتیں بھی...!

چمن میں سب سے شگفتہ جو پھول ہوتا ہے
سنا ہے صدقۂ پائے کائنات رسول ﷺ ہوتا ہے
(عدم)

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

سو میں یہ سمجھتا ہوں تخلیقِ کائنات کی ساعت تخلیق نعت کی بشارت سے مزین تھی جس کی خوش بو اور روشنی تا ابد معطر و منور گھڑیوں کی ضامن رہے گی۔ اس لیے کائنات کی ہر شے کی طرح تخلیقی ادب کا ہر شہ پارہ نعتیہ ادب کا صدقہ جاریہ ہے۔

بیہودہ اور ناروا تحریروں کو میں ادب نہیں بے ادبی سمجھتا ہوں اور ادب کا بے ادبی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

''لسان العرب'' میں ادب کے لغوی معنی دعوت/ بلانا کے ہیں۔ سو وہ لٹریچر جس سے ادیب متادب ہوتا ہے اس کو ادب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اچھائیوں کی طرف بلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ ''المحیط'' میں ''الادب'' کے معنے لطافتِ طبع اور خوش اطواری کے ہیں۔ ان دنوں حوالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ ادب کا تعلق بے ادب، کثیف اور بے ہودہ تحریروں سے ہرگز نہیں بلکہ ادبی تخلیقات کے زمرے میں صرف وہی تحریریں آسکتی ہیں۔ جو لطافت، صداقت اور راست فکر استقامت سے عبارت ہوں گی۔ اور ایسی تحریریں چاہے ان کا تعلق کسی بھی صنفِ سخن سے ہو، ایک تقدیس بھری مہک سے معمور ہوں گی۔ وہی عالم آرا مہکار جس کا نکھار حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت کعبؓ بن زبیر کے عقیدت مند لفظوں کا وقار بنتا ہے۔ کیوں کہ نعت درِ حبیب ﷺ پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے!

یہی عمل خیر اہلِ شعر کے لیے باعث فلاح و نجات بھی ثابت ہوا کہ جب ''سورۃ الشعرا'' کی آیات عظیمہ میں شاعروں کو قول و فعل میں تضاد رکھنے والا اور ان کی پیروی کرنے والوں کو گم راہ قرار دیا گیا تو حضرت کعبؓ بن مالک روتے ہوئے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''یارسول ﷺ اللہ! ہم تو مارے گئے۔ ہماری نجات کی کوئی سبیل نہیں۔''

تب سورہ مبارکہ کی تکمیلی آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا:

بجز ان (شعرا) کے جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور وہ کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

اس طرح جملہ اصنافِ سخن میں سے نعت ہی تھی جس نے وابستگانِ سخن کو تباہی سے بچا لیا۔ ڈاکٹر سیّد ابو الخیر کشفی نے شاید اسی لیے نعت گوئی کو لفظوں کے ذریعے جہاد قرار دے دیا...!

نعت...عربی کے بعد فارسی اور پھر اردو میں آئی ہے شعرائے کرام دکنی دور سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے فرماں روا ربیع الاوّل کی تقریبات بڑے اہتمام سے

منعقد کرتے تھے۔ دلّی مرکز اردو بنا تو نعت کے اسالیب میں نکھار پیدا ہوا۔ میر تقی نے کہا:

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسنِ قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعتِ رسول ﷺ کا

تب سے اب تک اور ابد تک دیوانِ شاعر نعتِ محبوب ﷺ کے سدا بہار پھول کی مہک سے سرشار ہے اور رہے گا۔

ایک عالم گیر سچائی یہ بھی ہے کہ نعت گوئی صرف شاعری تک ہی محدود نہیں بلکہ نثر میں بھی اس کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ شبلی کی تحریر ''ظہور قدسی'' اور خواجہ حسن نظامی کی نثری تخلیقات کے علاوہ بے شمار ایسے دل نواز نثر پاروں موجود ہیں جو ماہ طیبہ کی چاندنی سے دمکتے ہیں۔ فروغِ نعت کی سعی مشکور میں راجا رشید محمود نے ماہنامہ ''نعت'' اور صبیح رحمانی نے ''نعت رنگ'' کے ذریعے باقاعدہ جرائد کا آغاز کر کے غلامان مصطفےٰ ﷺ کے لیے وہ چراغ روشن کیے ہیں جن سے بے شمار نئے چراغ جل رہے ہیں۔ ''شام و سحر'' اور ''اَوج'' کے نعت نمبر بھی اس خوش مقدر ہراول دستے میں نمایاں ہیں۔

ان ابتدائی مگر بے حد ضروری معروضات کے بعد اب ہم تحریر کے موضوع ''اصنافِ سخن کا تنوع اور نعت'' کی طرف براہِ راست آتے ہیں۔

اردو شاعری پر جب ہم غائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ صداقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہر صنفِ سخن چاہے وہ موضوعاتی ہو یا ہئیتی۔ نعت سرور ﷺ کائنات کی ضیا باریوں سے مالامال ہے... گویا ہر صنفِ سخن کی حیات آقائے ﷺ کائنات کے عشق سے ثبات حاصل کرتی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔

حمد

حمد متبرک و مقدس صنفِ سخن ہے جو خالق زمان و مکاں کی بے مثال عظمتوں کو سلام پیش کرتی ہے۔ جس میں بندہ اپنے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ بھرے لفظوں کے نذرانے پیش کرتا ہے۔ اس صنفِ سخن میں ربّ رحیم کی عظیم رحمتوں کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں ہوسکتا لیکن دیکھئے کہ اہل فکر و عقیدت نے کس خوش اسلوبی سے محبوب رب کریم کا تذکرہ کیا ہے کہ حمد کے تقاضے بھی پورے ہوئے اور دل کی عقیدت بھری بات بھی عطر بیز ہوگئی۔

تیرا، ترے فرشتوں کا ہو کر میں ہم نوا
بھیجوں درود صبح و مسا ربِّ ذوالجلال

نعت محبوب ﷺ سنت الٰہی بھی ہے اور فرشتوں کا وردِشام وسحر بھی درود سلام کی محفلیں عرش کی زینت بنتی ہیں تو زمانہ ایک پر کیف وجدان سے مسرور ہو اٹھتا ہے۔ یہ وہ آرزو ہے جس کی خوش بو سے ابدی زندگی نمو پاتی ہے وہ عشق رسول ﷺ کی یہی اعلیٰ ترین جہت ہے جو راہوں کو منزلوں سے ملا دینے کی سعادت سے بہرہ ور ہے۔ اسی کے تیقن بھری تمنا کا اظہار مظفر وارثی نے یوں کیا:

تجھ پر بھی ہم فدا ہوں، تیرے نبی ﷺ کو چاہیں
قرآن ہماری منزل سنّت ہماری راہیں

لاریب یہی وہ راہیں ہیں جہاں راتیں دنوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔خزاؤں کو بہاروں سے مات کھانا پڑتی ہے اور صدیوں کے پیاسوں کو آبِ حیات کے چشموں کا سراغ مل جاتا ہے۔ سراغ بھی ایک چراغ ہوتا ہے جو آنکھوں میں نور اور دلوں میں وہ سرور بھر دیتا ہے کہ بصارتیں بصیرتوں کی بشارتوں سے چمک اٹھتی ہیں۔ہاں مگر یہ سب خوش بختیاں صرف اسی در سے ملتی ہیں دعاؤں کے سب پرندے جس طرف اڑتے ہیں۔

مرے کریم! مری یہ دعا بھی ہو مقبول
رسول پاک کے در کی مجھے گدائی دے
(انجم نقوی)

آفات زماں کی ہر الجھن ہو دور اسی کی برکت سے
تاعمر شہنشاہِ ﷺ دیں کا انور ہو ثناخواں یا اللہ
(انور صابری)

یوں قلب کو آئینہ بنا دے روشن ہو جمالِ مصطفیٰ سے
دل محوِ جمالِ کبریا ﷺ ہو لب پہ مرے ورد نعت کا ہو
آنکھوں کو عطا ہو درفشانی حافظ رہے محوِ نعت خوانی
(حافظ لدھیانوی)

آفاتِ زمان و مکاں کا دفعیہّ عمر بھر کا قضیہ ہے مگر اہل صدق و صفا جانتے اور مانتے

ہیں کہ آقائے تابعدار، کون مکاں کے تاجدار حضور مکرم ﷺ کا اسم پاک وردِ زباں اور آپ ﷺ کا عشق وظیفہ قلب و جان رہے تو الجھن سلجھتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ اور کامرانیوں اور شادمانیوں کی سویر طلوع ہو کر رہتی ہے شب سیاہ میں سہانی فجر کا یہ پرنور اجر صرف آئینہ صفت لوگوں ہی کو عطا ہوتا ہے جن کے لبوں پر نعت اور دلوں میں جمال کبریا ﷺ سے وابستگی کی صفات ہوں ایسے بے شمار اشعار کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر موضوع کا تنوع اور وقت کا فقدان متقاضی ہیں کہ ہر صنفِ سخن میں سے چند مثالوں پر اکتفا کیا جائے۔ سو اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔ اور بڑھتے ہی چلے جائیں گے کہ بقول ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی:

''حضور ﷺ کے ذکر کے لیے کوئی صنف اجنبی نہیں''

قصیدہ

ایک زمانہ تھا کہ دورِ قصیدہ گوئی کہلانے کا بجا طور پر سزاوار تھا۔ بہت عرصہ تک قصیدہ کا ڈنکا بجتا رہا۔ شاہوں، نوابوں، رئیسوں اور بڑے لوگوں کے قصیدے سرِ دربار پڑھے جاتے اور باعثِ اعزاز وانعام و اکرام قرار پاتے رہے۔ اب بھی اگرچہ نظم وغزل کا دور ہے تا ہم قصیدہ کا وجود اپنی نمود سے باخبر نہیں ہے۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عہدِ قصیدہ گوئی میں بھی شعرائے کرام نے آقائے ﷺ کائنات کے حضور عقیدتیں پیش کرتے ہوئے قلم کی جولائیاں دکھائی ہیں۔ محسن کاکوروی کا ''چراغِ کعبہ'' اس ضمن میں نہایت عمدہ مثال ہے۔ امیر مینائی کا رنگِ سخن بھی دیکھیے۔

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو جمال پاک
سنبل فدا ہے زلف پہ رخ پر نثار پھول
اللہ کی دین یہ ہے کہ باتیں ہیں معجزہ
ہوتے ہیں ایک غنچے سے پیدا ہزار پھول
وہ چہرہ وہ دہن کہ فدا جس پہ کیجیے
ستر (۷۰) ہزار غنچے، بہتر (۷۲) بہتر ہزار پھول

غنچے اور پھول آقا ﷺ کے قدوم میمنت لزول کی دھول ہیں۔ خاکِ مدینہ کے ہر ذرّہ میں بہاروں کا عطر ہے۔ یہ وہ ارض پاک ہے کہ جو حضور ﷺ کے نعلین پاک چوم کر اس قدر بلند مرتبت ہوگئی ہے کہ جنید و بایزید جیسی عظیم شخصیتوں کے سانس گم ہونے لگے اور عاشق صادق نے

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

وہاں قدم رکھ کے چلنے کو بھی توہینِ آدابِ عشق قرار دیا۔ عشق و صدق کے انھی عظیم جذبوں میں کھلتے گلابوں کو لفظوں کے روپ میں یزدانی جالندھری کے ہاں بھی دیکھیے:

ہے آہنگِ حدیث سرور کونین یزدانی اگرچہ میں نہ عرفی ہوں نہ خاقانی نہ قاآنی
کہاں میں اور کہاں وہ ذاتِ بے ہمتا و لاثانی فصاحت کعبؓ کی حاصل نہ لہجہ میرا حسانیؓ
نہ ہے کچھ ادّعائے فن نہ دعوئ سخن دانی بس اک طبعِ رسا ہے وہ بھی ان کی لطف ارزانی
تعالیٰ اللہ خورشید ہدایت کی درخشانی تعالیٰ اللہ انوارِ صداقت کی فراوانی
وہ جو بدرالدجیٰ بھی ہے وہ جو شمس الضحیٰ بھی ہے فروغ عالم امکاں ہے جس کا خطِ پیشانی
وہ جس کی تابش رخ سے ہوئی صبح ازل روشن وہ جس کے نور سے شام ادب کی ہے درخشانی
خدا کے بعد اس کی ذات سب سے افضل و برتر دو عالم میں نہیں اس کا مثیل و ہمسر و ثانی
سلامی کے لیے اے خامۂ مدحت رقم خم ہو کہ آتے ہیں حبیبِ ﷺ کبریا، محبوب صمدانی

مثنوی

دکن کی ادبی فضا میں اردو کو مثنوی سے آراستہ کیا گیا۔ اور یوں مثنوی اس نوزائیدہ زبان میں اوّلیت کی اہمیت سے آشنا ہوئی۔ اس صنفِ سخن میں عشق و محبت کے جذبات، تاریخی واقعات، مدح و ذم جیسے ہر قسم کے مضامین کو بیان کیا گیا۔ اشعار زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہونے کی بنا پر دل کشی کی صفت سے معمور ہوتے ہیں۔ مثنوی میں رنگِ سودا دیکھیے جو عشقِ نبی ﷺ سے معطر ہے۔

محمد ﷺ باعثِ ایجاد افلاک محمد ﷺ علتِ غائیِ اَملاک
محمد ﷺ کنت کنزاً کی گواہی محمد ﷺ عالمِ علمِ الٰہی
محمد ﷺ ہے مشیرِ عالم غیب محمد ﷺ رازدار حق ہے لاریب
محمد ﷺ جگ میں سالارِ رسل ہے محمد ﷺ ماہرِ ہر جزوِ کل ہے
کہوں کیا خلقت انسان میں کیا ہے شرف آدم کو فخرِ انبیا ہے

ابنِ آدم اور آدمیت کا افتخار تو حضور اکرم ﷺ سے والہانہ وابستگی کا ثمرِ شیریں ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو بشر کو عظمت بشر سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہی وہ نسبت ہے جو خود سے منسوب ہر شے کو کائنات کا محبوب بنا دیتی ہے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ نسبتیں بڑی لج پال ہوتی ہیں خود

سے وابستہ لمحوں اور منظروں اور لوگوں کو مرنے نہیں دیتیں، امر کر دیتی ہیں۔ محبوب ﷺ سے منسوب ہو کر اس جہانِ فانی کے مکیں آئندہ زمانوں کی جبیں پر نقش دوام کی طرح چمک اٹھے۔ یہ چمک دمک اس لازوال آب و تاب والے جذبۂ عشق کی ہے جو پر خطا انسان کو عشق کی کٹھالی میں ڈھال کر کندن بنا دیتا ہے۔ یہی وہ ربط ہے جس میں مربوط قلبی رابطے عشقِ صادق کے ضابطے میں ڈھل کر اس عظیم واسطے سے منسلک ہوجاتے ہیں۔ جس کے توسط سے خاک نشینوں کو سرمدی خزینوں کے سراغ نصیب ہوتے ہیں اور ان کا نصیب کھل جاتا ہے۔ دیکھیے تو کیسے کیسے خوش بخت ہیں کہ جو سچے حرفوں کی تبریک سے دامن بھرے کہہ رہے ہیں۔

بہترین ذکر و اطاعت اے پسر ہے نبی ﷺ کا ذکر ہر شام وسحر
علوی و سفلی ہیں اس کے ذکر میں جزوی و کلی ہیں اس کے ذکر میں
انبیا کو ورد تھا نت اس کا یاد ذکر سے پاتے تھے اس کے سو کشاد
دیکھ کے اس کے مقاماں کو رسل کرتے تھے درخواست از خلّاق کل
کر تو ہم کو اے خدائے مہرباں امّت پیغمبرِ آخر زماں

(مولانا محمد باقر آگاہ ویلوری)

یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا کہ رنگ دوئی واں تک آیا نہ تھا
وہ قد اس لیے تھا، نہ سایہ فگن کہ تھا کُل وہ اک معجزے کا بدن
بنا اس کے سایہ لطیف اس قدر نہ آیا لطافت کے باعث نظر
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر قدم اس کے سایہ کا تھا عرش پر
نہ ہونے کی سائے کے اک وجہ اور مجھے خوب سوجھی یہ ہے شرط غور
جہاں تک کے تھے یاں کے اہلِ نظر سمجھ مایۂ نور کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اٹھا زمیں پر نہ سائے کو گرنے نہ دیا
سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا ملائک کے دل میں سمایا رہا

(مثنوی سحر البیان/ میر حسن)

جن و انسان کا وہ رہبر ہے بے شک و شبہ وہ پیمبر ہے
واسطے ان کے اور طفیل رسول یہ دعا ہے کلیم کر تو قبول

بابِ رحمت کو مجھ پہ کھُلوا فعلِ بد کی نہ دیجو مجھ کو سزا
جان اور دل سے ہوں میں ان کا غلام آگ دوزخ کی مجھ پہ کیجو حرام
(مسدس رنگین/ سعادت یار خاں رنگین دہلوی)

کیا عقلِ کل سے فلک نے سوال کہ اے مصدرِ گونہ گونہ کمال
محمد ﷺ کے سایہ نہیں، کیا سبب کہا اس نے مت پوچھ اس کا سبب
نہیں راز یہ قابل اظہار کے کہ اصرار ہیں حفظ اسرار کے
ہوا جب کہ مہرِ ہدایت ضرور کہ ہو جلوہ فرما زمیں پر وہ نور
گوارہ نہ تھا بس کہ ہو تا جدا رہا سایہ حاضر حضورِ خدا
(حکیم مومن خان مومن)

زیرِ قدم تھا جناب والا اعلیٰ سے تھا جو مقام اعلیٰ
دل کی تگ و دو حرم سے آگے سر چار قدم قدم سے آگے
چمکتا ہوا ایمنِ تجلّی پھیلا ہوا دامنِ تجلّی
نکلی ہوئی ہمتوں کی جانیں اتری ہوئی چلّے سے کمانیں
تاثیر دعا کے در سے محروم کوشش شرفِ اثر سے محروم
انساں کی واں تھی کب رسائی آنکھوں میں کشش بٹھا کے لائی
وہ مردم چشم دین و ایماں کحل البصر وجوب و امکاں
پہنچا وہ وہاں، جہاں نہ پہنچے جبریل کے عقل کے فرشتے
نزدیک خدا حضور ﷺ پہنچے اللہ اللہ دور پہنچے
(محسن کاکوروی)

تم اگر چشم لطف وا کر دو مس کو چاہو تو کیمیا کر دو
حق نے بخشی ہے تم کو وہ تاثیر خاک چھو جائے تم سے ہو اکسیر
آہنِ تیرہ وہ جلا جائے آفتاب اس کے سامنے شرمائے
(مولوی نذیر احمد دہلوی)

پیغمبر و سرور حجازی پہلا اللہ کا وہ غازی
حق کی توحید کا مبلغ محوِ طاعت بہ قلب فارغ

سر کش عربوں کا سر جھکایا　　حیوانوں کو آدمی بنایا
قائم کیا رشتۂ مواخات　　برتاؤ میں شیوۂ مساوات
مصلح سرمایہ داریوں کا　　حامی محنت شعاریوں کا
وہ ماہِ تمام چاہِ نخشب　　جس کا غارِ حرا تھا مکتب
(صفی لکھنوی)

ہوچکے جب عبد اور معبود میں راز و نیاز　　ہوگئی انسانیت روحانیت سے سرفراز
لوٹ آئے جانب دنیا رسولﷺ کائنات　　پیکر مردہ جیسے عود کر آئے حیات
محفلِ انساں میں پھر انسانِ کامل آگیا　　قالب کونین میں کونین کا دل آگیا
عرشِ عالی ظرف انساں کے نہ قابل نہ ہوسکا　　آسماں بارِ نبوت کا نہ حامل ہو سکا
جلوۂ احمدﷺ سے دنیا ضوفشاں کر دی گئی　　یہ امانت پھر سپردِ خاک داں کر دی گئی
(سیماب اکبرآبادی)

وجاہت اتنی کہ شوقِ دیدار کو مجال نمو نہیں ہے
لیاقت ایسی کہ کم سوادوں کو جرأت گفتگو نہیں ہے
ذہانت اتنی کہ عقل خود بیں کو تو اسیر نیاز رکھے
صداقت ایسی کہ شاعروں کو مبالغے سے بھی باز رکھے
فصاحت اتنی بیان میں جس سے خوش بیانوں پہ وجد طاری
طلاقت ایسی زباں میں جیسے تیز پانی کی لہر جاری
سرشت اتنی لطیف صدق و صفا کا گنجینہ جس کو کہیے
طبیعت ایسی شریف مہرووفا کا آئینہ جس کو کہیے
پسند اتنی بلند تعلیمِ ذوق دے چشمِ بے ہنر کو
مذاق ایسا نفیس حسنِ مذاق جس سے ملے نظر کو
(تاجور نجیب آبادی)
وہ آئے جن کے آنے کی زمانے کو ضرورت تھی
وہ آئے جن کی آمد کے لیے بے چین فطرت تھی
وہ آئے نغمہ داؤد میں جن کے ترانہ تھا
وہ آئے گریۂ یعقوب میں جن کا فسانہ تھا

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

وہ آئے جن پہ حق کے فضل کی تکمیل ہونی تھی
وہ آئے جن کے ہاتھوں کفر کی تذلیل ہونی تھی
وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہیے
وہ آئے جن کو ختم الانبیا خیر البشر کہیے
وہ آئے جن کے ہر نقشِ قدم کو رہنما کہیے
وہ آئے جن کے فرمانے کو فرمانِ خدا کہیے
(مولانا ماہرالقادری)

مرثیہ

اپنے آغاز میں مرثیہ رزمیہ نظموں کا سرنامہ بھی رہا مگر سانحہ کربلا سے مربوط ہو کر مرثیہ کی شناخت ابدی عظمت کی حامل ہوگئی۔ سیّد الشہداؓ اور خانوادۂ رسول ﷺ کی تقدیس بھری قربانیوں نے اسلام کے حقیقی احیا کا تا قیامت زندہ و تابندہ رہنے والا باب قرطاس حیات و کائنات پر اس انداز میں رقم کردیا کہ اب کوئی آندھی کوئی طوفان اس منور تحریر کی تاثیر میں سد راہ نہیں بن سکا۔ اس تاریخ ساز واقعہ کی منظوم یادیں اب مرثیہ سے معنون ہوتی ہیں۔ اور بقول ڈاکٹر ہلال نقوی:

> مرثیہ میں نعت کا حصہ اپنے موضوعاتی تسلسل، اپنی فکری جہت، اپنے تاریخی ربط اور اپنی دینی اکائی سے مربوط و متحد ہے۔

(اردو میں مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات۔ چند ابتدائی مباحث“ مطبوعہ نعت رنگ۵، فروری ۱۹۹۸ء)

تو آیئے مرثیہ میں رنگ نعت کی جھلکیاں دیکھیں...!

جز ذاتِ خدا سب پہ محمد ﷺ کے ہیں احساں
اس شاہ کے ہیں خوانِ کرم پر سبھی مہماں
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالم امکاں
تھا خلق دو عالم سے یہی مطلب یزداں
باطن میں بھی فیض اس کا ہے ظاہر بھی وہی ہے
اوّل بھی سبھوں سے وہی آخر بھی وہی ہے
(میرانیس)

آفاق بہرہ ور ہوا حضرت ﷺ کی ذات سے
آگاہ ذات نے کیا حق کی صفات سے
تصدیق حکم رب کی ہوئی بات بات سے
رفتار نے لگا دیا راہ نجات سے
سیکھے طریقے قربِ خدا کے حضور ﷺ سے
گم راہ آئے راہ پر نزدیک و دور سے

(مرزا دبیر)

طبع رسا مصور نازک خیال ہے		دل نقش بند جلوۂ حسن جمال ہے
بے مثل ہے قلم تو ورق بے مثال ہے		رنگین نگاریاں ہیں کہ سحر حلال ہے

کہتی ہے طبع شکل رسول ﷺ زماں کھنچے
خامہ یہ چاہتا ہے کہ تصویر جاں کھنچے

(میر مونس)

نوع انساں کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام
مردِ غازی کا کفن ہے، خلعت عمرِ دوام
نصب کس نے کر دیے مقتل میں حوروں کے خیام
جانتے ہو اس دبیرِ ذہن انسانی کا نام
جو انوکھی فکر تھا جو اک نیا پیغام تھا
اس حکیم نکتہ پرور کا محمد ﷺ نام تھا

(جوش ملیح آبادی کے مرثیے کے مطبوعہ ۱۹۸۰ء کراچی)

وہ محمد ﷺ بشریت پہ ہے احساں جس کا		شکر کرتا ہے اداعالم امکاں جس کا
دہر پر سایہ رحمت ہوا داماں جس کا		مذہب عقل بنا مسلکِ عرفاں جس کا
عشق سے جس نے مقام عرفاں کو پایا		اس کے بھٹکے ہوئے سجدوں نے خدا کو پایا

(''عرفانِ جمیل''/ جمیل مظہری)

عشق صادق راستوں کے سفر پر نکلتا ہے تو منزلوں کی مسرتوں سے ہمکنار ہوتے دیر نہیں لگتی اسے مقامِ عرفاں عاشق صادق کے وجدان میں کامران زمانوں کا یقین بن کر چمک اٹھتا

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

ہے۔ بھٹکے ہوئے سجدوں کو جس محسن ﷺ انسانیت نے منزلِ مقصود کا سراغ دیا اس کی عظمتوں کا تذکرہ دیگر اصنافِ سخن کی طرح مرثیہ میں بھی بطریق احسن روشن ہے۔ ڈاکٹر ہلال نقوی نے اپنے تذکرہ بالا مضمون میں میرے اسی مؤقف کی تائید کی ہے۔

مرثیہ انسانی رشتوں کی شاعری کا دوسرا نام ہے۔ آج کا انسان انسانی رشتوں کی سچائی سے کٹ کر انا پرستی، ہوسِ زر اور اپنی ذات کے خول میں جس طرح بند ہوتا چلا جارہا ہے اسے مرثیے نے جھنجھوڑا ہے۔ ایسے پیچیدہ مراحل میں مرثیہ نگاروں نے خاندان نبوت ﷺ کے ماحول میں آئینے کی طرح نور بداماں رشتوں کو مثال بنایا جس میں افضل ترین رشتۂ عظیم ذات ﷺ رسالت مآب ﷺ قرار پاتی ہے۔ آپ ﷺ کے تذکرے کا یہ وہ موڑ ہے جہاں آپ ﷺ کا پیغام، آپ ﷺ کے افکار، آپ ﷺ کی سیرت محترم، آپ ﷺ کے اقوال، ہر قول میں پنہاں حقیقتیں، آپ ﷺ کے خانوادے کا ایثار و صبر، آپ ﷺ کے انصار و اصحابؓ کا اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا، یہ سب موضوعات آپ ﷺ کی نعت کا حصہ بنتے چلے گئے اور یوں مرثیے نے نعت نویسی میں پیغمبر ﷺ آخر کی عظمت کو ایک نئے اعتبار سے لکھنے کی سعی کی۔

حوالہ کی طوالت کے لیے معذرت مگر اس اہم دلیل کی توانائی مرثیہ پر نظر محبت ڈالنے والے ہر صاحب ذوق کو اپنی سچائی کے ہالے میں لے لیتی ہے۔

وہ کردگارِ عقل، یہ استاد جبرئیل وہ خالق جمال، یہ آئینۂ جمیل
وہ عین خیر و عدل، یہ باخیر و بے عدیل وہ نور یہ ظہور وہ دعویٰ تو یہ دلیل
انساں کے بھیس میں احدیت لیے ہوئے
احمد، احد ہے میم مشیت لیے ہوئے

(نسیم امروہوی۔ ''صبح ازل'')

ذات محمد ﷺ عربی ہے وہ پاک ذات آئینہ جس کے واسطے تھی بزمِ شش جہات
اس کو کھلی کتاب تھے اسرارِ کائنات وہ شاہد و شہود وہی ناظرِ حیات
روشن تھے اس پہ حال عدم اور وجود کے
پردے اٹھے ہوئے تھے غیاب و شہود کے

(صبا اکبر آبادی۔ ''قرطاس الم'')

تخلیق کائنات کا مقصد ہے جس کا نام بعد از خدا مقدس و امجد ہے جس کا نام

ہیں جتنے نام ان میں مجرد ہے جس کا نام		محمود، حامد اور محمد ﷺ ہے جس کا نام
اس کے لیے درود کی سوغات بھیجئے
اک اک نفس میں بھیجئے، دن رات بھیجئے

(تابش دہلوی۔ ''تقدیس'')

علم قرآں پہ محیط احمد ﷺ مختار کا دل		یعنی ایوانِ ازل میں وہ ہے ابد کی منزل
اس حقیقت کا اگر کوئی نہیں ہے قائل		پھر تو قرآن کہاں اور کہاں مستقبل
جس کا دل و وسعتِ قرآن کے لیے گھر ہوگا
عالمِ غیب کا اطلاق اسی پر ہوگا

(قیصر بارہوی۔ ''قیصر بارہوی کے منفرد مرثیے'')

حامل قرآں، رحمت للعالمین ﷺ نے ایک ایسا عالم گیر و عالم آرا نظام زمانے کو عطا کیا جو ہر زمانے کی جبیں پر کامرانی کی سچی کہانی رقم کرتا رہے گا۔ حضور مکرم ﷺ کی نعت مبارکہ نے مرثیہ گوئی میں ایک اور دل نواز جہت پیدا کی کہ عقیدت اور فکر و احساس کی امتزاجی کیفیات نے ہمہ رنگ رعنائی کی کہکشاں آراستہ کردی۔ ڈاکٹر ہلال نقوی اسی سمت اشارہ کرتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا مقالہ میں لکھا ہے۔

> مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات میں ایک حوالہ یہ بھی ہے کہ وہ شعرا جنھوں نے فکر کو اساس بنا دیا۔ اسرارِ حیات و رموزِ کائنات کو سمجھنے کے لیے اور روحانی دستگیری کے لیے انھوں نے درِ رسول ﷺ پر دستک دی۔ خیال کے یہ نئے پیرایے جب زیرِ بحث آئے تو نعت میں سنجیدہ خیالی نمایاں ہوتی چلی گئی۔

ڈاکٹر صاحب کی اس مدلل تحریر کی تنویر مرثیہ کے وسیع منظر نامہ میں منور ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مرثیہ میں نعت کا رنگ ایک جانبدار آہنگ کے ساتھ نمایاں نظر آتا ہے۔

وہ مصطفٰے ﷺ وہ محمد ﷺ وہ روشنی وہ جمال		وہ آگہی کا تصور وہ زندگی کا خیال
شعاعِ فہم و بصیرت، متاعِ علم و جمال		وہ آفتابِ رسالت نہیں ہے جس کو زوال
جمالِ رحمت یزداں اسی کو کہتے ہیں
بشر کی شکل میں قرآں اسی کو کہتے ہیں

(امید فاضلی۔ ''سرنینوا'')

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

جب کسی موجود کو معدوم ہونا چاہیے جادۂ ہستی پہ کچھ مرقوم ہونا چاہیے
ہر سفر کا بھی تو اک مفہوم ہونا چاہیے اور انجامِ سفر معلوم ہونا چاہیے
اک سفر آدم کو جنت سے نکلواتا بھی ہے
اک سفر محبوب کو تا عرش بلواتا بھی ہے
(سحر انصاری)

شہر آشوب

نظم میں ہم عصر کرب کا اظہار شہر آشوب کہلایا۔ دلّی کے اجڑنے کا دکھ میر کو اجاڑ گیا اور غالب کی شاعری چیخ بن گئی۔ یہ مثالیں ہر دور کی چشمِ بینا پیش کرتی رہی مگر صاحبانِ بصیرت نے شہرِ آشوب میں نعتیہ رنگ سمو کر بلند زندگی کی ترنگ کو زندہ و بیدار کر دیا۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
فریاد ہے اے کشتئِ امت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں! ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے
(مولانا حالی)

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبحِ ازل ہے تیری تجلّی سے فیض یاب
مغرب کی دست برد سے مشرق ہوا تباہ
ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب
اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ دو کون
تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے نا سزا غلام
عقبٰی میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب
(مولانا ظفر علی خاں)

آپ ﷺ کے در پہ یہ فقیر لایا ہے شاہِ کائنات
آنکھوں میں اشکِ غم کی رو، دل میں ہجومِ واردات
عرصہ گذر گیا حضور ﷺ! تنگ ہے عرصۂ حیات
آپ ﷺ کے لطف کے سوا کوئی نہیں رہِ نجات
میرے حضور ﷺ! التفات! میرے حضور ﷺ! التفات
(قمر میرٹھی)

موضوعاتی اصنافِ سخن کے تنوع کا تفصیلی مطالعہ کرنے اور رنگِ نعت کے ہمہ گیر اثرات کا جائزہ لینے کے بعد جب ہم ہیئت کے حوالے سے اصنافِ شعر پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی عشق سرکارِ دو جہاں ﷺ کے علم پر سو لہراتے دکھائی دیتے ہیں۔ ''پاکستانی ادب شناخت کی نصف صدی'' کے محقق و نقاد غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں۔

> ہائیکو، آزاد نظم، نظم معرّٰی اور نثری نظم کی ہیئت میں بھی نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ غیر منقوط نعتیں نعتیہ قطعات اور نعتیہ رباعیات بھی لکھی جارہی ہیں۔ زیادہ تر شعرا نے نعت کو غزل کے قریب لانے کی شعوری کوشش کی ہے۔

سب سے پہلے ہائیکو کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔

ہائیکو

ہائیکو جاپانی ادب کی اہم صنفِ سخن ہے۔ ممتاز نقاد ڈاکٹر محمد امین اپنے علمی سفر کے ایک مرحلے میں جاپان گئے تو واپسی پر اہلِ وطن کو اس سے متعارف کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ تین لائنوں پر مشتمل اس مختصر صنف کو بہت جلد شرفِ قبولیت مل گیا یہاں ابھی یہ آغازِ عمر ہی کے مراحل میں ہے مگر عشق رسول ﷺ کے متوالوں نے اپنی عقیدتوں کے چراغ روشن کرنے میں یہاں بھی دیر نہیں کی۔ ممتاز نعت گو صبیح رحمانی کا رنگِ سخن اور اندازِ عقیدت راہِ اظہار پاتا ہے تو ایسے

خوب صورت الفاظ ترتیب پاتے ہیں۔

کھولے سب جوہر
آپ ﷺ نے نوعِ انساں کو
فکرِ نو دے کر....!

فکرِ نو کی ضو کفر و ضلالت کی سیہ شب میں بشارتوں کی روشنیاں عام کرتی ہوئی زمانے میں پھیلی تو ہر انصاف پسند کے باطن سے یہی آواز اٹھی کہ رحمت للعالمین ﷺ نے زمانوں اور جہانوں میں انسانوں پر سر بلندی و سرفرازی کا راز آشکارا کر دیا۔

کتنے اجلے ہیں
اس کے لفظوں سے من میں
سورج اگتے ہیں

(احمد صغیر صدیقی)

سورج کی روشنی جس طرح زندگی اور تابندگی کی نمائندگی بطریق احسن کرتی اسی طرح ایک معطّر تنویر عالمِ ادب سے ابھری اور عالمِ تمام میں پھیل گئی جس نے سسکتی دم توڑتی انسانیت کو سرفراز زیست سے ہمکنار کر دیا۔ جس نے بصارتوں میں بصیرتوں ی توانائی بھر دی۔ یہ سارا صدقہ آقائے کائنات ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کا ہے۔

لکھے ان کا نام
اجلے موسم اتریں گے
دل پر صبح و شام

(صبیح رحمانی)

غزل

اردو شاعری میں مقبولیت کی انتہا کو چھو لینے والی صنفِ غزل اپنی اصل میں ملائم اور نرم و نازک جذبوں کا کومل اظہار بھی ہے اور شدید مخالفت کی تند و تیز آندھیوں کا مقابلہ کر کے فتح یابی کی شادمانی حاصل کرنے والی قوت بھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے لغوی معنی ''عورتوں سے باتیں کرنا'' سے مشبہ ہو کر محبت اور چاہت کے دل دار احساسات کی مالا پروئے بدلتے وقت کے تقاضوں کے ہمراہ ارتقائی منزل طے کرتی محبت فاتحِ عالم کی سفیر بھی یہی غزل بنی جب کہ دوسری

جانب غزال کی چیخ کے لغوی معنی سے مستعار درد و الم کی سفارت کاروں ہو کر عصرِ رواں کی ہم سفر ہوئی تو ملی اور قومی درد کے اجتماعی احساس کی کامیاب نمائندگی کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ یوں اس خوش بخت صنفِ سخن نے ہر دور میں اپنا تخلیقی طور زندہ رکھا۔ زندہ رہی اور خود سے مخلص شعرا کو زندہ تر کرتی رہی، یہی زندگی عرفانِ نعت کی رفاقت سے سرشار ہوئی تو تابندگی میں ڈھل گئی۔ ''اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربوں کی ضرورت'' کے زیرِ عنوان نامور محقق اور نقاد ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

> ...مثنوی کے ساتھ ساتھ چوں کہ غزل وقصیدہ نے خصوصاً فروغ پایا۔ اس لیے نعت بھی عموماً غزل وقصیدہ کی ہیئت میں لکھی جانے لگی۔ صرف دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں تک یہ بات محدود نہ رہی بلکہ جب مرشد آباد، بھوپال، رام پور وغیرہ میں اردو کے چھوٹے چھوٹے مرکز قائم ہوئے تو وہاں کے شعرا نے بھی عموماً غزل اور قصیدے کی ہیئتوں میں نعتیں لکھیں اور یہ نعتیں بہت مقبول ہوئیں۔

دراصل اردو غزل کی ہیئت میں ''نعت رنگ'' کا آغاز ولی دکنی، فدوی اور فراقی وغیرہ شعرائے دکن ہی سے ہوگیا تھا تاہم غزل کے ضمن میں نعتیہ رنگ دو طرح سے جلوہ گر ہوا۔ ایک تو غزل کی ہیئت میں نعتیہ اشعار کی صورت میں اور دوسرے خالص غزل میں نعتیہ اشعار کی بہار نے جلوے دکھائے پھر یہ بھی ہے کہ غزل میں استعارات وتشبیہات کی قوس وقزح میں بھی یہ رنگ نمایاں رہا۔

جن مرداں کو آنکھ دیا ہے خدا نے، وے　　　سرمہ کریں ہیں رہ کی تری خاک دھول کا
(میر تقی میر)

منظور تھی یہ شکل تجلّی کو نور کی　　　قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
(غالب)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے مجھے　　　کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
(اقبال)

کردار کہہ رہا ہے رسالت مآب ﷺ کا　　　یہ روپ ہے عمل میں خدا کی کتاب کا
(اختر بستوی)

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

جب کوئی آپ ﷺ کا بن گیا ہے آدمی ہی نیا بن گیا ہے
(فضل احمد کریم فضلی)

یہ دشت خلا کس کی گزرگاہ ہے سوچو وہ کون ہے جس کا ہے یہ نقشِ کفِ پا چاند
(پیرزادہ قاسم)

بہار ہو کہ خزاں کارگاہِ ہستی میں انھیں کسی سے غرض کیا جو تیرے ہوجائیں
(صہبا اختر)

کھلیں گے دیکھنااس دشت میں کیا کیا سمن زار مدینے کی ہوا کا رخ بخارا کی طرف ہے
(محمد اظہار الحق)

چاہِ دنیا کی اسیری میں مجھے وسعتِ غارِ حرا یاد آئے
(آصف ثاقب)

جبر کے موسم میں سچی شاعری کا حوصلہ سایۂ اسمِ محمد ﷺ کی پناہوں میں ہوا
(شوکت ہاشمی)

محبوب ﷺ کبریا کا درِ پاک چھوڑ کر اللہ تک کسی کی رسائی ہو کس طرح
(راجا رشید محمود)

واہ! کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
(علامہ احمد رضا خاں بریلویؒ)

ہم پہ وہ کتنا مہرباں ہوگا جس سے دشمن کا دل برا نہ ہوا
(محمد اعظم چشتی)

تہ بہ تہ تیرگیاں ذہن پہ جب ٹوٹتی ہیں نور ہوجاتا ہے کچھ اور ہویدا تیرا
(احمد ندیم قاسمی)

جناب رحمت عالم ﷺ کا فیض ہے حافظ جو میرے شعر سے مضموں نیا نکلتا ہے
(حافظ لدھیانوی)

رمز ہستی، راز فطرت، سر ذات و کائنات ہر خبر پائی تلاش مصطفےٰ ﷺ کرتے ہوئے
(حفیظ تائب)

اس کے پرتو سے تجلی انوار گل رنگِ شفق شب چراغ عرصۂ ظلمات ہے تیری جبیں
(عبد العزیز خالد)

وہ جیسے ہیں کوئی ویسا نہیں ہے		یہی لکھا ہے تاریخِ بشر میں
(صبیح رحمانی)

کہ شاید اس کی سواری یہیں پہ آ کر رکے		سبھی نے کھول کے رکھے ہوئے در اپنے
(محمد فیروز شاہ)

نظم

غزل کے مقابلے میں صنفِ نظم صاحبِ اولاد ثابت ہوئی اور اس کی مختلف اقسام سامنے آئیں۔ ہر دریچہ سے یہاں بھی نعت کی میٹھی من ٹھار چاندنی نکھرتی رہی... پابند نظموں سے مقتبس اشعار۔

محمد ﷺ رسول خدا بن کے آئے		ہمارے لے رہنما بن کے آئے
غریبوں کے مشکل کشا بن کے آئے		فقیروں کے حاجت روا بن کر آئے
ہوئی جتنی مخلوق اور ہوگی جتنی		وہ سب کے لیے رہنما بن کے آئے
(درد کاکوروی/ جامِ کوثر)

اب نغمہ نغمہ، نغمہ تارِ حیات ہے		اب نشہ نشہ، نشۂ عرفانِ ذات ہے
اب پردہ پردہ، پردۂ ساز جمال ہے		اب بادہ بادہ، بادۂ عرفانِ حال ہے
اب جرعہ جرعہ، جرعۂ جام الست ہے		اب ذرہ ذرہ، ذرہ خورشید مست ہے
اب قطرہ قطرہ، قطرۂ اشکِ نیاز ہے		اب توبہ توبہ، توبۂ سوز و گذار ہے
اب غنچہ غنچہ، غنچۂ زلفِ نگار ہے		اب لالۂ لالہ، لالۂ رخسارِ یار ہے
اب جذبہ جذبہ، جذبۂ عشق رسول ﷺ ہے		اب شیوہ شیوہ، شیوۂ عدل و اصول ہے
اب نعرہ نعرہ، نعرۂ توحید بن گیا		اب سجدہ سجدہ، سجدۂ امید بن گیا
(عاصی کرنالی/ مدحت)

اسی کی ضو سے ہے ظلمات کن فکاں روشن
اسی کی لو سے ہے سینہ کرن کرن میرا
اسی کے پاس ہے گروی مرا دل بے قید
اسی کی یاد میں رہتا ہے من مگن میرا
(عبدالعزیز خالد/ ''حمطایا'')

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

آزاد نظم

زمانہ نئے امکانات کی طرف سفر پر نکلا تو وقت کے تقاضے بدل گئے۔ شعرائے کرام نے قافیہ، ردیف اور بحور کی تنگنائے کا شکوہ کرتے ہوئے آزاد نظم اختراع کی۔ ن م راشد، تصدق حسین خالد اور میرا جی پر جوش حمایت و قیادت فراہم کرتے رہے اور اعتراضات کی خارزار پگڈنڈیوں سے گزرنے کے بعد بالآخر آزاد نظم قبول خاص و عام کی منزل پا گئی۔ آزاد نظم کا دور آیا تو آفتابِ نعت کی ضیا بار کرنوں نے یہاں بھی خوب ضو پاشی کی۔ بقول پروفیسر عارف عبدالمتین۔

> آزاد نعتیہ نظموں میں نئی شاعری کے اسی آبدار عنصر کا بالخصوص خیال رکھا گیا جو ایمائیت سے عبارت ہے اور جو مافی الضمیر کے اظہار کے لیے علائم و رموز کو بروئے کار لانے کا قائل ہے۔ اس علامتی طرزِ ابلاغ نے جدید نعت کو ایک ایسی تہہ داری سے ہمکنار کیا ہے جس نے اسے نہ صرف مزید عمق فراہم کیا بلکہ ایک انفرادی آن بان بھی ارزانی کی ہے۔

(آزاد نعتیہ نظمیں۔ ایک جائزہ۔ ایک تذکرہ از حامد یزدانی مطبوعہ ''شام و سحر'' نعت نمبر ۴)

اس انفرادی آن بان کی ممتاز شان کی چند جھلکیاں:

> رسول اکرم ﷺ کا نام نامی/ وہ کلکِ فطرت کا حرفِ اوّل/ بنا جو عنواں کتابِ کن کا حضور ﷺ کی ہستیٔ گرامی/ ہے ممکنات جہاں کا جوہر/ جو از لوح و قلم انھی سے/ وجود انھی نے/ عدم انھی سے/ اگر نہ ہوتے مرے پیمبر ﷺ/ تو نقشِ امکاں ابھر نہ سکتا/ نہ یہ عناصر کا میل ہوتا/ نہ کھیل ہوتا یہ روز و شب کا/ سلام اس آیۂ مبیں پر

(حفیظ تائب/ دیباچۂ امکاں)

> وفا کا وہ ماہتاب جس کی شفیق کرنوں میں/ چہرہ جور و جفا کا ہرگز نکھر نہ پایا / کوئی بھی ایسا ابھر نہ پایا/ وہ جن سے صحنِ زمیں ہے روشن/ وہ جن کے دستِ کرم کا پرتو یہ آسماں ہیں!

(صبیح رحمانی ''ایک روشنی زمیں سے آسماں تک)

> شفیق آقا ﷺ!
> سبھی زمانوں پہ تیری رحمت کے ابر پارے/ تمام رستوں پہ تیرے لفظوں

کے دیپ روشن/ ہر ایک لمحے میں تیرے لہجے کا لوچ نکھرے/ تجھی سے
نسبت بشارتوں کا جواز ٹھہری/ تری شبوں کا گداز نور سحر کا ضامن/ تری
دعائیں۔
اداس لمحوں میں زرد بچوں کو گود لیتی شفیق مائیں!

(محمد فیروز شاہ/ ''طلوع'')

نظم معرّیٰ

نظم کے اس دریچۂ نو سے بھی نعت کا نور یوں پھوٹتا ہے کہ دلوں میں سرور بھرتا چلا جاتا ہے۔

اس کی کملی ہے کہ انوارِ درخشاں کی مثال
مسکراتا ہوا دریا ہے محبت کا وہی
مسکراتا ہوا وہ طاق صداقت کا چراغ
اس کا ہر نقش ہے تفسیر حیات ابدی
اس کا دامانِ کرم سارے زمانوں پہ محیط
بجھتی آنکھوں کو بھی منظر وہ سہانے دے گا
میرے ہر لفظ کو معنی کے خزانے دے گا
(ریاض حسین چوہدری)

واکا

واکا جاپانی صنفِ سخن ہے جس میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں جاپانی کلاسیکی شاعری کا خاصا بڑا حصہ ''واکا'' کے محیط میں ہے۔ کلاسیکی واکا شاعری کا اردو میں پہلے پہل ترجمہ محمد رئیس علوی نے کیا۔ ''گل صد برگ'' کے نام سے اس کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔ اس صنفِ سخن میں نعت کا آفاقی رنگ بھر کر ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے سر بلند کر دیا۔

کبھی بادل کے رنگوں میں
کبھی پھولوں کی نکہت میں
کبھی دل کی فضاؤں میں
کبھی فکر و تامل میں
نقوش سرورِ کونین ﷺ کا جلوہ نظر آیا

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

سانیٹ

سانیٹ اطالوی لفظ سانیتو(Sonetto) سے اخذ شدہ ہے۔ جس کے معنی ہیں مختصر آواز یا راگ۔ اصلاحی طور پر سانیٹ ایک مخصوص مزاج، مخصوص لب و لہجہ، مخصوص بحر اور مخصوص انداز کی چودہ مصرعی نظم کو کہتے ہیں۔ جس میں کسی خاص جذبے احساس یا خیال کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ ہمارے شعرا کرام نے اس صنفِ سخن کو کم کم ہی سہی مگر اپنایا ضرور تا ہم جب نعتیہ رنگ ابھرا تو سانیٹ ایک جاوداں امنگ کا سفیر بن گیا۔ چند لائنیں بطورِ نمونہ:

جتنی دامنِ زیست میں دولتیں ہیں جتنی جودتیں ہیں جتنی ندرتیں ہیں
حسن و خیر کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان کے خلق عظیم کی وسعتیں ہیں
سازِ ہست کے جتنے آہنگ ٹھہرے استقبال کے دیکھے سامان جتنے
اوج فکر کے پائے امکاں جتنے ان کے اسوۂ پاک کے رنگ ٹھہرے
ان کے حصے میں خیر کثیر آئی اعتبار وجود ہے نام ان کا
عہد ساز پیام و نظام ان کا ان کے ساتھ کتاب منیر آئی

دولہا کون حیات برات کا
ضامن حشر میں کون نجات کا
(حفیظ تائب)

کجری

گیت ہندی زبان سے اردو میں آیا۔ کجری گیت کی وہ قسم ہے جو عموماً ہولی میں گاتے ہیں۔ عقیدت و محبت کی وادی میں کھلنے والے پھولوں کی مہک اس صنف میں ظہور کرتی ہے تو کیسے کیسے دل کش پھول کھلتے ہیں۔ ظافر علی خاں تشنہ کی دو نعتیہ کجریاں پڑھیے۔

وجہ کائنات

آپ ﷺ کی چاہت میں تو پیدا ہوئی کونین آپ ﷺ کی باتیں بھی پھیلی ہوئی طرفین
آپ ﷺ کے ہی نعلین عرش نے چومے ہیں

گنبدِ خضریٰ

اس گنبد خضریٰ کی بات کیا جس کا سبز ہے رنگ قدس میں یہ آفاق بھی ہے جس کے پاسنگ
جب ہو جگ سے تنگ اس کی جانب دیکھ لے

قطعہ

عموماً چار ہم آہنگ مصرعوں میں بات مکمل کرنے کا شعار شعرائے کرام پسند کرتے آئے۔ قطعہ میں رنگِ نعت کی بہاریں ملاحظہ کیجیے۔

جلوۂ شہرِ نبی ﷺ دل کے نہاں خانے میں ہے
اب بھی وہ صبحیں وہ شامیں دیکھتا رہتا ہوں میں
میں نے جن آنکھوں سے دیکھی ہیں سنہری جالیاں
آئینے میں اب وہ آنکھیں دیکھتا رہتا ہوں میں
(اقبال حیدر)

تخیل جب عقیدت کی حدِ آخر تک آجائے
تو پھر پیشِ نظر لفظوں کی آرائش نہیں رہتی
اسی اک لفظ میں زیدی مکمل نعت پنہاں ہے
محمد ﷺ کہہ کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی
(قمر زیدی)

مرا ہر لفظ نعتِ احمدی ﷺ سے دُر یکتا ہے
لکھا جو دائرہ ہے وہ مہِ کامل کا ہالہ ہے
ہوئی کافور نورِ مصطفیٰ ﷺ سے شرک کی ظلمت
سیاہی سے ندامت کی دلِ کفار کالا ہے
(منشی شنکر لال ساقی)

از خاک عرب تا بہ عجم مانتے ہیں
ہاں صاحب الطاف و کرم مانتے ہیں
ہم دیر نشیں بھی ہیں ترے مدح سرا
رہبر جو تجھے اہلِ حرم مانتے ہیں
(ستیہ پال اختر رضوانی)

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

رباعی

ہر صنف نظم میں قادر الکلامی کے ہنر سامنے آتے ہیں مگر بالخصوص رباعی تو شعر پر مکمل دسترس رکھے بغیر کہنا ممکن ہی نہیں۔ نعت محبوب ﷺ کے حوالے سے چند نمایاں مثالیں دیکھیے:

انوار بے شمار معدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد ﷺ کا مقام
وہ امت اسلام میں محدود نہیں
(فراق گورکھ پوری)

باہر ہے بیاں سے عزوشان سرور ﷺ
اللہ کا بیاں ہے بیانِ سرور ﷺ
کیوں کر نہ کہیں کہ وہ ہے ناطق قرآں
قرآں کی زباں ہے زبانِ سرور ﷺ
(یزدانی جالندھری)

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہیں
کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز رہیں
مداح پیمبر ﷺ کی زباں کھلتی ہے
(محسن کاکوری)

مخمس/خمسہ

ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہے اور پہلے بند کو پانچ ہم قافیہ مصرعوں کے بعد کا پانچواں مصرعہ پہلے بند سے ہم قافیہ و ہم آہنگ رکھنے والی اس صنفِ نظم کا آنگن بھی نعتِ حبیب ﷺ کی سدا بہار مہکار سے مزین ہے۔ چند اقتباسی لائنیں دیکھیے:

مصطفٰے کون ہے مجتبٰے کون ہے
جلوۂ نور رب علٰی کون ہے

اپنے رب کا پیارا بتا کون ہے
کون ہے خاتم الانبیا کون ہے
انبیا میں حبیب خدا کون ہے
(مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی)

اے کہ ترا شہود ہے وجہِ نمود کائنات
اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفل حیات
اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانے کے صفات
سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات
(مولانا ظفر علی خاں)

ہوئی انسانیت کی شمع روشن شان وشوکت سے
ہر اک دل جگمگا اٹھا چراغِ شان وحدت سے
فلک پر چاند بھی شرما گیا حسنِ لطافت سے
منور کیوں نہ ہوجائے زمانہ شمع الفت سے
یہ ساری روشنی دنیا میں شاہ انبیا ﷺ کی ہے
(جولیس نحیف)

مسدس

ہر بند میں چھ مصرعے اور اولین چار مصرعے ہم قافیہ اور آخری دو مصرعے باہم۔ باہم قافیہ رکھنے والی اس صنفِ نظم کا اختصاص جوش و جذبہ اور شان وشکوہ ہے۔ ایک جانبدار آہنگ کے ساتھ ساتھ توازنِ فکر وشعور بھی اس کا وصفِ خاص ہے۔ فروغِ نعت کی سرگرمیوں میں زندگی کو وقفِ عشق رسول ﷺ کر دینے والے ہمارے عہد کے ممتاز نعت گو اور سکالر، مدیر ماہنامہ نعت اور محققِ نعت و سیرت طیبہ راجا رشید محمود ''اردو نعتیہ مسدس'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں۔

مسدس اگر چہ بنیادی طور پر عرب کی ملکیت ہے۔ مگر وہاں نعت کے حوالے سے اس صنفِ سخن میں طبع آزمائی نہیں کی گئی۔ فارسی نعت گوؤں

نے بھی اپنے جذباتِ عقیدت اور احساساتِ منقبت کو مسدس کی صورت نہیں دی۔ پنجابی میں بھی بابو فیروز دین شرف کا ایک اور پیر فضل گجراتی کے دو نعتیہ مسدس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ البتہ اردو نعت گوؤں کا دامن اس لحاظ سے وسیع ہے۔ انھوں نے دوسری شعری ہیئتوں کے علاوہ اس صنفِ سخن میں بھی نعت کہی۔ اور اپنے آقا و مولا ﷺ کی ثنا و مدحت میں اس مؤثر صنف سے بھی کام لیا۔ محشر رسول نگری، احسان دانش اور انور جمال کے نعتیہ مسدس تو کتابی صورت میں سامنے آچکے ہیں۔

(اردو نعتیہ مسدس/ راجا رشید محمود مطبوعہ ''شام وسحر'' نعتیہ نمبر۴)

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت　　بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحانے کی وہ ودیعت　　چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ

(مولانا حالی)

معراج کی یہ رات ہے رحمت کی رات ہے　　فرحت کی آج شام ہے عشرت کی رات ہے
ہم تیرہ اختروں کی شفاعت کی رات ہے　　اعزاز ماہ طیبہ کی رویت کی رات ہے
پھیلا ہوا ہے سرمۂ تسخیر چرخ پر　　یا زلف کھولے پھرتی ہیں حوریں ادھر ادھر

(مولانا حسن رضا خاں بریلوی)

آب کوثر تشنہ کامان محبت کا ہے تو
جس کے ہر قطرے میں سو موتی ہیں وہ دریا ہے تو
طور پر چشم کلیم اللہ کا تارا ہے تو
معنی یٰسین ہے تو مفہوم او ادنیٰ ہے تو
اس نے پہچانا نہ تیری ذاتِ پر انوار کو
جو نہ سمجھا احمدِ ﷺ بے میم کے اسرار کو

(علامہ محمد اقبالؒ)

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو
کس نے پیغام مساوات سنایا سب کو

راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو
کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو
تم نے دیکھا ہے بہت دفتر پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا
(جگر مرادآبادی)

فقر کو جس کے تھی حامل کج کلاہی، وہ رسول ﷺ
گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی، وہ رسول ﷺ
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی، وہ رسول ﷺ
جس کی اک اک سانس قانونِ الٰہی، وہ رسول ﷺ
جس نے قلب تیرگی سے نور پیدا کردیا
جس کی جاں بخشی نے مردوں کو مسیحا کر دیا
(جوش ملیح آبادی)

موضوعاتی اور ہیئتی اصنافِ سخن کے بعد نعت سرور کونین ﷺ کی رہنما موجودگی کے ذکرِ سعید کے بعد اب آخر میں آیئے ایک عقیدت مند نظران اصنافِ سخن کی نذر کریں جن کے وجود کا سرچشمۂ حیات ہی نعت ہے گویا ہم انھیں نعت کی ذیلی اصناف کہہ سکتے ہیں۔

مولودنامہ

بعض روایات کے مطابق اردو کی نعتیہ شاعری پر پہلی کتاب لکھنے والے ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے فتاحی کو گیارہویں صدی ہجری کے آخر کا شاعر قرار دیتے ہوئے مولودنامہ کا موجد قرار دیا ہے۔ (''نعت رنگ'' کراچی شمارہ اپریل۲۰۰۰ء) مولودنامہ میلادنامہ بھی کہلوایا۔ چند شہ پارے آپ کے ذوق مطالعہ کے نذر ہیں۔

نہیں ہے اگر آمنہ کا دلارا یہ قرآں نہیں یہ شریعت نہیں ہے
کہاں سے سجے گی یہ سیرت کی محفل اگر بزم ذکرِ ولادت نہیں ہے
(بیکل اتساہی)

دو شنبہ بارہویں ماہ ربیع الاوّلیں کی تھی
طلوع آفتاب عزو شان مولد حضرت ﷺ

گرے نوشیرواں کے قصر کے چودہ منارے تب
پڑے بت اوندھے مکہ میں زمانِ مولد حضرتﷺ
(''اشرف الاشعار''/ سیّد عبد المفتاح اشرف)

نورنامہ

ڈاکٹر یحییٰ نشیط نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۵ میں اردو نعت گوئی کے موضوعات کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

ہمارے شعری ادب کو جہاں نعت رسولﷺ کے ایک پہلو ''نور'' نے بلحاظ موضوع وسعت بخشی وہاں فنی لحاظ سے بھی اسے مختلف جہتوں سے روشناس کرایا۔

''نور نامے'' صنفِ نعت کی ایک اہم جہت کے طور پر سامنے آئے۔ علاوہ ازیں نورِ مصطفےٰ کی عظمتوں کو امیر مینائی کی مثنوی ''نورتجلّی'' کا موضوع بننے کے ساتھ ساتھ سرور جہاں آبادی، حالی، اکبر، شاد عظیم آبادی، اقبالؒ، ظفر علی خاں، جگر اور حفیظ جالندھری نے تشبیہات و استعارات کی منفرد و ممتاز کہکشائیں آراستہ کر کے خراجِ عقیدت پیش کیا۔

جب نہیں تھا کچھ ہستی سے نشاں تھے کنج عدم میں سب پنہاں
حق کیتا تب احمدﷺ کا نور اس وقت ہوا ہے اوس کا ظہور
کوئی بولا شہﷺ کو اے مرسل کیا کیتا پیدا حق اول
فرمائے محمدﷺ میرا نور ہے سب کے اول اوس کا ظہور
(باقر آگاہ)

سایہ زیبا ہی نہ تھا آپﷺ کی قامت کے لیے
روشنائی تھی یہی مہرِ نبوت کے لیے
جسمِ محبوبﷺ خدا نور کا اک پتلا ہے
سایۂ حق وہ شہِ منزلت طٰہٰ ہے
(محسن کاکوروی)

سلام

راجا رشید محمود ماہنامہ شام وسحر کے نعت نمبر۵ میں اپنے مؤقر مقالہ بعنوان اردو نعت

میں ''صلوٰۃ و سلام'' میں تحریر کرتے ہیں۔

''نعت میں خالق و مالک حقیقی کے محبوب پاک ﷺ کی تعریف کی جاتی ہے۔ سرکار ﷺ کا ذکر ہوتا ہے۔ ان ﷺ کا اسم گرامی آتا ہے۔ اس مقصد کے لیے قرآن و حدیث ہی سے استفادہ کرنا چاہیے۔ نعت کے مضامین انھی مصادر علمی سے لینے ضروری ہیں۔ بقول مولانا احمد رضا خاں بریلوی:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

اور قرآن نے ہمیں سب سے بڑا مضمون تو یہ عطا کیا ہے کہ خدا اور اس کے فرشتے سرکار ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ پھر قرآن نے حکم دیا کہ ہم (جن میں نعت گو بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں) بھی حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام پیش کریں۔ اردو کے نعت گوؤں نے (باستثنائے چند) اس حکم خداوندی پر عمل کا التزام کیا ہے۔

اور اس طرح سلاموں کی یہ عقیدت مندلڑیاں یا قیامت عصر رواں کے ہم عناں چمکتی دمکتی رہیں گی۔

مصطفےٰ ﷺ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم رسالت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

(مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی)

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب ﷺ سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخرِ نوع انسانی
سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

(حفیظ جالندھری)

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سکھلائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
(مولانا ماہرالقادری)

جو ہیں خیر الانامﷺ ان پہ لاکھوں سلام
بھیجتا ہوں مدام ان پہ لاکھوں سلام
انﷺ کی یادِ حسیں دل میں ہے جاگزیں
انﷺ پہ لاکھوں سلام، انﷺ پہ لاکھوں سلام
(خالد شفیق)

علاوہ ازیں معراج نامے اور وفات نامے بھی عقیدتوں کے سرنامے رہے۔ یہ ذکرِ جمیل اس قدر طویل ہے کہ عمریں ختم ہوجائیں۔ وقت بے وقعت ہورہے۔ زمانے اپنے آشیانے سے بچھڑ جائیں اور لمحوں کا شمار بے وقار ہو کر رہ جائے۔ مگر یہ تذکرۂ حسیں ختم نہ ہو۔ یہ چند سطور فقط دلی عقیدتوں کے ظہور کی آرزو میں قلم بند ہوئی ہیں۔ آفاقی صداقت تو یہ ہے کہ:

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا

کتابیات

☆۔ ''دیوان کرامت''، کرامت علی خاں شہیدی، مطبوعہ نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۲۹۳ھ
☆۔ ''پاکستانی ادب... شناخت کی نصف صدی''، غفور شاہ قاسم
☆۔ ''اشرف الاشعار''، سیّد عبدالمفتاح اشرف
☆۔ ''مسدس رنگین''، سعادت یار خاں رنگین
☆۔ ''جوش کے مرثیے''، جوش ملیح آبادی
☆۔ ''عرفانِ جمیل''، جمیل مظہری
☆۔ ''صبح ازل''، نسیم امروہوی

☆۔ ''قرطاسِ الم''، صبا اکبر آبادی

☆۔ ''تقدیس''، تابش دہلوی

☆۔ ''قیصر بارہوی کے منفرد مرثیے''، قیصر بارہوی

☆۔ ''سر نینوا''، اُمید فاضلی

☆۔ ''جامِ کوثر''، درد کاکوروی

☆۔ ''حمطایا''، عبدالعزیز خالد

☆۔ ''مدحت''، عاصی کرنالی

☆۔ ''طلوع''، محمد فیروز شاہ

رسائل و جرائد

☆۔ ماہنامہ ''شام وسحر''، لاہور، مدیر خالد شفیق

☆۔ ماہنامہ ''نعت'' نمبر۱، مدیر خالد شفیق،

☆۔ ماہنامہ ''نعت'' نمبر۲، مدیر خالد شفیق، جنوری فروری ۱۹۸۲ء

☆۔ ماہنامہ نعت'' نمبر۳، مدیر خالد شفیق، جنوری فروری ۱۹۸۳ء

☆۔ ماہنامہ ''شام وسحر'' نعت نمبر۴، مدیر خالد شفیق، جنوری فروری ۱۹۸۵ء

☆۔ ''اوج'' نعت نمبر، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور، مرتب: ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

☆۔ ''اوج''، نعت نمبر (جلد اوّل) ۹۳۔۱۹۹۲ء

☆۔ ''اوج''، نعت نمبر (جلد دوم) ۹۳۔۱۹۹۲ء

☆۔ ''نعت رنگ''، کراچی، شمارہ اوّل تا شمارہ نمبر۹، مدیر: صبیح رحمانی

☆۔ ''اقلیم''، نعت نمبر، ساہیوال، مدیر: اکرم کلیم

☆۔ ماہنامہ ''نعت''، لاہور (حمد نمبر)، مدیر: راجا رشید محمود، جنوری ۱۹۸۸ء

☆۔ ماہنامہ ''نعت''، لاہور (غیر مسلموں کی نعت)، مدیر: راجا رشید محمود، جنوری ۱۹۸۸ء

D:Sabhi\NaatRang-16
File :Fehroz
Final

راجارشید محمود۔ لاہور

''دیارِ نعت'' پر اعتراضات کا تجزیہ
اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

ادارتی نوٹ

محترم راجا رشید محمود اردو نعت کے اہم خدمت گزار ہیں۔ زیرِ نظر مضمون انھوں نے اپنے مجموعے ''دیارِ نعت'' پر ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر کے اس تبصرے کے جواب میں لکھا ہے جو ''نعت رنگ'' نمبر ۱۵ میں شامل ہے۔

یہ مضمون حضرت راجا رشید محمود (جن کی اوّلیاتِ نعت کی طرح ان کا غصہ بھی احباب میں خاصی شہرت رکھتا ہے اور جو ان دونوں سے بے خبر ہیں ان کی آگہی کے لیے صرف اس مضمون کا مطالعہ ہی کافی ہے) کی علمی حیثیت اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ ساتھ ان کی زود رنجی، عدم برداشت اور بے جا بدگمانیوں کا آئینہ بن کر ہمارے سامنے آیا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس مضمون نے خوشی اور ملال کی ملی جلی کیفیتوں سے دوچار کیا ہے۔ خوشی اس بات کی کہ راجا صاحب نے مدت بعد شعبۂ نعت میں جمع و ترتیب اور از خود اپنی اوّلیات کے ذکرِ خیر کی سطح سے بلند ہو کر اور اپنی ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کچھ لکھنے کی کوشش کی اور اس میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی رہے۔ اور ملال اس بات کا کہ اپنے اس مضمون کو (جس کے کچھ حصے انھوں نے واقعی مقدور بھر علمی ثروت اور استدلالی قوت کے ساتھ محنت سے لکھے تھے) اپنی غیر تنقیدی زبان، طنزیہ لہجے اور غیر متعلق گفتگو سے خود ہی مجروح کر ڈالا۔

مجھ ناچیز کو اپنی بے بضاعتی اور علمی کم مائیگی کا پورا اعتراف ہے علاوہ ازیں بطور مرتب اپنی غیر جانب داری بھی پیشِ نظر ہے، اس لیے اس مضمون کی علمی موشگافیوں اور تنقیدی و عروضی پہلوؤں پر تو محترم ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر یا دیگر اہلِ علم ہی توجہ فرمائیں تو بہتر ہے، مجھے تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہماری تنقیدی روایات میں یہ لسانی اور عروضی بحثیں نئی نہیں اور پھر ہم ''نعت رنگ'' میں اکثر موقعوں پر اس امر کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ اشعار کی تفہیم، خالص ذوقی معاملہ ہے یہ ضروری نہیں کہ کوئی نقاد شعر کے مفاہیم کی تلاش اور تعینِ قدر میں ہمیشہ کامیاب رہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ کسی نقاد کی رائے بیک وقت سب کے لیے قابلِ قبول بھی ہو۔ تاریخِ ادب گواہ ہے کہ اس ضمن میں ہمارے ناقدین کو ہمیشہ نوک جھونک کا سامنا کرنا پڑا ہے تاہم گفتگو اگر تخلیق کے دائرے سے باہر نکل کر تخلیق کار یا نقاد کی شخصیت، اس کی ذاتیات یا پھر اس کی علمی یا سماجی حیثیت تک پہنچ جائے تو یہ بات کسی طور مناسب نہیں، کیوں کہ اس کا فائدہ نہ موضوع کو پہنچتا ہے نہ ہی قارئین کو اور یہاں تو معاملہ نعت اور اس کی تقدیس کا ہے۔

ہمیں کسی نقاد کی نیت میں کھوٹ تلاش کرنے کے بجائے اس کی اپنی رائے کو علمی استدلال اور شائستگی سے رد کرنے کی روایت کو مضبوط بنانا چاہیے کہ یہی تنقید کا مثبت اور صحت مند رویہ ہے۔ نعت کہنے، پڑھنے اور اس پر غور و فکر کرنے والوں کو ضرور احساس ہوگا کہ اب نعت کے ادبی پہلوؤں پر بے لاگ گفتگو کی ضرورت اپنی جگہ اہم ہے۔

راجا صاحب نے مذکورہ مضمون میں مرتب ''نعت رنگ'' (راقم الحروف) کو بھی خصوصی توجہ سے نوازا ہے اور کچھ اعتراضات اور بدگمانیوں کا بھی اظہار فرمایا ہے۔ یہ مضمون وہ کسی اور مجلّے میں چھپواتے تو شاید میں ان اعتراضات کا

جواب نہ دیتا بلکہ خاموشی اختیار کرتا مگر ''نعت رنگ'' میں اس کی اشاعت کے باوجود میری خاموشی کہیں ایسا نہ ہو کہ نیم اثبات کے دائرے سے نکل کر مکمل اعتراف سمجھ لی جائے۔ بدگمانیوں سے تو باہمی ربط و تعلق کم زور ہوتا ہے اور نعت سے وابستگی کے سبب میں نہیں چاہتا کہ نعت کے کسی بھی خدمت گزار سے میری کسی کوتاہی کی وجہ سے تعلق کم زور ہو، سو یہ سطور محض راجا صاحب کی بدگمانیوں کے دُور کرنے کی ہی ایک عاجزانہ، مخلصانہ کوشش ہیں۔

محترم راجا صاحب نے اپنے مضمون کے پہلے ہی پیراگراف میں اس خاکسار کو (جو ایک طویل عرصے سے ان کی نعت گوئی پر مضمون لکھوانے کی فکر میں تھا) ''دیارِ نعت'' پر تبصرے کی صورت میں میری کامیاب کوشش پر مبارک باد دی ہے۔ بے شک راجا صاحب کا یہ فرمان سچا ہے مگر یہ سچ ادھورا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ناچیز (مرتب ''نعت رنگ'') مدیر ماہ نامہ ''نعت'' راجا صاحب کی نعتیہ خدمات کا معترف تھا، اور ہے، اسی لیے وہ راجا صاحب (بلکہ ہر خدمت گزارِ نعت کی) خدمات پر کوئی مفصل مضمون ''نعت رنگ'' شائع کرنا چاہتا تھا اور یہ خواہش اب بھی میرے دل میں موجود ہے۔ اسی جذبے کے تحت میں نے نعتیہ ادب کے معتبر نقادوں جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید اور جناب پروفیسر محمد اکرم رضا سے رابطہ کر کے انھیں راجا صاحب کے مجموعی کام پر لکھنے کی فرمائش کی اور خود راجا صاحب نے بھی کمال مہربانی فرماتے ہوئے جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید کے نام اپنے ایک خط میں میری اس شدید خواہش اور مسلسل اصرار کا ذکر کرتے ہوئے ان سے مضمون لکھنے کی تمنا کا نہ صرف خود اظہار فرمایا بلکہ اسے اپنے لیے بے حد افتخار و اعزاز تصور کرتے ہوئے اس کام کی تکمیل کے لیے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی بھی کروائی اور اس کے ساتھ ساتھ انھیں کھل کر لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، یہی نہیں بلکہ بسببِ ضخامت اس مضمون کے ''نعت رنگ'' میں اشاعت پذیر نہ ہونے کی صورت میں اس تحریر کے لیے ماہ نامہ ''نعت'' کی اشاعتِ خصوصی کا اشارہ بھی دیا۔ اس تفصیل کا مقصد راجا رشید محمود صاحب سمیت تمام احباب کو یہ یقین دلانا ہے کہ راجا صاحب یا کسی بھی نعت گو پر مضمون لکھوانے یا شائع کروانے کے میں مرتبِ ''نعت رنگ'' کا جذبہ خیر کار فرما ہوتا ہے نہ کہ کچھ اور۔

> راجا صاحب کو مرتب ''نعت رنگ'' کے جذبہ خیر و خلوص کو جانتے بوجھتے صرف اپنے مضمون کو وزنی کرنے کی کوشش میں اسے شرانگیزی کے طور پر ظاہر کرنے اور طنزیہ مبارک باد کے لفظ لکھنے پر ہمدردانہ غور کرنا چاہیے۔

رہا مسئلہ ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر کے ''دیارِ نعت'' پر تبصرے کا، تو وہ مرتب ''نعت رنگ'' کی خواہش یا ایما پر ہرگز نہیں لکھا گیا، اس کی تصدیق کے لیے ڈاکٹر صاحب کے یہ جملے ہی گواہ ہیں:

> اس بار ''دیارِ نعت'' کے حوالے سے راجا صاحب نے بہت مایوس کیا اس مایوسی کا اظہار تبصرے میں موجود ہے اگر آپ حضرات کو قابلِ قبول ہو تو شائع فرما دیں۔
>
> (مکتوب ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر مشمولہ ''نعت رنگ''، نمبر ۱۵، ص ۲۹۹)

ممکن ہے راجا صاحب اس شمارے میں شامل یہ خط تا دمِ تحریر نہ دیکھ سکے ہوں اور اسی وجہ سے بدگمانی کا شکار ہو گئے ہوں۔ اُمید ہے وہ اپنی بدگمانی کو دُور کرتے ہوئے طنزیہ مبارک باد کے الفاظ پر ضرور غور فرمائیں گے، ہاں وہ مجھ سے اس تبصرے کی اشاعت کے بارے میں پوچھنے کا حق رکھتے ہیں اور پوچھ بھی سکتے ہیں۔

ایک اعتراض راجا صاحب کے مضمون میں شامل ان جملوں میں بھی سامنے آیا ہے:

> میں بھی مدیر ''نعت رنگ'' کی طرح اپنے کلام پر تعریفی مضمون لکھوا کر ماہنامہ ''نعت'' میں چھاپتا رہتا۔

راجا صاحب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ یہ اس طنز و تعریض کا کون سا محل ہے؟ وہ فرمائیں کہ اس بات کا شمیم گوہر صاحب کے تبصرے سے کیا تعلق ہے؟ اور پھر انھوں نے کس بنیاد پر یہ گمان کر لیا کہ وہ مضامین مرتب ''نعت رنگ'' نے خود لکھوائے ہیں؟ ہاں اگر ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مرتب ''نعت رنگ'' نے ''نعت رنگ'' میں اپنی شاعری پر مضمون

کیوں شائع کیے تو میں (باوجود اس کے کہ یہ اس اعتراض کا محل نہ ہوتا) خوش بھی ہوتا اور ان کے اس اعتراض کو قبول بھی کرتا کہ انھوں نے مخلص ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے مجھے ازراہِ محبت ٹوکا ہے۔ بایں ہمہ میں ان کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میری توجہ میری اس کوتاہی کی جانب مبذول کروائی لیکن کاش وہ ایسا کرتے ہوئے میرے اس ایثار کی طرف بھی توجہ فرماتے بلکہ اس کی داد بھی دیتے کہ میں نے کبھی اپنے رسالے کو مکمل طور پر اپنی ہی تخلیقات سے مزین کر کے، صرف اپنی فتوحات، اعزازات اور اوّلیات کے اشتہارات سے آراستہ کر کے یا صرف اپنی ہی ذات کے گرد گھومتی خبروں کو ''اخبارِ نعت'' کے نام سے اپنے قارئین پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی حالاں کہ میرے سامنے اس کی مثال موجود تھی۔

راجا صاحب کا ایک اور اعتراض خود میرے لیے بھی حیران کن ثابت ہوا ہے، انھیں یہ گمان بلکہ بدگمانی ہے کہ میں ان مسلمان اہلِ قلم سے کوئی خاص لگاؤ اور محبت رکھتا ہوں جو ہندوستان کے باشندے ہیں، اور انھوں نے از خود اسے میری ''ہندوستان پسندی'' قرار دے دیا ہے۔ ایسا شاید صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے مقالے پر ایک مضمون (جو راجا صاحب نے اس مقالے کی تقریبِ پذیرائی میں پڑھا تھا) میں نے ان سے ''نعت رنگ'' میں اشاعت کی غرض سے مانگ لیا، مگر کچھ عرصے بعد انھیں فون کر کے ''نعت رنگ'' میں اس کی اشاعت سے معذوری ظاہر کی اور اسے کسی اور پرچے میں شائع کروانے کی اطلاع بھی دی۔ غالباً یہی وہ بات ہے جسے راجا صاحب نے جانے کیوں کسی تعصب کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ تو وہی بہتر بتا سکیں گے تاہم میں اس ضمن میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نعت پر کام کرنے والوں کو کبھی بھی جغرافیائی حدوں میں بانٹ کر یا علاقائی سطح پر میں تقسیم کر کے نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس قماش کی کسی تقسیم کو درست سمجھتا ہوں۔ میرے لیے نعت کا کوئی خدمت گزار چاہے وہ کسی خطے اور کسی ملک کا رہنے والا ہو، چاہے اس نے نعت کے موضوع پر ستر صفحات کی کتاب لکھی ہو یا ہزار صفحات کا مقالہ لکھا ہو، چاہے اس کے چوبیس مجموعے شائع ہوئے ہوں یا اس نے چند نعتیں کہی ہوں یکساں احترام کے لائق سمجھتا ہوں کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ کس کا عریضہ یا کس کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کتنا مقبول ہے؟ میں سب کی خدمات اور کام کو نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں بلکہ اس کے اعتراف اور وسیع تر پھیلاؤ میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتا، ''نعت رنگ'' کے شمارے اس بات کے گواہ ہیں۔

رہی بات راجا صاحب کے مضمون کی ''نعت رنگ'' میں اشاعت پذیر نہ ہونے کی، تو جب میں نے راجا صاحب کو مضمون شائع نہ ہونے کی اطلاع دی تھی تو یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس مقالے پر عربی زبان و ادب کے فاضل استاد جناب پروفیسر علی محسن صدیقی کا تبصرہ مجھے مل گیا ہے اور میں اسے ''نعت رنگ'' میں شامل کر رہا ہوں اتنی بات تو راجا صاحب کو بھی معلوم ہونی چاہیے کہ کسی بھی مدیر یا مرتب کی پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے قارئین کے لیے زیادہ وقیع اور بہتر مواد تلاش کر کے پیش کرے اور اس سلسلے میں مرتب یا مدیر کو انتخاب کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے اس معمولی سی بات کو کوئی اور معنی پہنانا یقیناً درست نہیں۔

راجا صاحب نے اپنی تحریر میں ایک جگہ مجھے ''تنقید کا ٹھیکے دار'' قرار دیتے ہوئے یہ فرمان بھی جاری فرما دیا ہے کہ:

> افسوس مدیر ''نعت رنگ'' ہر رطب و یابس کو تنقید سمجھ لیتے ہیں اور پڑھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔

راجا صاحب مزاج کے بھی راجا ہیں، میں اکثر ان کو اپنے خطوط میں پیار سے ''مملکتِ خدامِ نعت کے راجا'' لکھتا رہا ہوں اور صرف لکھتا ہی نہیں بلکہ سمجھتا بھی رہا ہوں۔ کاش وہ مجھے اس خوش گمانی میں ہی رہنے دیتے کہ میں اُن کی اس مملکت میں شامل ہوں بلکہ ان کی رعایا کا ایک فرد ہوں۔ لیکن خیر، جو چاہے ان کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔ تاہم ان کے اس فرمانِ عالی شان کے بعد کسی وضاحت کی گنجائش بھلا کہاں رہ جاتی ہے۔ اگر جان کی امان ملے تو صرف اتنا عرض کروں کہ میں نے ان کا مضمون پڑھ بھی لیا ہے اور سمجھ بھی لیا ہے۔ وہ اس کوتاہی کو میری ناتجربہ کاری پر محمول کرتے ہوئے درگزر سے کام لیں کہ میں نے ان تمام مسائل اور ان کے ارشاداتِ عالیہ کے بعد نہ صرف اُن کے مضمون کو پڑھنے اور سمجھنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے بلکہ اس مضمون کی اشاعت کا جو تحریری وعدہ انھوں نے مجھ سے لیا تھا، اس کا ایفا بھی کر رہا ہوں۔

……☆☆……

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

مدیر ''نعت رنگ'' ایک طویل عرصے سے (جو کئی برسوں پر محیط ہے) اس کوشش میں تھے کہ احقر کی نعتیہ شاعری پر مضمون لکھوائیں۔ آخر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگئے اور ''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۵ (مئی ۲۰۰۳) میں ڈاکٹر شمیم گوہر (بھارت) نے میری مکمل نعتیہ شاعری نہ سہی ۲۱ ویں مجموعے ''دیارِ نعت'' کا مطالعہ فرمالیا۔ مدیر ''نعت رنگ'' کو مبارکباد!

ڈاکٹر شمیم گوہر کے ''مطالعے'' کے تجزیے سے پہلے میں یہ حقیقت ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ میں نعت میں تفاخر یا شاعرانہ تعلّی کا سرے سے قائل ہی نہیں۔ میرا شاعری کے حوالے سے قطعاً کوئی دعویٰ نہیں۔ میرے تمام مجموعہ ہائے نعت میں اس مضمون کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ صرف زیرِ نظر مجموعے ''دیارِ نعت'' کو لیں تو اس میں بھی یہ اشعار موجود ہیں:

لکھا محمود بہت ان کی ثنا میں، لیکن
نعت گویانِ پیمبر ﷺ میں میں کمتر نکلا

میں نعت کہتا ہوں دل سے، اسی لیے تو مری
کبھی کسی نے نہ محمود خود نمائیاں دیکھیں

رہا ہے نعت میں محمود عاجزی کا خیال
گناہگار نہیں ہوں میں خود ستائی کا

ان کی نعتوں میں کیف کیا محمود
جن کو عادت ہے خود ستائی کی(۱)

ادبی مجلّے ''خیال و فن'' دوحہ (قطر) / لاہور کے ''ادبی انٹرویو نمبر (اکتوبر ۲۰۰۲) میں احقر کا جو انٹرویو چھپا، اس میں ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ''میں اپنی نظر میں اب تک معیاری نعت نہیں کہہ سکا چنانچہ کہا کرتا ہوں کہ میں شعراءِ نعت کی آخری صف کا آدمی ہوں''۔(۲) اور غالب کے اس شعر کا قائل ہوں:

خُوے آدم دارم، آدم زادہ ام
آشکارا دم ز عصیاں می زنم

چونکہ منافقت و مداہنت میرے مذہب میں حرام ہے اس لیے جو کچھ کہتا ہوں، اس سے میرا مطلوب و مقصود بھی کچھ اور نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر شمیم گوہر نے اپنے تمہیدی پیراگراف میں یہ تاثر دیا کہ انھیں میرے متعدد مجموعوں کے مطالعے کا موقع ملتا رہا لیکن اغلاط انھیں ''دیارِ نعت'' میں نظر آئیں جن کی بنیاد پر

انھوں نے مضمون لکھ ڈالا۔ میں تو ان کی اس تاثراتی رائے سے بھی متفق نہیں ہوں کہ میرے پہلے مجموعے اغلاط سے پاک تھے۔ اگر مجھے یہ خوش گمانی ہوتی تو میں بھی مدیر ''نعت رنگ'' کی طرح اپنے نعتیہ کلام پر تعریفی مضمون لکھوا کر ماہنامہ ''نعت'' میں چھاپتا رہتا۔ شاید یہ حقیقت قارئینِ محترم کے لیے باعث استعجاب ہو کہ ایسے کئی مضمون مختلف وقتوں میں لکھے گئے لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی ماہنامہ ''نعت'' کی زینت نہیں بنا۔ میں نے عرض کیا تھا:

میری جانب بھی توجہ کی نظر ہوتی ہے
گرچہ میں نعت کے خدام میں احقر تر ہوں (۳)

ایسے میں ''نعت رنگ'' میں میرے خلاف ایک تنقیصی مضمون شائع ہونے پر مجھے حیرت ہوئی۔ اس کی ایک وجہ تو حسد بھی ہو سکتی ہے کہ ڈاکٹر شمیم گوہر کی اب تک ۷۰ صفحات کی ایک کتاب ''اُردو کا نعتیہ ادب'' ہی چھپی ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ صفحہ ۷ سے ۴۰ تک گوہر صاحب کی تحریر ہے' ذیلی عنوانات میں نعت کی تعریف و توضیح۔ کچھ حقائق وانکشاف (؟) صنفِ نعت کی بابت۔ نعتیہ شاعری کی ابتدا و ارتقا۔ اُردو نعتیہ شاعری کا ماضی و حال ہیں۔ صفحہ ۴۲ سے آخر تک سودا' شہید' شہیدی' محسن' امیر' احمد رضا اور حسن رضا بریلوی کے قصائدِ نعتیہ کا انتخاب ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم الحروف نے اب تک نعت کے موضوع پر دُنیا میں سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ اب تک میرے ۲۴۔ اُردو اور تین پنجابی مجموعہ ہائے نعت چھپ چکے ہیں۔ اُردو مطبوعہ مجموعے یہ ہیں: ورفعنا لک ذکرک' حدیث شوق' منشورِ نعت' سیرتِ منظوم' ۹۲' شہرِ کرم' مدیح سرکار ﷺ' قطعاتِ نعت' حی علی الصلوۃ' مخمساتِ نعت' تضامینِ نعت' فردیاتِ نعت' کتابِ نعت' حرفِ نعت' نعت' سلامِ ارادت' اشعارِ نعت' اوراقِ نعت' مدحتِ سرور ﷺ' عرفانِ نعت' دیارِ نعت' تسبیحِ نعت' صباحِ نعت اور احرامِ نعت۔ شعاعِ نعت' دیوانِ نعت اور منتشراتِ نعت تیار ہیں۔ اِن شاء اللہ العزیز مارچ ۲۰۰۴ تک چھپ جائیں گے۔ اِس طرح اُردو مجموعہ ہائے نعت کی نعت ۲۷ ہو جائے گی۔ وارداتِ نعت اور حمد میں نعت زیرِ تدوین ہیں۔ (اب تک سب سے زیادہ مجموعہ ہائے نعت حافظ لدھیانوی مرحوم کے چھپے ہیں۔ ان کے آخری مجموعے ''قرآنِ ناطق'' پر ۲۶واں مجموعہ نعت تحریر ہے)

ان میں احقر کے کچھ تخصصات اور کچھ اولیات بھی ہیں مثلاً ''سیرتِ منظوم'' قطعات کی صورت میں ہے۔ ''شہرِ کرم'' کے ہر شعر میں مدینہ طیبہ کا ''حی علی الصلوۃ'' کے ہر شعر میں درودِ پاک کا اور ''نعت'' کے ہر شعر میں نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کا ذکر ہے۔ ''مخمساتِ نعت'' نعتیہ خمسوں کا پہلا مجموعہ ہے۔

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

''تضامینِ نعت'' میں علامہ اقبالؒ کے ۵۳ نعتیہ اشعار کی تضمینیں ہیں۔ ''سلامِ ارادت'' میں غزل کی ہیئت میں ۹۲ سلام ہیں۔ ''عرفانِ نعت'' کی ۶۳ نعتیں قرآنِ پاک کی آیات کے حوالے سے ہیں۔ ''دیارِ نعت'' میر تقی میر کی ۵۳ زمینوں میں کہی گئی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ فریادتِ نعت' اشعارِ نعت اور منتشراتِ نعت نعتیہ فردیات کے مجموعے ہیں۔ احقر کی ۸۰ فی صد سے زاید نعتیں نئی ردیفوں میں ہیں۔

تحقیق نعت میں جو کام سامنے آیا ہے' اس میں پاکستان میں نعت (۲۲۴ صفحات)' خواتین کی نعت گوئی (۴۳۶ صفحات)' نعت کیا ہے؟ (۱۱۲ صفحات)' اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا۔ جلد اول (۴۰۸ صفحات)' اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا۔ جلد دوم (۴۴۰ صفحات)' اقبال و احمد رضا: مدحت گرانِ پیغمبر ﷺ (۱۲۸ صفحات) اور انتخابِ نعت (مشمولہ ماہنامہ ''نعت''۔ دسمبر ۱۹۹۵) شامل ہیں۔

تدوینِ نعت میں مدحِ رسول ﷺ' نعتِ خاتم المرسلین ﷺ' نعتِ حافظ' قلزمِ رحمت' نعت کائنات' مدح سرورِ کونین ﷺ اور سخنِ نعت کتابی شکل میں ہیں اور ''نعت کیا ہے؟'' (مشمولہ ماہنامہ نعت فروری ۸۸' اپریل ۹۵' مئی ۹۵' جون ۹۵۔ ۴۴۸ صفحات) ''اُردو کے صاحبِ کتاب نعت گو'' (مشمولہ ماہنامہ نعت اپریل ۸۸' جون ۸۸' ستمبر ۸۹' اور جولائی ۹۰۔ ۴۴۸ صفحات) اور ''نعت ہی نعت'' (مشمولہ ماہنامہ نعت اکتوبر ۹۳' فروری ۹۴' اکتوبر ۹۴' مارچ ۹۵' ستمبر ۹۵' فروری ۹۶' فروری ۹۷' اپریل ۹۸' دسمبر ۹۸' اکتوبر ۹۹' اگست ۲۰۰۰' ستمبر ۲۰۰۱' اپریل ۲۰۰۲' اور جولائی ۲۰۰۲۔ ساڑھے چودہ سو صفحات) اب تک اشاعت پذیر ہوئے۔

تدوینِ حمد میں دو کاوشیں حمدِ باری تعالیٰ (مشمولہ جنوری ۱۹۸۸۔ ۱۱۲ صفحات) اور حمدِ خالق (۲۳۲ صفحات) شائع ہوئیں۔

ماہنامہ ''نعت'' جنوری ۱۹۸۸ سے باقاعدگی سے جاری ہے اور اب تک اس کے ۲۱۰۰۰ سے زاید صفحات شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے درج ذیل شمارے تمام و کمال راقم الحروف کی تالیفات کا درجہ رکھتے ہیں:

غیر مسلموں کی نعت (چار شمارے)' لاکھوں سلام (دو شمارے)' کلامِ ضیاء القادری (دو شمارے)' سلام ضیاء القادری (دو شمارے)' آزاد بیکانیری کی نعت (دو شمارے)' حسن رضا بریلوی' غریب سہارنپوری' علامہ اقبال' بہزاد لکھنوی' محمد حسین فقیر' اختر الحامدی' شیوا بریلوی اور جمیل نظر' کفایت علی کافی' لطف بریلوی' جوہر میرٹھی' عبدالقدیر صدیقی حسرت' حقیر فاروقی' حمید صدیقی لکھنوی' عابد بریلوی کے نعتیہ کلام کا انتخاب اور مقدمے۔ نیز وارثیوں کی نعت' نعتیہ مسدس' نعتیہ رباعیات' آزاد نعتیہ نظم'

تضمینیں، نورِ علیٰ نور، استغاثے، موجِ نور، فیضانِ رضا اور حضورﷺ کے لیے لفظ ''آپ'' کا استعمال کے موضوعات پر خاص شمارے۔

پھر احقر کو خیال آیا کہ صرف میری نعتیہ کاوشیں بھی ڈاکٹر شمیم گوہر کو اس مضمون کے ارقام پر آمادہ کیوں کرتیں کہ میرا ان کا کوئی تعارف نہیں، میں نے اب تک ان کے یا ''نعت رنگ'' کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔ ایسے میں ان کے مضمون کے دوبارہ غائرانہ مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرے کلام میں ''اہَمیت'' کے تلفظ نے انھیں غصہ دلایا ہے۔ انھوں نے میرے ایک آدھ لفظ کو ''غلط'' تو کہا ہے لیکن ''لغو'' کا لفظ صرف ''اہمیت'' کے درست استعمال ہی پر برتا ہے۔ ''لغو'' کا لفظ تنقید نہیں، تنقیص بھی نہیں، یہ تو غصے کا اظہار ہے، نفرت کی علامت ہے، دشمنی کی صورت ہے۔ اور یہ دشمنی عربی زبان سے ہے۔

میں نے ''اہمیت'' کو درست عربی تلفظ میں استعمال کیا۔

سدرہ کی منزل پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ

اس لفظ کے بارے میں ڈاکٹر گوہر نے لکھا ''غلط اور لغو ہے''۔ قربان جائیے اِس طرزِ تکلم کے۔

زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجے دہن بگڑا

''اُپکار'' پسند ڈاکٹر گوہر جس طرح ہندوؤں اور ہندی کے زیرِ اثر معلوم ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ وہ عربی تلفظ کو غلط اور لغو قرار دیتے۔ ہندو معاشرت، ہندو سیاست، ہندوانہ تعلیم اور ہندی پسندی کو لامحالہ یہی کچھ کرنا تھا۔ ہندوستان کے بہت سے رہنے والے بہت حد تک مجبور اور کسی حد تک معذور نظر آتے ہیں کہ دینی شعائر اور اسلامی زبان سے اپنی مغائرت بلکہ مخاصمت کا ثبوت دیں۔ بدقسمتی سے وہاں کے کئی مسلمان اب تک متحدہ ہندوستان کی راگنی الاپتے ہیں، ہندو خواتین سے شادیاں رچا بیٹھے ہیں، کچھ نے اپنی بیٹیاں ہندوؤں کو بیاہ دی ہیں اور ہندو معاشرت کا ''اٹوٹ انگ'' بن گئے ہیں۔ مثلاً ۴ جولائی ۲۰۰۳ کے قومی اخبارات میں یہ خبر چھپی کہ کولکتہ یونیورسٹی میں تاریخ اسلام اور عربی لٹریچر کے پروفیسر ہارون الرشید نے کولکتہ اور مدراس میں پانچویں اور چھٹی جماعت میں پڑھانے کے لیے جو کتاب لکھی ہے، اس میں حضور محمد رسول اللہﷺ، حضرت آدمؑ، اماں حوا اور دوسرے انبیاء کرامؑ اور مذہبی شخصیات کے تصویری خاکے بھی ہیں۔ ان ''مسلمان'' مصنف صاحب کا اصرار ہے کہ کسی احتجاج کی پروا نہیں کی جائے گی، نہ کتاب تبدیل ہوگی، نہ فروخت رُکے گی (۴)۔

یہ درست ہے کہ ہم نے بہت سے عربی الفاظ کو اردو لیا ہے اور ان کے تلفظ میں بھی تبدیلیاں کرلی ہیں لیکن اگر کوئی شخص اصل عربی تلفظ کو استعمال کرے، تو اس پر اعتراض کرنا اور پھر عربی زبان پر غصہ

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

نکالنا کہاں تک جائز ہے۔ کسی لفظ کے بولنے یا لکھنے میں مقامی طور پر یا کسی دوسرے ملک میں کوئی تبدیلی در آئے تو اس سے لفظ کو درست طور پر استعمال کرنے والا تو غلط نہیں ہو سکتا اور اصل لفظ تو ''لغو'' قرار نہیں پاتا۔ مثلاً سعودی عرب میں ث توت اور ق کوگ بولنے لگے ہیں۔ ثلاثہ کو تلاتہ' ثمانیہ کو تمانیہ' قبا کو گبا' قصر کو گصر کہتے ہیں۔ مصر میں ج کو گ بولتے ہیں' گمال عبدالناصر۔ شاید کُردوں کا کوئی علاقہ ک کو چ کہتا ہے۔ اللہُ اچبر ۔ وہاں اگر کوئی شخص ان الفاظ کو درست طور پر استعمال کرے تو کیا گناہگار اور مجرم بن جائے گا۔ بنگلہ دیش میں ج کو ذ' ض' ظ' ز کی آواز دیتے ہیں تو کیا وہاں جلیل الدین کو اس کے صحیح تلفظ میں پکارنے والا خطا کار ہوگا۔ عرب میں الاتوماتیکیہ' ناشیونال' ملیتون لکھتے ہیں لیکن اگر کوئی آٹو میٹک' نیشنل اور لیٹن کہے گا تو کیا غلط کرے گا۔

تخییل' تغییر' تمییز اور تخیل' تغیر' تمیز میں بنیادی طور پر معمولی فرق بھی ہے لیکن اُردو میں یہ فرق روا نہیں رکھا جاتا جیسے اسپ' فرس' رخش وغیرہ گھوڑوں کی مختلف قسمیں ہیں مگر ہم انھیں نپٹ ''گھوڑے'' کے معنوں ہی میں برتتے ہیں۔ ایسے میں تخییل' تغییر' تمییز لکھنے والا غلط کار کیسے ٹھہرے گا۔

''نعت رنگ'' اور اس کا فاضل ایڈیٹر تنقید کے ٹھیکیدار ہیں لیکن ان کے نزدیک ایک سراسر مخالفانہ مضمون (جس کے مندرجات کا تجزیہ آیندہ صفحات میں کیا جارہا ہے) تنقید سے پرے کی کوئی چیز نہیں ٹھہرا۔ ''دیارِ نعت'' کے ۱۵۷ اشعار میں سے کوئی ایک شعر بھی ڈاکٹر شمیم گوہر کو اچھا نہیں لگا' انھیں پورے مجموعے میں کوئی بات تحسین کے لائق نہیں ملی۔ تنقید تو نام ہے ایسے محاکے اور تجزیے کا جس میں محاسن اور معائب دونوں آئیں۔ میرے خیال میں اس مضمون کی اشاعت کا سبب احقر سے مدیر ''نعت رنگ'' کی مخاصمت یا دشمنی تو ہو نہیں سکتا' البتہ ان کی ہندوستان پسندی یا ہندوستانی دوستوں سے یک گونہ لگاؤ اور محبت ضرور ہو سکتا ہے کیوں کہ محکمہ اوقاف پنجاب نے لاہور میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے پی ایچ ڈی کے مقالے ''برصغیر پاک و ہند میں عربی شاعری'' کی کتابی صورت میں اشاعت کے بعد فروری ۲۰۰۳ میں ایک تقریبِ تعارف کا اہتمام کیا جس میں دیگر صاحبانِ علم و فضل کے ساتھ صبیح رحمانی مدیر ''نعت رنگ'' کو بھی بلایا گیا۔ وہاں راقم الحروف نے جو مضمون پڑھا' وہ تقریب کے بعد مدیر ''نعت رنگ'' نے مجھ سے اشاعت کے لیے مانگ لیا لیکن بعد میں اسے نہیں چھاپا اور مجھے فون پر بتایا کہ وہ ''نعت رنگ'' کی بجائے کسی اور پرچے میں اسے چھپوائیں گے۔ میں نے اس مضمون میں لکھا تھا:

''مجلّہ ''نعت رنگ'' کراچی کی حالیہ اشاعت (شمارہ ۱۳) میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے اس (ڈاکٹر محمد صدرالحسن ندوی کے) مقالے کے تعارف میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے (۵)۔ اس سلسلے میں

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لیے ۱۹۴۷ء تقسیم ہند کے دکھ کا نہیں' قیامِ پاکستان کی مسرتوں کا سال ہے لیکن بھارت نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود پاکستان کی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا لہٰذا ''اکھنڈ بھارت'' ان کے خوابوں کی ایک زندہ حقیقت ہے۔ اسی لیے صدر الحسن ندوی کے مقالے کا عنوان ہے۔ **"دراسات فی المدائح النبویه بالهند باللغة العربیه"**۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ ''ہندوستان میں عربی نعت گوئی'' کے اس عربی مقالے میں صرف بھارت کے عربی نعت گوؤں کا ذکر ہوگا۔ نہیں۔ مطلب ''برصغیر پاک و ہند'' ہی ہے لیکن کہا ''ہندوستان'' ہی جاتا ہے۔ کیوں کہ مقالے میں علامہ اصغر علی روحی کا ذکر ہے جو گجرات کے تھے۔ محمد یوسف بنوری پشاور میں پیدا ہوئے۔ مفتی جمیل احمد تھانوی پاکستانی ہیں۔ مفتی محمد شفیع ۱۹۴۸ میں اور محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۴۹ میں پاکستان آ گئے تھے۔ ظفر احمد تھانوی نے ڈھاکا میں پہلا پاکستانی پرچم لہرایا تھا''۔

''نعت رنگ'' کی دوستیاں اور محبتیں برحق کہ ان کا دائرہ ایڈیٹر کی حد تک احقر سے بھی ہے۔ لیکن میں ایک بار دہرانا چاہتا ہوں کہ میں نعت گو کے عجز کو نعت گوئی کا ساتھ لازم و ملزوم سمجھتا ہوں اور قطعاً اس گمان میں نہیں ہوں کہ میرے کلام میں کوئی خامی نہیں۔ میں نعت گوؤں کی آخری صف میں جگہ پانے کا خواہش مند ہوں۔ بشر بھی ہوں۔ غلطیوں اور خامیوں سے مبرا نہیں ہوں۔ جب میرا اس باب میں کوئی دعویٰ ہی نہیں ہے تو شمیم گوہر صاحب کو میری غلطیاں تلاش کرنے بلکہ گھڑنے کے لیے اتنی تگ و دو کیوں کرنی پڑی .... اور پھر غلطی کون نہیں کرتا۔ جب غالب جیسا بڑا شاعر ''دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے'' کا مرتکب ہو سکتا ہے اور یار لوگوں نے اس کی اور بہت سی غلطیوں کی نشاندہی بھی کر رکھی ہے تو کون غلطیوں سے پاک کلام کہہ سکتا ہے۔

کوئی بہت بڑا ادیب' جو عروض کو سمجھتا' زبان کو جانتا' عربی سے مخاصمت نہ رکھتا' نعت کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتا' اور خود بہت اچھا شاعر ہوتا' .... میرے کلام پر اعتراض کرتا تو میں اس کا شکریہ ادا کرتا لیکن ڈاکٹر شمیم گوہر (جن کی علمیت' زبان دانی' عروض سے واقفیت' عربی سے ایک خاص تعلق اور شاعری کا معیار آیندہ صفحات میں ثابت ہو جائے گا) نے جس طرح ''غلطی سازی'' کا تردد کیا ہے' اس پر میں ان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

سب سے پہلے تو ڈاکٹر گوہر کی درج ذیل عبارتیں پڑھیے اور سر دھنیے:

.... تو دوسری طرف نعتیہ شعری رفتار کے ذریعے فریضے اور ان کی ایمانی کارکردگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ راجا صاحب عشقِ رسالت کے متعلق بعض مسائل و پیچیدگی اور عیوب و نقائص کو

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

دیکھتے ہوئے حیرت بھی ہوئی کہ......'' (ص ۳۲۵)

''دیارِ نعت میں راجا صاحب نے احتیاط و اجتناب اور فنی قباحتوں کو متعدد مقامات پر بے لگام چھوڑ دیا ہے'' (ص ۳۲۶)

''اب یہ زبان نہ صرف غیر مستعمل بلکہ متروک بھی قرار دی جا چکی ہیں'' (ص ۳۲۶)

''سو کی واؤ گر گیا''۔ ''رسول کی ل گر گیا''۔ پر کی ر گر گیا (ص ۳۲۸)۔ ''کل کی ل گر گیا (ص ۳۲۹)۔ ''مفہوم پر کوئی ضرب نہیں آیا'' (ص ۳۲۹)

انھوں نے میرے بعض مصرعوں میں الفاظ یا بدل دیے ہیں یا کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً

''تھے اور بھی رسل مگر رب نے حبیب ﷺ کو''

میں مگر کو گر لکھا ہے۔ (ص ۳۲۸)

''سدرہ کی منزل پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ''

میں پہ کو پر اور سمجھ کو سمجھو کر دیا ہے۔ (۳۲۹)

''پیچھے پڑی ہیں آج کل بیماریاں بہت''

میں کل کے بعد ''تک'' کا اضافہ کر دیا ہے۔ (۳۲۹)

مدینے　رسا　لازماً　ہو　گے　تم
بڑھاؤ　قدم　رہگزر　کی　طرف

کی طرف کو ''کے لیے'' میں تبدیل کر دیا ہے (ص ۵۲۹)

اگر اس معاملے میں ڈاکٹر شمیم گوہر کو اور کوئی جواب نہ سوجھے اور اپنی عبارتوں اور میرے مصرعوں میں تبدیلیوں کو کمپوزنگ اور پروف خوانی کی غلطیاں قرار دیں تو پھر سوچنا چاہیے کہ انھوں نے میرے مجموعے کی کسی ''غلطی'' کو کس مقصد سے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطی نہیں سمجھا۔ ہر ایسی بات پر بھی مجھی پر برسے ہیں۔

اب آیئے' ڈاکٹر صاحب کے ''مطالعے'' کا جائزہ لیں۔

پہلے　پہل　نگاہیں　چکاچوند　آ گئیں

اس پر حضرت نے لکھا۔ ''آنکھوں کا چکاچوند ہونا محاورہ تو جانتا ہوں' ''چکاچوند آ گئیں'' کی مجھے کوئی خبر نہیں۔'' ڈاکٹر صاحب کو پڑھنے کا ذوق نہیں' لکھنے کا شوق ہے اور وہ بھی شاید نیا نیا چرایا ہے۔ اُردو محاورہ تو ''آنکھیں چکاچوند آنا/لگنا'' ہی ہے' ہندی میں ''چکاچوند'' ہونا ہو تو پتا نہیں کیوں کہ ہندی سے

غایت درجہ محبت ان کی نعت میں بھی نظر آتی ہے (جس کا ذکر آگے آئے گا)

نور اللغات:

چکا چوند آنا۔ چکا چوند لگنا۔ آنکھوں کے آگے روشنی کے باعث اندھیرا آنا۔ تابِ نظارہ نہ آنا (۶)

فرہنگ آصفیہ:

چکا چوندی لگنا یا آنا۔ فعل لازم۔ آنکھوں کے آگے روشنی کے باعث اندھیرا آنا۔ تابِ نظارہ نہ لانا (۷)

مختصر اُردو لغت (۸)

قائد اللغات (۹)

علمی اُردو لغت (۱۰)

جدید نسیم اللغات اُردو (۱۱)

کفایت اُردو لغت (۱۲)

فرہنگ ِ کارواں (۱۳)

اظہر اللغات (۱۴)

صرف ''فرہنگِ آصفیہ'' میں بحر کے اس شعر میں ''چکا چوند ہونا'' استعمال ہوا ہے مگر یہاں آنکھوں کا معاملہ نہیں ہے۔

سورج مکھی کو بحر چکاچوند ہو گئی
تم نے ذرا جو داغ سے پھایا اُٹھا لیا

احقر کا شعر ہے:

میرے آقا ﷺ عطا ہیں اور میں ہوں خطا
دیکھ لو انتہائیں کیا کیا ہیں

''انتہا کی جمع ''انتہائیں'' عموماً مروج نہیں۔ مگر بعض حالات میں معنی کی کسی صورت کو کلی طور پر اپنی انفرادیت کے ساتھ واضح کرنے کے لیے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ واضح ہو کہ انفس و آفاق کے دائرے میں فکرِ انسانی کئی جہتوں سے عمل پیرا ہے۔ حیات و کائنات کے بارے میں فکرِ انسانی کی صرف ایک انتہا نہیں، کئی انتہائیں ہیں۔ اس کے بغیر اس کی باطنی مہمات کو ورطۂ تحریر میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ان فکری مراحل کے ابلاغ کے لیے صرف ''انتہا'' سے کام نہیں بنتا' فکر کی گونا گونی کے پیش نظر یہ قطعاً اجتہادی عمل نہیں بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ شاعر اپنے افکار کا اسی طرح ابلاغ کر سکے جس طرح اس کی

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

قوتِ حاسہ نے ادراک کیا ہے۔ نہ صرف زبان اُردو میں' بلکہ ہر زبان میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ ڈاکٹر گوہر اگر چاہیں گے تو اس پر سیر حاصل گفتگو کی جا سکے گی۔

''میں ان کی بارگاہ میں ہوں التجا کناں''

ڈاکٹر گوہر نے شاید سوچے سمجھے بغیر اس پر اعتراض جڑ دیا ہے۔ بے شک ''کن'' کردن کا امر ہے اور اسم فاعل وضع کرنے کی صورت میں مرکبات میں اسم کے آخر میں لایا جاتا ہے مگر یہاں ''کناں'' استعمال کیا ہے۔ اور شعرا کے ہاں گریہ کناں' نوحہ کناں' سجدہ کناں' نالہ کناں کا استعمال ملتا ہے۔ اگر ڈاکٹر گوہر نے اچھے شعرا کا کلام نہ پڑھا ہو تو مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں:

یادِ رسولِ پاک ﷺ میں راتیں ہماریاں
رب نے حبیب کی کریں دلداریاں بہت

بے شک ہماریاں' بھاریاں' کریں .... یہ زبان متروک ہے اور اب شعرا حضرات عموماً ایسی زبان استعمال میں نہیں لاتے مگر یہاں میر تقی میر کی زمینوں میں نعت کے گل کھلائے جا رہے ہیں۔ یہاں کہیں کہیں خدائے سخن کی زبان اور ان کا لب و لہجہ برقرار رکھنا تو حسن ہے۔ بعض اوقات میر کے لہجے میں نعت کا رنگ ڈھنگ نہایت بھلا اور خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ امیر خسرو کو گزرے قریب قریب آٹھ سو برس ہو گئے مگر ان کی زبان میں کہے ہوئے گیت آج بھی اسی طرح دلوں پر اثر انداز ہیں جس طرح اُن کے زمانے میں' بلکہ آج کے زمانے میں اس دور سے زیادہ۔ آج بھی کبھی کبھی ان کی زبان کا استعمال دیکھنے میں آ جاتا ہے۔ جن کی اثر انگریزی کا اپنا ہی لطف ہے۔ شان الحق حقی نے امیر خسرو کی تقلید میں غزل کے اندر رہ کر ایک ''کہ مکرنی'' کہی ہے اور خوب کہی ہے۔ کہتے ہیں:

سر سے گزرے تو پھر نہ ملنے آئے
اے سکھی سائے نہ سکھی ساجن

ڈاکٹر گوہر فرمائیں کہ اب ''اے سکھی'' کہاں استعمال ہوتا ہے۔ اور خاطر جمع رکھیں کہ کبھی کبھی ایسی تقلید سے مروجہ زبان بدل نہیں جاتی۔ بعض قدما کے اشعار اپنے اپنے دور کی مروجہ زبان میں ایسی منزلت کے حامل ہو گئے ہیں کہ زمان و مکان کی قیود سے نکل گئے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

احقر کے مصرعے ''کچھ ماہ تک تو مجھ پر اس کا اثر رہے ہے'' میں بھی ''رہے ہے'' پر متروک زبان کا الزام لگایا گیا ہے۔ رشید حسن خاں نے ''زبان اور قواعد'' میں ایسے ''متروک افعال'' کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''ایسے افعال کو متروک قرار دینا زبان اور حسنِ زبان، دونوں کی جان پر ستم کرنا ہے۔ شکر ہے کہ اُس زمانے میں بھی سب نے اس غیر مناسب فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تھا اور آج تو اکثر لوگ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں''۔ (۱۵) انھوں نے ہندی یا اُردو فعل کی اس قدیم صورت کے بارے میں فراق گورکھپوری کی یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ ''اس قدیم شکل میں واحد و جمع بھی صرف ''ہے'' کو ''ہیں'' کردینے سے بن جاتا تھا''۔ فراق نے ولی دکنی کا شعر یہ کہہ کر پیش کیا کہ ''اس پر مہذب دُنیا کی مہذب سے مہذب شاعری وجد کرتی رہے گی''

ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی
مرے گھر اس طرح آتا ہے جیوں سینے میں راز آوے (۱۶)

رشید حسن خاں نے لکھا: ''ایسے مصرعے یا شعر کسی طرح کی عدم فصاحت سے گرانبار نہیں معلوم ہوتے۔ اس کے برعکس حسنِ بیان کے آئینہ دار ہوتے ہیں جیسے (غالب)

آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب
ڈھونڈے ہے اس مغنی آتش نوا کو جی

آج کل تو ایسے افعال کو بے تکلف استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً ردیف یا قافیے کے طور پر۔ خود فراق نے ایسے افعال کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے جیسے ان کی وہ غزل جس کا ایک سادہ و تہ دار شعر یہ ہے:

جو بے خواب رکھے ہے تا زندگی
وہی غم کسی دن سلا جائے ہے (۱۷)

''نکاتِ سخن'' میں رئیس المتغزلین حسرت موہانی نے لکھا تھا۔ ''راقمِ حروف کے نزدیک بھی اس قسم کے الفاظ کا ترک جائز ہے لیکن ضرورت شاعری کے خاص موقعوں پر، بہ شرطِ مشاقی کامل، ان کے استعمال میں بھی کچھ مضائقہ نہ ہونا چاہیے۔ مثلاً مرزا نسیم دہلوی کا ایک مصرع ہے

رحم آجاتا ہے دشمن کی گرفتاری پر

مرزا صاحب اگر زبانِ لکھنو کی پابندی سے آزاد ہو کر ''رحم آجاتا ہے'' کی جگہ ''رحم آجائے ہے'' لکھتے تو کچھ ہرج نہ ہوتا بلکہ غالباً بہتر ہوتا۔ یہی حال بیخود دہلوی شاگردِ داغ کے اس مطلعے کا ہے:

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

کوئی چل جاتا ہے جب تیرِ نظر تیر کے ساتھ
خود تڑپ جاتا ہے صیاد بھی نخچیر کے ساتھ

اب متقدمین سے لے کر متوسطین و متاخرین و شعرائے دورِ حاضر کے کلام سے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں .... (یہاں حسرت نے قائم، مصحفی، ممنون، غالب، بنواری لال شعلہ، شاکر میرٹھی وغیرہ کے علاوہ اپنا یہ شعر بھی نقل کیا:

کامیابِ عشق بے حد ہے دلِ عشرت نصیب
آرزو کے سر سے گزرا جائے ہے آبِ نشاط (۱۸)

اگر ڈاکٹر گوہر کو لکھنے کے ''تازہ'' شوق سے زیادہ، پڑھنے کا ''قدیم'' ذوق ہوتا تو انھیں بہت سی باتوں کا علم ہوتا اور وہ بے معنی اعتراضات کی باڑھ مارنے سے باز رہتے۔

احقر نے ''انھی'' لکھا تو ڈاکٹر گوہر نے فرمایا۔ ''انھیں'' کے حق میں تحریف ناجائز و غلط ہے، انھی کی بجائے انھیں ہونا چاہیے، یہی رائج ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدیم یا جدید، پڑھنے کی کسی قسم کی عادت سے حضرت کو الرجی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انھی، تمھی دراصل ان ہی، تم ہی ہے۔ اس میں ''ں'' کا اضافہ اگر ہوا تو بے جواز تھا۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ اب مقتدرہ قومی زبان نے طے کر دیا ہے کہ یہ الفاظ تمھیں، انھیں نہیں تمھی، انھی لکھے جائیں کہ یہی درست ہیں۔ اس سے ''تمھی وہ شخص ہو'' اور ''تمھیں یہ کام کرنا چاہیے'' کے تمھی اور تمھیں میں فرق بھی ہو سکے گا۔ لیکن ڈاکٹر گوہر نے (جنھوں نے شاید ڈاکٹریٹ علم دشمنی میں کی ہے) تمھی کو ''ناجائز اور غلط'' فرمادیا۔ یاللعجب!

ڈاکٹر صاحب کی زبان دانی تو واضح ہوگئی، اب ان کی ''عروض فہمی'' دیکھیے۔ میرا مصرع ہے:

حاضری کی کوئی نہ کوئی تو صورت چاہیے

حضرت گوہر نے اس پر اپنا ''فرمانِ واجب الاذعان'' جاری فرمایا۔ ''مصرع خارج از بحر''۔

حضرت! اس مصرع میں ''کوئی'' کی ''ی'' دبی اور ''و'' دب گیا۔ مصرع خارج از بحر کس طرح ہوگیا۔ تقطیع اس طرح ہے۔

''حاضری کی'' فاعلاتن۔ ''کوئی نہ کو'' فاعلاتن۔۔ ''ئی تو صورت'' فاعلاتن۔ ''چاہیے'' فاعلن۔

کہا جاتا ہے کہ ناسخ نے کلمے کے آخر سے الف، واؤ، ی کو بے تکلف نہ گرانے کی ہدایت کی تھی، اگرچہ ناسخ کی کوئی ایسی تحریر موجود نہیں۔ اصل میں ایسے اکثر قاعدوں کے واضع رشک (تلمیذِ ناسخ) تھے۔

آخر آخر میں داغ نے بھی اس قاعدے کی پابندی کو ضروری قرار دیا اور احسن مارہروی کی فرمائش پر جو طویل قطعہ لکھا' اس میں کہا:

عربی فارسی الفاظ جو اُردو میں کہیں
حرفِ علت کا بُرا ان میں ہے گرنا' دبنا
الفِ وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں
لیکن الفاظ میں اُردو کے' یہ گرنا ہے روا(۱۹)

آرزو لکھنوی نے اس پر یہ رائے دی ہے۔ ''الف' واؤ اور ی عربی کے لیے حروفِ علت ہیں مگر اُردو کے لیے حروف اتمامِ حرکات ہیں...... لہٰذا کتابت میں ان کا آنا صرف اظہارِ حرکت کے لیے ہوتا ہے۔ ایسے تمام حروف کا اسقاط جائز ہے' چاہے وہ عربی و فارسی کے کیوں نہ ہوں مثلاً ''نفسی نفسی'' میں پہلی ''ی'' بولتے وقت دبتی ہے' لہٰذا اس کا اسقاط ہی فصیح ہے......''۔

پڑی ہے ہر اک کو اپنی اپنی' ہے انبیاء میں بھی نفسی نفسی
تمھی کو اک رٹ ہے ''اُمتی'' کی' شفیع روزِ جزا تمھی ہو(۲۰)

ایسے میں کوئی کی ی اور تو کی و دبنے سے مصرعے کو ''خارج از بحر'' قرار دینے والا علم و دانش کی جس ''کے ٹو'' پر دکھائی دیتا ہے' وہ ظاہر و باہر ہے۔

یہی حال ڈاکٹر گوہر کی پی ایچ ڈی نے میرے مصرعے

پندرہ سو سال ہونے کو آئے ہیں نعت کو

کا کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''سو'' کی ''واؤ'' گر گیا۔ مصرع خارج از بحر''۔ حسرت موہانی نے ''نکاتِ سخن'' میں واؤ کے گرنے دبنے کی جو مثالیں دی ہیں' ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:

تنہا: کوچے میں ترے' ہم بھی گزر کرتے تھے گاہے
اور واں کی زمیں رو رو کے تر کرتے تھے گاہے

مومن: سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

تسلیم لکھنوی: کس لیے چارہ گرِ درد تو تدبیر میں ہے
ہو رہے گی کبھی صحبت بھی جو تقدیر میں ہے

عزیز لکھنوی: ہمہ تن محو رہا گو کہ تو خود بینی میں
آئنہ تجھ پہ ترا منظرِ اصلی نہ ہوا

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

حسرت موہانی: حسرت بہت ہے مرتبۂ عاشقی بلند
تجھ کو تو مفت لوگوں نے مشہور کر دیا(۲۱)

''زبان اور قواعد'' میں واوٗ کے سقوط کے جواز میں یہ مصرعے دیئے گئے ہیں:

تم کو ہے وصلِ غیر سے انکار
منہ اس نے چڑایا تو ہنسی آ گئی مجھ کو

رشید حسن خاں لکھتے ہیں:۔''لفظ کے آخر سے' خواہ وہ کسی زبان کا ہو' حروفِ علت کا دبنایا گرنا اساتذۂ متقدمین کے نزدیک مطلقاً معیوب نہیں تھا۔ بیشتر اساتذۂ متوسطین کا بھی یہی مسلک تھا'' (۲۲)۔آرزو لکھنوی نے لکھا کہ فارسی میں ہائے مخفیہ کا اسقاط ہی فصیح سمجھا جاتا ہے۔''تو'' اور ''جو'' کا واوٗ بھی ظاہر ہو تو غیر فصیح ہے(۲۳)۔

احقر کا شعر ہے:

دیکھ لے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضے کو جی بھر کر رشید
اس کو عزرائیل صاحب! اتنی مہلت چاہیے

ڈاکٹر صاحب نے ''عزرائیل صاحب'' میں توہین کا پہلو نکال لیا۔جس کیفیت میں یہ شعر کہا گیا' اس کے پیش نظر اسے صاحب کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔اس میں ایک نامعلوم سی رندانہ جرأت' ایک خفیف سے طنز کے ساتھ شامل ہے۔یاد رہے کہ شعرا حضرات نے مضامین آفرینی کے پردے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بالعموم اور قرآنی آیات کے بارے میں بالخصوص جو گل کھلائے ہیں' وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔''نکاتِ سخن'' میں حسرت موہانی کو اس سلسلے میں ایک باب قائم کرنا پڑ گیا۔ڈاکٹر صاحب فرما رہے ہیں کہ ''مہلت دینا'' رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے' عزرائیل علیہ السلام کے اختیار میں نہیں''۔لیکن شعری قرینے کو نہیں سمجھتے۔اس میں کہنے والا اپنا ایمان قائم رکھتا ہے۔ڈاکٹر صاحب میرے ایمان کے بارے میں خاطر جمع رکھیں۔

احقر کا شعر ہے:

میں نے جب ان کو استلام کیا
میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابتسام کیا

اس پر فرمایا گیا ''لفظ استلام نہیں' استسلام ہے۔باب استفعال کے وزن پر جس کا مفہوم سلامتی طلب کرنا' سر جھکانا یا اسلام قبول کرنا وغیرہ''۔

عربی زبان سے حضرت کو جتنی واقفیت اور محبت ہے' اس کا اظہار تو ''اہمیت'' کو غلط اور لغو کہنے ہی سے ہو گیا تھا' یہاں ڈاکٹر صاحب نے کسی سے پوچھ کر ''استسلام'' تو لکھ دیا ہے لیکن اس سے ایک تو یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ حضرت کو حج یا عمرے کی نہ سعادت نصیب ہوئی ہے' نہ وہ ایسے کسی سعادت مند شخص سے ملے ہیں۔ ورنہ انھیں معلوم ہوتا کہ حجرِ اسود کو استلام کیا جاتا ہے یعنی بوسہ دیا جاتا ہے یا چھوا جاتا ہے یا دور سے سلام کیا جاتا ہے۔ انھیں کسی نے ''استسلم'' تک تو پہنچا دیا ہے جس کا مطلب فرمانبردار ہونا' مطیع ہونا' مان لینا' عاجزی کرنا یا ہار جانا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ''استلم'' کی ڈاکٹر صاحب کو خبر نہیں ہونے دی گئی۔ ملاحظہ فرمائیے:

''استلم. الحجر۔ چھونا۔ (سلمة بمعنی پتھر سے ماخوذ ہے) بوسہ دینا۔ اور بسا اوقات پتھر کے علاوہ دوسری چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ تم کہتے ہو ''اسلمت یده''۔ میں نے اس کے ہاتھ کو چھوا یا بوسہ دیا'' (۲۴)۔ ''المعجم الاعظم'' میں ہے۔ استلم۔ الحجر (پتھر کو) ہونٹ یا ہاتھ سے چھونا۔ چومنا' بوسہ دینا' بغل گیر ہونا۔ کسی دی ہوئی چیز کو لے لینا یا وصول کرنا (۲۵)۔

اب چونکہ حجرِ اسود کو چومنے' چھونے یا دور سے سلام کرنے کو استلام کہتے ہیں اس لیے اسے دست بوسی یا قدم بوسی یا دور سے محبت و عقیدت سے سلام کرنے کے معنوں میں استعمال کرنا ہر طرح سے درست ہے۔

محمود شکوہ رب سے تو کرتے رہے ہیں سب
لیکن کسی کو اس کے نبی ﷺ سے گلہ نہیں

ڈاکٹر گوہر نے الزام لگایا ہے کہ شاعر نے رسول (ﷺ) کی عظمت کو خدا کی عظمت سے بڑھا دیا ہے۔ خدا کے بندے! اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک کے بعد اس کی سب سے بڑی صفت ربوبیت ہے۔ وہ پالنے والا ہے' وہ رزق دینے والا ہے' وہ عزت و ذلت دینے والا ہے' وہ منعم ہے' معطی ہے۔ حضور رسول اکرم ﷺ معطی نہیں' قاسم ہیں۔ ان کی وساطت سے ملتا ہے مگر دینے والا تو رب کریم ہے۔ اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ اکثر لوگ انتہائی عسرت کے زمانے میں اپنے اللہ سے شکوہ کر بیٹھتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو معاشی لحاظ سے ہمیشہ کمتر سمجھتے ہوئے تاحیات اپنی ذہنی اور باطنی کیفیات میں خدا سے شاکی رہتے ہیں۔ ایسے اشخاص کی تعداد نہایت کم ہے جو مقدر پر مطمئن ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے انسان کی اس خصلت کو بھی مختلف واقعات کے آئینے میں کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس نبیٔ پاک ﷺ سے شکوہ کیسا؟ وہ نہ رب ہیں' نہ

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

خالق ہیں، نہ رازق ہیں۔ یہ تو سب سنتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے مجھے یہ نہیں دیا، فلاں کو یہ دے دیا۔ کبھی کسی نے حضور رسول کریم ﷺ کے بارے میں بھی کوئی ایسی بات کی ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ نے کیا کر دیا۔ احقر نے تو شاعرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ساتھ حضور ﷺ کے عابد و مخلوق لیکن محبوب ہونے کی بات کرتے ہوئے ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے تو شکوہ کرتے ہیں، حضور سرورِ کائنات ﷺ سے کوئی گلہ گزار نہیں ہوتا۔

اور............حضور پُرنور ﷺ سے گلہ گزار نہ ہونے کی الوہی ہدایت تو اس حوالے سے بھی ہے کہ **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** (۲۶)۔ کہ اپنی آوازوں کو حضور ﷺ کی آواز سے نیچا رکھو۔ بصورت دیگر ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال سلب کر لیے جائیں۔ **ان تحبط اعمالکم**۔ ڈاکٹر صاحب نے لفظ ''سب'' پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جبکہ بالکل واضح بات ہے کہ یہاں سب سے مراد قریب قریب سبھی لوگ ہیں۔ اور سبھی لوگ کہنے سے مدعا اس حقیقت کو بیان کرنا ہے کہ سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے، کوئی بھی انسان ایسا نہیں جو اس عنصر کا حامل نہ ہو۔ فکر و خیال کی حدوں سے تو اس عنصر کو انسانی دسترس سے نکال باہر کرنا ممکن نہیں۔ انبیاء تو معصوم عن الخطا ہیں۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ڈاکٹر گوہر نے شکیل بدایونی کا یہ مصرع خیالات کے کس تناظر میں تحریر کر دیا کہ

حالی نے زباں سے اُف بھی نہ کی، اقبال شکایت کر بیٹھے

حالی اور اقبال کے ذکر میں پانی پت اور لاہور کو نہیں، ان دونوں کی شخصیات اور ان کے فکر و نظر کی سطوت اور عظمت کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ معاف کیجیے۔ انسان کی عظمت فلسفیانہ اور حکیمانہ نقطۂ نظر سے جیسے اقبال پر آشکار تھی، کیا حالی ان بلندیوں سے آشنا تھے؟ اقبال کی نظر کم و بیش سبھی فلاسفۂ یونان کا احاطہ کرتے ہوئے برگساں سے بھی آگے گزر گئی تھی۔ قرآن کا مطالعہ انھوں نے اپنی باطنی حسیات اور قلبِ سلیم کی رہنمائی میں کیا تھا۔ حالی کا مقام اپنی جگہ کہ انھوں نے اپنے دور میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے جو کچھ کیا، اس کے شکریے سے مسلمانانِ برصغیر عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ خود علامہ اقبال کئی بار ''مسدس حالی'' پڑھ کر اشکبار ہوئے اور داغ پر جو نظم کہی اس میں ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کس سچائی سے کہہ دیا:

یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالی رہ گیا

انسانی عظمت کو جلال الدین رومیؒ کے بعد جس انداز میں اقبال نے بیان کیا، وہ انھی کا حصہ

ہے۔ ڈاکٹر گوہر کو کیا کہیں کہ انھوں نے ''مطالعے'' کی پٹی باندھ رکھی ہے' کوئی صاحبِ علم فرمائے' کیا حالی یہ شعر کہہ سکتے تھے؟

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ!

ڈاکٹر شمیم گوہر کی ''ژرف نگاہی'' کو میرے درج ذیل شعر میں بھی بہت کچھ نظر آ گیا ہے:

میں چند دن جو آقا ﷺ کے شہر میں رہوں ہوں
کچھ ماہ تک تو مجھ پر اس کا اثر رہے ہے

اس شعر میں حقیقت نفس الامری کا بیان ہے اور درست ہے۔ اصحابؓ رسول ﷺ نے ایک بار حضور نورِ مجسم رحمتِ ہر عالم ﷺ سے کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا خطبہ سننے سے ہم پر جو اثر آپ کی موجودگی میں ہوتا ہے' جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اصحابؓ رسول ﷺ بھی اس وقت حقیقت نفس الامری کا اظہار کر رہے تھے۔ فاضل معترض کا یہ کہنا کہ ''وہاں کا ایک لحہ بھی تمام زندگی پر بھاری ہے''۔ بے شک درست ہے لیکن اس کا اس شعر سے کیا تعلق ہے۔ میرے شعر میں کچھ ماہ کے بعد پھر بارگاہِ مصطفیٰ (ﷺ) میں حاضری کی خواہش جاگتی ہے کیوں کہ عمرے پر زائر سال میں ایک ہی بار جا سکتا ہے اور پہلے ویزا چودہ دن کا ہوتا تھا' اب ایک ماہ کا ہوتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو تو لاَّئی مدینہ طیبہ نہیں گیا' وہ ترستا ہے اور جو ہو آیا ہے' وہ تڑپتا ہے۔ میری یہ تڑپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پچھلے پندرہ برسوں میں پندرہ بار رنگ لائی ہے۔ میرے شعر میں پھر حاضری کی تڑپ نظم ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو بھی یہ تڑپ عطا کرے۔

احقر کا مصرع ہے:

تھے اور بھی رسلؑ مگر رب نے حبیب ﷺ کو

ڈاکٹر صاحب! اس مصرع میں رسل کا لام نہیں گرتا۔ کسی سے تقطیع کروا کے دیکھ لیجیے۔

میں تو بے زبان ہوں' کوئی اہلِ زبان یا زبان دان درج ذیل دونوں فقروں میں سے غلط یا صحیح کی نشان دہی کر دے تو اچھا ہے۔

ہاتھ تو باندھے ہوئے ہوں (رشید)
ہاتھ تو باندھے ہوا ہوں (گوہر)

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

احقر کا شعر ہے:

دل گرا میرا گویا کٹ کٹ کر
آ گئیں گھڑیاں جب جدائی کی

ڈاکٹر صاحب نے یہاں بھی لاطائل بحث کی ہے۔اس میں صداقت، محبت اور حقیقت حال سب کچھ ہے۔اس میں قطعاً غلو نہیں۔

رسولِ پاک ﷺ نے محمود خواب میں آ کر
مرا سلام لیا اور بہ ابتسام لیا

ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں محض رعایتِ شعری کے تحت رویتِ نبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے'شاید ان بعض الظن اثم (۲۷) کی ذیل میں آتا ہو۔اس معاملے میں انھیں ایسی جرأت نہ کرنا چاہیے تھی۔ میں اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑتا ہوں اور ڈاکٹر صاحب کو نیکی کی ہدایت کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔

سدرہ کی منزل پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ

ڈاکٹر گوہر نے میرے اس مصرعے کو نقل کرتے ہوئے''پہ''کو''پر'' کر دیا ہے اور سمجھ کو''سمجھو'' لکھا ہے۔ پھر اہمیت کو درست اور''اہَمیت'' کو غلط اور لغو قرار دیا ہے۔حالانکہ میں نے لفظ کو اس کے صحیح املا کے ساتھ باندھا ہے اور ایسا کرنا ہی جائز تھا۔البتہ کسی لفظ پر چار حرکات مسلسل آ جائیں تو پھر سکون کا استعمال جائز ہے۔''اہمیت'' کی حرکات یوں ہیں۔

اہم۔ی۔یت

لیکن ڈاکٹر گوہر کی پی ایچ ڈی یوں بولی''اہمیت تو ایک آسان اور عام لفظ ہے جیسے''حے شیت''۔''اص لیت''۔''فوقیت''۔''فرضیت''۔اسی طرح''اہ میت''مگر مصرع میں''اہم میت''استعمال کیا گیا۔غلط اور لغو ہے۔مصرع خارج از بحر بھی''۔

لوگو! علمیت کی اس سطح کو کیا کہو گے۔ڈاکٹر گوہر نے اعتراضات کی باڑھ مارنے کے شوق میں اپنی بے علمی کو ظاہر کر دیا۔ یہ لفظ عربی کا ہے۔عربی لغات تو ڈاکٹر گوہر کیا دیکھتے' کوئی اُردو لغت ہی دیکھ لیتے تو گریبان میں منہ ڈال کر رہ جاتے۔افسوس کہ مدیر''نعت رنگ'' بھی ہر رطب و یابس کو تنقید سمجھ لیتے ہیں' پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ادارتی ذمہ داریاں نبھانا تو دور کی بات ہے۔ڈکشنریاں دیکھ لیجئے' یہ لفظ عربی کا ہے اور''اہَمیت''ہی ہے(۲۸)۔اور راقم چونکہ طالب علم ہے'ڈاکٹر کیا' کمپاؤنڈر بھی نہیں'

اس لیے پڑھتا ہے اور لفظ کے صحیح استعمال کی کوشش کرتا ہے۔

محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے کا ایک مصرع ہے:

جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورشِ ابرِ سیاہ

یارلوگوں نے کہا کہ یہاں محسن نے غیر موزوں مصرع کہہ دیا جو بحر سے خارج ہو گیا مگر جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ انھوں نے یہاں ''یورش'' بروزن ''فعلن'' نہیں بلکہ اس کے اصلی تلفظ ''یرش'' یعنی ''فعل'' کے وزن پر باندھا ہے۔

مدینے رسا لازماً ہوگے تم

اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے لاطائل بحث کی ہے۔ لفظ ''رسا'' پہنچنے کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے تو مدینے رسا ہونا بھی درست ہے۔

ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت پر ایک نظر

ڈاکٹر شمیم گوہر نے ''نعت رنگ'' کے جس شمارے میں ''دیارِ نعت'' کے مطالعے میں اپنی علمیت کے جھنڈے گاڑے ہیں، وہاں اپنی شاعرانہ حیثیت بھی متعین کرنا چاہی ہے۔ ''دیارِ نعت'' میں میر تقی میر کی زمینوں میں ۵۳ نعتیں ہیں جو ۵۱۷ اشعار پر مشتمل ہیں۔ اس مجموعۂ نعت کے مطالعے سے جو نتائج ڈاکٹر شمیم گوہر نے حاصل کیے، وہ گزشتہ شمارے میں چھپ چکے ہیں، اب میری وضاحتیں بھی سامنے ہیں، قارئینِ نعت رنگ خود کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ لیکن شمارہ ۱۵ ہی میں ڈاکٹر گوہر کی چھے اشعار کی جو نعت چھپی ہے، اس پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے تا کہ ان کے ناقد ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر ہونے کی حیثیت بھی ابھر کر سامنے آ سکے۔

ہر اک نفس پہ احساں ہے سرکار آپ کا

ممنون ہے نصیب یہ سو بار آپ کا

''ہر اک نفس'' میں ''اک'' حشو ہے۔ ''ہر ہر نفس'' یا ''اک اک نفس'' بھی درست تھا۔ یہاں ''احساں'' میں اعلان نون چاہیے۔ اگرچہ بعض شعرا حضرات احساں بھی باندھتے ہیں مگر یہ نکتہ کہ یہاں ''احساں'' میں اعلان نون ہونا چاہیے، مزاولت کا رہین منت ہے۔

یہ مصرع اس طرح درست کیا جا سکتا ہے:

احسان ہر نفس پہ ہے سرکار ﷺ آپ کا

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

پہلے مصرع کا تقاضا تھا کہ دوسرے مصرع میں اپنے نصیب کو ''یہ نصیب'' کہ کر پیش کرنے کے بجائے خود کو کسی حقیر یا ادنیٰ صفت سے وابستہ کر کے پیش کرتے۔

کیسے کہوں کہ ہو گی نہ مجھ پر نگاہ رحم
بھرتا رہے گا دم یہ گنہ گار آپ کا

بے شک ''نگاہ رحم'' بھی درست مگر ''نگاہ کرم'' کے کیا کہنے۔ اس میں شفاعت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ مگر یہاں شاعر کو محض مصرع موزوں کرنے اور ''نگاہِ کرم'' کو موزوں کرنے کی دقت سے بچنے کے لیے ''نگاہ رحم'' پر اکتفا کرنا پڑا۔ دوسرے مصرع میں کام کا جو تسلسل پایا جاتا ہے اس کا فنی نقطہ نظر سے تقاضا تھا کہ پہلے مصرع میں اس کا اشارہ پایا جاتا تاکہ دوسرا مصرع معنی کے لحاظ سے اپنا تسلسل بھی برقرار رکھتا اور مضبوط ہو جاتا۔ سامنے کا مصرع یہ بھی ہو سکتا تھا:

میں ڈھونڈتا رہوں گا کرم آپ کا حضور ﷺ
بھرتا رہے گا دم یہ گنہگار آپ کا

....

ہر سمت التجائے کرم میں اُٹھے ہیں ہاتھ
پُر ہے گنہ گاروں سے دربار آپ کا

پہلا مصرع پھسپھسا سا ہے۔ ''ہیں ہاتھ'' میں اتصال اور سقوط کا عیب پایا جاتا ہے۔ آپ کا دربار گنہ گاروں سے ''پُر'' نہیں ''بھرا ہوا'' ہونا چاہیے۔ ''پُر'' اور ''بھرا ہوا'' ہونے میں جو نازک فرق ہے افسوس شاعر اس سے واقف نہیں۔ زبردستی کی الگ بات ہے۔ یہاں بھرا ہوا موزوں اور درست ہے۔

اک ذرے پر بھی اپنا نہیں کوئی اختیار
دیوار و در ہیں آپ کے گھر بار آپ کا

اس شعر کے پہلے مصرعے میں شاعر اپنی بے اختیاری کا اعلان کرتے ہوئے کہ رہا ہے کہ ہم اس قدر بے اختیار ہیں کہ ایک ذرے پر بھی اپنا اختیار نہیں ہے۔ اپنی اس بے اختیاری کو اس شدومد سے بیان کرنے کے بعد دوسرے مصرعے میں شاعر کا فرض تھا کہ وہ اپنی بے اختیاری کا ثبوت کوئی سا بھی جواز پیدا کر کے اس طرح واضح کرتا کہ پہلے مصرع میں جس شدتِ احساس وفکر کا اظہار ہوا اس میں کمی واقع نہ ہوتی مگر شاعر ایسا نہ کر سکا۔ یہ کیا غضب ڈھایا کہ ایک بولتے ہوئے مرکب قافیے کی خاطر ''در و دیوار آپ کے'' کہ کر ''گھر بار'' لے آئے۔ مصرعے کے تیور تو یہ ہونا چاہئیں تھے کہ ''در و دیوار آپ کے ہیں اور گھر

بھی آپ کا ہے''، مگر قافیے کی خاطر ''گھربار'' لاکر معاملہ چوپٹ کردیا۔ نیز ''اک ذرے پر بھی اپنا نہیں کوئی اختیار'' کہ کر ذرے کے مادی وجود کی رعایت سے دیوار و در اور ''گھربار'' کا ذکر کرنا قطعاً بے محل، مضحکہ خیز اور غیر مناسب سی بات ہے۔ دیوار و در اور گھربار کو انفس و آفاق کی علامت بھی سمجھ لیا جائے تو بھی مصرع نہایت کمزور اور معنی کے لحاظ سے اکھڑا اکھڑا ہے۔

ہر نقطہ کتاب میں جلوے ہیں آپ کے
قرآں کو دیکھا گویا ہے دیدار آپ کا

دوسرے مصرع میں جب ''قرآں'' استعمال کرلیا گیا تو پہلے مصرع میں لفظ کتاب بمعنی ''قرآں'' تعقیدِ لفظی کا شکار ہوگیا۔ یہاں قرآن کی ضمیر بھی لا سکتے تھے۔ دوسرے مصرعے میں یہ ٹکڑا ''قرآں کو دیکھا'' اپنے فعل ماضی مطلق کے پیش نظر اگلے ٹکڑے ''گویا ہے دیدار آپ کا'' کے لانے کی بنا پر غیر مناسب ہوگیا۔ اس مصرع کی نثر یوں ہوگی۔

''قرآں کو دیکھا گویا آپ کا دیدار ہے''

یہ جملہ نہ صرف گرامر کے لحاظ سے غلط ہے بلکہ روزمرہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں۔ اس غلطی کو اس طرح درست کیا جاسکتا تھا:

اس کے اک ایک حرف میں جلوے ہیں آپ کے
قرآں کی دید گویا ہے دیدار آپ کا

....

ہر اک قدم پہ چاہیے گوہر کو رہبری
چھایا رہے حیات پہ ''اُپکار'' آپ کا

اہمیت کی عربیت سے ڈاکٹر گوہر کی دشمنی ''اُپکار'' کی ہندیت سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ سرکار، بار، دربار، دیدار ایسے قوافی ہیں کہ ان میں کمی نہیں مگر گوہر نے ایسا ہندی لفظ ''اُپکار'' استعمال کیا ہے جو کسی اُردو لغت میں نہیں۔ درست کہ اس لفظ کا مطلب ''بھلائی یا احسان'' ہے مگر اسے کون سمجھے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ نعت کے معاملے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔

آخر میں اس نعت کے بارے میں میرا مجموعی تاثر یہ ہے کہ اس کا ہر شعر فنی نقطہ نظر سے خام ہے۔ میں ہر تعصب سے بالاتر ہو کر عرض کرتا ہوں کہ یہ پوری نعت کسی نومشق شاعر کا کلام دکھائی دیتی ہے۔ نومشق شعراء حضرات اکثر و بیشتر شعر موزوں کرنے کے لیے، درج ذیل الفاظ سے مدد لیتے ہیں۔

''ہر اک''، ''یہ''، ''ہر''، ''پہ''، ''ہے''۔ چھے اشعار کی زیرِ نظر نعت میں ''ہر اک'' دو بار ''یہ'' دو بار ''پہ'' دو بار ''ہے'' تین بار۔ استعمال کیا گیا ہے۔ ''ہر اک'' اور ''ہر'' جس طرح استعمال ہوئے، تحریر کیے دیتا ہوں۔ ''ہر اک نفس''۔ ''ہر سمت''۔ ''اک ذرے''، ''ہر نقطہ'' اور ''ہر اک قدم''۔

اس بندہ بے ہُنر کی ڈاکٹر شمیم گوہر سے التجا ہے کہ از راہ کرم شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر نہ پھینکیے، شعرا حضرات (مجھ سمیت) کو ایسی تنقید سے بچنا چاہیے۔ ہاں! اگر کسی کو استاد شاعر ہونے کا دعویٰ ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے مگر معاف کیجئے آج کل کوئی استاد شاعر رہے نہیں۔ واضح ہو کہ مصرعوں میں حروف کے دب کر نکلنے سے مصرع بحر سے خارج نہیں ہوتا۔ ایسی ''غلطیاں'' تو سبھی شعرا حضرات کے ہاں ملتی ہیں۔ بعض نامی گرامی شعرا کے ہاں تو رکن تک غائب ہو جاتا ہے۔ شاعر سے بحر کی تبدیلی بھی اکثر و بیشتر ہو جاتی ہے۔ یہ معاملات ایسے ہیں جس کو ورطۂ تحریر میں لا کر دفتر کے دفتر سیاہ کیے جا سکتے ہیں۔

حواشی

1- محمود رحمانی راجا رشید۔ دیارِ نعت۔ ص ۵۶، ۶۸، ۷۵، ۵۲

2- ''خیال و فن'' (ادبی مجلّہ) دوحہ (قطر) / لاہور۔ ادبی انٹرویو نمبر۔ اکتوبر ۲۰۰۲/ ماہنامہ ''نعت'' لاہور میں یہ انٹرویو نقل بھی کیا گیا۔ اپریل ۲۰۰۳۔ ص ۱۶۲ تا ۱۸۳)

3- محمود راجا رشید۔ فردیاتِ نعت۔ ص ۸۸

4- دن (روزنامہ) لاہور۔ ۴ جولائی ۲۰۰۳۔ ص ۳

5- نعت رنگ (مجلّہ) کراچی۔ شمارہ ۱۳۔ دسمبر ۲۰۰۲۔ ص ۱۶۹ تا ۲۰۵

6- نور اللغات۔ جلد دوم۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد۔ طبع اول ۱۹۸۵۔ ص ۵۳۶

7- فرہنگِ آصفیہ۔ جلد دوم۔ مرکزی اُردو بورڈ، لاہور۔ بار اول۔ ۱۹۷۷۔ ص ۱۱۲

8- مختصر اُردو لغت۔ ترقیٔ اردو بیورو، نئی دہلی۔ پہلا ایڈیشن۔ جولائی ۱۹۸۷۔ ص ۲۷۲

9- قائد اللغات۔ نشتر جالندھری۔ حامد اینڈ کمپنی، لاہور۔ س ن۔ ص ۴۳۹

10- علمی اُردو لغت۔ وارث سرہندی۔ علمی کتاب خانہ لاہور۔ طبع دوم۔ ۱۹۷۹۔ ص ۵۹۸

11- جدید نسیم اللغات اُردو۔ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، نسیم امروہوی، آغا محمد باقر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کراچی۔ اشاعت ۱۹۶۱۔ ص ۳۸۳

12- کفایت اُردو لغت۔ کفایت اکیڈمی کراچی۔ اشاعت اول۔ اکتوبر ۱۹۸۹۔ ص ۲۹۹

13- فرہنگِ کارواں۔ فضل الٰہی عارف۔ مکتبہ کارواں لاہور۔ س ن ص ۲۸۳

14- اظہر اللغات جامع۔ اظہر پبلشرز لاہور۔ بار اول ۱۹۹۴۔ ص ۴۲۷

15- رشید حسن خاں۔ زبان اور قواعد۔ مکتبہ عالیہ لاہور۔ ۱۹۸۷۔ ص ۳۶۶

16- فراق گورکھپوری۔ اُردو کی عشقیہ شاعری۔ ص ۵۰ (بحوالہ "زبان اور قواعد")

17- زبان اور قواعد۔ ص ۳۶۷

18- حسرت موہانی۔ نکاتِ سخن۔ انتظامی پریس حیدر آباد۔ ص ۳۲، ۳۳

19- یادگارِ داغ۔ ص ۱۹۵

20- ہماری زبانیں۔ علی گڑھ۔ یکم فروری ۱۹۶۲ (بحوالہ "زبان اور قواعد")

21- نکاتِ سخن۔ ص ۸۲

22- زبان اور قواعد۔ ص ۲۷۶، ۲۷۱

23- ہماری زبانیں۔ یکم فروری ۱۹۶۲

24- مصباح اللغات۔ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی۔ جولائی ۱۹۷۳۔ ص ۳۹۲

25- المعجم الاعظم۔ ادارہ معارفِ اسلامیہ، حیدر آباد دکن، جولائی ۱۹۴۶۔ ص ۱۴۳۰

26- الحجرات۔ ۴۹: ۲

27- الحجرات۔ ۴۹: ۱۲

28- المعجم الاعظم۔ الجزء الخامس۔ ادارۂ معارف اسلامیہ، حیدر آباد دکن۔ ص ۳۲۷۶

الاھمیة۔ ضروری معاملہ۔ اہم بات۔ اہمیت

فرھنگِ کارواں۔ ص ۸۴

اہمیت (میم اور یائے مشدد) اہم ہونا۔ نہایت ضروری ہونا۔

نور اللغات: حصہ اول۔ نیر پریس لکھنو۔ نومبر ۱۹۲۴۔ ص ۴۰۴

اہم (ع) سخت تر۔ بہت مشکل

فرھنگِ آصفیہ۔ جلد اول۔ ص ۳۳۱

اہم۔ ع صِفت۔ سخت تر۔ نہایت مشکل۔ ضروری

D:NaatRang-16
File: Raja
Final

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

گوشۂ افتخار عارف پر ایک نظر

افتخار عارف نے اپنے حافظے اور علم و معلومات کے ذریعے اپنا تعارف کرایا اور پھر غزل کے اس دور میں اُس کی غزل گوئی نے سماعتوں میں اپنی جگہ بنائی۔ اُس کے اس شعر کو ضرب المثل کا درجہ حاصل ہوا:

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اُس کو گھر کر دے

اُس کی یہ دعا بارگاہِ ایزدی میں جس طرح قبول ہوئی اُس کا تصور بھی اُس کے ذہن میں نہیں ہوگا۔ وہ کسی مکان، کسی نگر اور کسی دیار میں رہے، اللہ پاک نے مدینہ منورہ کو اُس کی حقیقی شخصیت کا گھر بنا دیا ہے اور جب اُس کے رب نے اُسے یہ دولت عطا کر دی تو اُسے خبر ہوئی اور بے اختیار دل سے آواز اُبھری:

عمر بھر ٹھوکریں کھاتا نہ پھروں شہر بہ شہر
ایک ہی شہر میں اور ایک ہی در پر رکھا

اور اُس شہر میں اُسے مدحتِ شافعِ محشر ﷺ پر مقرر کیا گیا۔ آدمی کو چاکری ملے تو ایسی کہ شہنشاہ بھی رشک کریں۔

شعر کے بارے میں کئی نظریات، تصورات اور خیالات ہیں۔ مجھے ان میں تضاد نظر نہیں آتا بلکہ یہ ایک دوسرے کا تکملہ معلوم ہوتے ہیں۔ شاعری کی ایک ادا بے ساختہ پن ہے اور ایک شیوہ آراستگی ہے۔ شاعری سادگی بھی ہے اور مرصع ساز کا کام بھی۔ افتخار عارف کی شاعری اور بالخصوص نعت میں سارے رنگ موجود ہیں۔ بحریں ایسی کہ اُن میں نغمگی لفظ بہ لفظ آگے

D:NaatRang-16
File: Iftikhar Arif Final

بڑھتی ہے اور مصرع ختم کرنے بعد اُس کی لہریں ذہن میں پھیلتی جاتی ہیں۔ لفظ ایسے جیسے عقیدت اور محبت مقامِ محمدی ﷺ کے باب میں سوچ رہے ہوں۔ فکر اور جذبہ کا ایسا امتزاج آج کے کم ہی نعت گو شاعروں کے ہاں نظر آئے گا۔

افتخار عارف کی ان نعتوں میں سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کی از ازل تا ابد وقت پر حاوی شخصیت اور رسالت کے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت اور محبانِ اہلِ بیت کی محبت کی شادابی بھی ہے۔

بعض لوگ جو کٹر مذہبی دکھائی دیتے ہیں، اندر سے دنیادار نکلتے ہیں اور بعض نظر بظاہر دنیا میں ڈوبے ہوئے لوگ حقیقی مذہبیت سے مالامال ہوتے ہیں کہ ایسی مذہبیت حبِ رسول ﷺ سے عبارت ہوتی ہے۔

افتخار عارف کی نعتوں کے مطالعے سے میری بات آپ پر واضح ہو سکے گی۔

......☆......

رنگِ ثنا

فاذکرونی اذکرکم

(تم یاد رکھو مجھ کو، میں یاد رکھوں گا تم کو)

کچھ شعر مکہ مکرمہ کے لیے

منزل ذکر میں ہر شہر پہ چھائے ہوئے شہر
کیا ثنا ہو تری قرآن میں آئے ہوئے شہر

میرے آقاؤں کے مسکن، مرے اللہ کے گھر
میرے نبیوں کی دعاؤں میں بسائے ہوئے شہر

زمزم و کوثر و تسنیم، تسلسل تیرا
چشمۂ خیر کا فیضان اُٹھائے ہوئے شہر

رُخِ سرکار ﷺ دوعالم کے پلٹنے کی تھی دیر
قبلہ رو ہوگئے سب راہ پہ آئے ہوئے شہر

ایک بوسے کی اجازت، حجرِ اسود پر
اے مرے نور کی بارش میں نہائے ہوئے شہر

خاک ہم رُتبہ افلاک ہوئی جن کے سبب
ان کی آواز سے آواز ملائے ہوئے شہر

☆

D:NaatRang-16
File: Iftikhar Arif
Final

سبیل ہے اور صراط ہے اور روشنی ہے
اک عبد مولیٰ صفات ہے اور روشنی ہے

کتاب و کردار ساتھ ہے اور روشنی ہے
درود جزو صلوٰۃ ہے اور روشنی ہے
میان معبود و عبد میثاق نور کے بعد
نظر میں بس ایک رات ہے اور روشنی ہے
حضورﷺ غارِ حرا سے بیت الشرف میں آئے
بس اک یقیں ساتھ ساتھ ہے اور روشنی ہے
حضورﷺ مکے سے جا رہے ہیں کتاب کے ساتھ
کتاب ہی میں نجات ہے اور روشنی ہے
رفیقِ اعلیٰ کا حکم ہے اور کتابِ دائم
ابد تک اب ان کی ذات ہے اور روشنی ہے
غلامی افتخار عارف پہ مہر خاتم
ثبوت فرد نجات ہے اور روشنی ہے

☆

دلوں کے ساتھ جبینیں جو خم نہیں کرتے
وہ پاسِ مدحتِ خیرالامم نہیں کرتے
دعا بغیر، اجازت بغیر، اذن بغیر
ہم ایک لفظ سپردِ قلم نہیں کرتے
کتابِ حق نے جنھیں مصطفےٰﷺ قرار دیا
جز ان کے اور کوئی ذکر ہم نہیں کرتے
کریم ایسے کہ انعام کرتے جاتے ہیں
جواد ایسے کہ نعمت کو کم نہیں کرتے
جو اُن کے جادۂ رحمت سے منحرف ہوجائیں
زمانے ان کو کبھی محترم نہیں کرتے
میسر آتی ہے جن کو دُرود کی توفیق
کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

نظر میں طائف و مکہ رہیں تو ان کے غلام
جواب میں بھی ستم کے، ستم نہیں کرتے

☆

اپنے آقا ﷺ کے مدینے کی طرف دیکھتے ہیں
دل اُلجھتا ہے تو سینے کی طرف دیکھتے ہیں
اب یہ دنیا جسے چاہے اُسے دیکھے سرِ سیل
ہم تو بس ایک سفینے کی طرف دیکھتے ہیں
عہدِ آسودگیٔ جاں ہو کہ دورِ ادبار
اُسی رحمت کے خزینے کی طرف دیکھتے ہیں
وہ جو پل بھر میں سرِ عرشِ بریں کھلتا ہے
بس اسی نور کے زینے کی طرف دیکھتے ہیں
بہرِ تصدیقِ سند نامۂ نسبت، عشاق
مہرِ خاتم کے نگینے کی کی طرف دیکھتے ہیں
دیکھنے والوں نے دیکھے ہیں وہ آشفتہ مزاج
جو حرم سے بھی مدینے کی طرف دیکھتے ہیں

☆

مرا شرف کہ تو مجھے جوازِ افتخار دے
فقیر شہرِ علم ہوں زکوٰۃِ اعتبار دے
میں جیسے تیسے ٹوٹے پھوٹے لفظ گھڑ کے آگیا
کہ اب یہ تیرا کام ہے بگاڑ دے سنوار دے
مرے امین آنسوؤں کی نذر ہے قبول کر
مرے کریم اور کیا ترا گنہگار دے
نگاہ داریٔ بہار آرزو کے واسطے!
ہمارے نخلِ جاں کو بھی کوئی نگاہ دار دے
ترے کرم کی بارشوں سے سارے باغ کھل اُٹھیں
ہوائے مہر نفرتوں کا سارا زہر مار دے

D:NaatRang-16
File: Iftikhar Arif
Final

قیامتیں گزر رہی ہیں کوئی شہسوار بھیج
وہ شہسوار جو لہو میں روشنی اُتار دے
وہ آفتاب بھیج جس کی تابشیں ابد تلک
میں داد خواہِ اجر ہوں جزائے انتظار دے

☆

مدینہ و نجف و کربلا میں رہتا ہے
دل ایک وضع کی آب و ہوا میں رہتا ہے
درود پہلے بھی پڑھتا ہوں اور بعد میں بھی
اسی لیے تو اثر بھی دعا میں رہتا ہے
میسر آتی ہے جس شب قیام کی توفیق
وہ سارا دن مرا، ذکرِ خدا میں رہتا ہے
غلام بوذرؓ و سلمانؓ دل خوشی ہو کہ غم
حدود زاویۂ ھل اتیٰ میں رہتا ہے
نکل رہی ہے پھر اک بار حاضری کی سبیل
سو کچھ دنوں سے دل اپنی ہوا میں رہتا ہے
مرے وجود سے باہر بھی ہے کوئی موجود
جو میرے ساتھ سلام و ثنا میں رہتا ہے

☆

مدینے کی طرف جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا
وہ دہشت تھی کہ دل سینے سے نکالا جا رہا تھا
مثال فرد عصیاں تھی کتاب عمر رفتہ
کوئی مجھ میں تھا جو صفحے اُلٹتا جا رہا تھا
بلاوے پر یقیں تھا اور قدم اُٹھتے نہیں تھے
عجب سیل الم آنکھوں میں اُمڈا آ رہا تھا
ہر اک بولا ہوا جملہ، ہر اک لکھا ہوا لفظ
لہو میں گونجتا تھا اور قیامت ڈھا رہا تھا

اور ایسے میں اُسی اک نام نے کی دست گیری
وہی جو منتہائے ہر دعا بنتا رہا تھا
بہت نامطمئن آنکھیں اچانک جاگ اُٹھیں
کوئی جیسے دل کم فہم کو سمجھا رہا تھا
مدینہ سامنے تھا، منتظر تھا در سخی کا
دل آزردہ اپنے بخت پر اترا رہا تھا
دعا بعد از دعا، سجدہ بہ سجدہ، اشک در اشک
میں مشتِ خاک تھا اور پاک ہوتا جا رہا تھا

☆

مدحتِ شافعِ محشر پہ مقرر رکھا
میرے مالک نے مرے بخت کو یاور رکھا
میں نے قرآن کی تفسیر میں سیرت کو پڑھا
نور کو دائرۂ نور کے اندر رکھا
نورِ مطلق نے اسے خلق کیا خلق سے قبل
منصبِ کارِ رسالت میں مؤخر رکھا
معنی اجر رسالت کو سمجھنے کے لیے
زیرِ نگرانی سلمانؓ و ابوذرؓ رکھا
خاتمیت کا شرف آپ کو بخشا اور پھر
آپ کی دسترسِ خاص میں کوثر رکھا
جس کسی نے بھی کبھی شان میں گستاخی کی
ابد آباد تک اس شخص کو ابتر رکھا
تختی لکھی تو اسی نام سے آغاز کیا
جس کو معبود نے ہر نام سے اوپر رکھا
منزلِ شکر کہ ہر گام، خوشی ہو کہ الم
ورد اک اسمِ گرامی کا برابر رکھا

D:NaatRang-16
File: Iftikhar Arif
Final

میں نے خاکِ درِ حسانؓ کو سرمہ جانا
اور ایک ایک سبق نعت کا ازبر رکھا
عمر بھر ٹھوکریں کھاتا نہ پھروں شہر بہ شہر
ایک ہی شہر میں اور ایک ہی در پر رکھا

☆

عہدِ میثاقِ ازل، خلق میں دُہراتا کون
میرے سرکارﷺ نہ سمجھاتے تو سمجھاتا کون
نسبتِ یمنِ قدم کر گئی یثرب کو حرم
وہ نہ ہوتے تو مدینے کی طرف جاتا کون
دو کمانوں سے بھی کم منزلِ سدرہ سے اُدھر
ایک عالم ہے اُس عالم کی خبر لاتا کون
اُن کی آواز سے اونچی نہ ہو کوئی آواز
مالک الملک نہ فرماتے تو فرماتا کون
جز ترے خلق میں اے صاحبِ سلمانؓ و بلالؓ
اور معیارِ شرف خلق کو ٹھہراتا کون
پاسِ نسبت نے بہت روک کے رکھا ورنہ
فردِ عصیاں کی طرف دیکھ کے شرماتا کون
جن کی خوشنودیٔ خاطر سے ہے نعمت مشروط
ان کے در چھوڑ کے اوروں کی طرف جاتا کون

☆

بطرزِ مختلف اک نعت لکھنا چاہتا ہوں
میں ساری نعتیں اک ساتھ لکھنا چاہتا ہوں
مرا معبود خود توفیق ارزانی کرے گا
میں وصفِ سرِ موجودات لکھنا چاہتا ہوں
حضورﷺ اور محترم وابستگانِ شہرِ حکمت
میں اس بستی کے سب حالات لکھنا چاہتا ہوں

بہت برہم بہت ہی منتشر اوراق جاں پر
جہاں تک سانس ہے اثبات لکھنا چاہتا ہوں
دل و دنیا مجھے آواز دیتے ہیں بہ یک وقت
میں جب بھی صورتِ حالات لکھنا چاہتا ہوں
نہ تسخیر طلسم و اسم ہے موضوع میرا
نہ تفسیر صفات و ذات لکھنا چاہتا ہوں
نہ استدراک کی معیار بندی میرا منصب
نہ میں ترتیبِ استنباط لکھنا چاہتا ہوں
حضور سیّد و سردار جو توقیر پا جائیں
وہی حرفِ شرف دن رات لکھنا چاہتا ہوں

☆

بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ کے آقا اِدھر بھی
بدل جاتی ہے جس سے دل کی دنیا وہ نظر بھی
میں بسم اللہ لکھ کے جب بھی لکھتا ہوں محمدﷺ
قلم قرطاس پر آتے ہی جھک جاتا ہے سر بھی
حرم سے مسجدِ اقصیٰ اُدھر سدرہ سے آگے
مسافر بھی عجب تھا اور عجب تھی رہ گزر بھی
محمدﷺ کے خدا جب بھی کبھی مشکل کا وقت آئے
دعا کو ہاتھ اُٹھیں اور دعا میں ہو اثر بھی
بحقِ کفش برادران دربارِ رسالتﷺ
ثنا خوانوں میں شامل ہوگیا اک بے ہنر بھی
میں پہلے بھی مشرف ہوچکا ہوں حاضری سے
خدا چاہے تو یہ نعمت ملے بارِ دگر بھی

☆

D:NaatRang-16
File: Iftikhar Arif
Final

ہم آگئے ہیں محبت کے گوشوارے لیے
تمام مرحمت خاص ہے ہمارے لیے
بہ فیض نسبتِ سرکارﷺ ہر تلاطم میں
بھنور خود آئے ہمارے لیے کنارے لیے
خبر تو ہوگی تمھیں بھی ثناگرانِ رسولﷺ
دعائیں ہوتی ہیں کس کس جگہ تمھارے لیے
ذرا سی دیر میں عالم ہی اور تھا دل کا
بس اتنی دیر کہ کچھ نام پیارے پیارے لیے
عجب کمال ہے جو ہے یہی سمجھتا ہے
شفیع روزِ قیامت ہیں بس ہمارے لیے

☆

ہر نفس مرحمت خاص کے شایان کیے جائیں
نعت لکھتے رہیں ذہنوں میں چراغاں کیے جائیں
مدحتِ سرورِ دیں شائبہ شرک سے پاک
جن کا شیوہ ہے وہ عشاق نمایاں کیے جائیں

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

مہرِ عالم تابِ نعت

(قبلۂ عالم سیّدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری ...)

نعت بلاشبہ وہ نعمتِ خداوندی ہے جو قدرت کی طرف سے بندگانِ خاص کو عطا ہوتی ہے۔ نعت صاحبِ کا سرمایۂ اعزاز اور ایک مردِ مومن کا افتخار ہے۔ جب الفاظ عقیدت کا نم حاصل کرتے ہیں تو نعت ہوتی ہے۔ جب تراکیب اور استعارات کو حسنِ آرزو کی چمک عطا ہوتی ہے تو نعت ہوتی ہے۔ جب لفظوں کو مرصع کاری ودیعت ہوتی ہے تو نعت ہوتی ہے۔ نعت پلکوں کی جھلملاہٹ، اشکوں کی جلوہ گری اور حضور نبی کریم ﷺ سے روحانی وابستگی کا نام ہے، جس طرح محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں کیوں کہ یہ نغمہ ہر ساز پر گایا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا نزول بھی ہر انسان کے قلب وفکر پر نہیں بلکہ نعت مصطفیٰ ﷺ دل کے کوہِ فاران سے پھوٹتی ہے تو مشامِ جان معنبر ہوجاتے ہیں۔

نعت سیّدنا حسانؓ بن ثابت کی سنت ہے۔ یہ تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور حضرت کعبؓ بن زبیر کا روحانی سرمایہ ہے جو صدیوں کے تواتر سے تاریخ کے صفحات پر سفر کرتا ہوا عہدِ حاضر کا اعزاز بنا ہے۔ یہی وہ مدحتِ حضور ﷺ کا قرینہ ہے جو جامؔی و قدسؔی اور عرفؔی و سعدؔی سے ہوتا ہوا کفایتؔ علی کافی، غلام امام شہیؔد، امام احمد رضا خاںؒ، حسن رضا خاںؒ، علامہ محمد اقبالؒ، ظفؔر علی خاںؒ، محسؔن کاکورویؒ اور امیر مینائیؔ سمیت بے شمار شعرا سے ان کی بہترین فکری کاوشوں کا خراج لیتا ہوا اگلے ادوار کو منتقل ہو رہا ہے۔

اسی کوچۂ نعت میں ایک انتہائی سربلند لہجہ سرزمین گولڑہ کے تاجدار قبلۂ عالم سیّدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ سرکار گولڑوی نامور عالم دین، جلیل القدر محدث، عظیم دانائے راز اور معرفت وتصوف کے انوار بکھیرنے والی شخصیت تھے۔ ایک زمانہ برسوں آپ کے

گلستانِ علومِ معرفت سے خوشہ چینی کرتا رہا۔ آپ نے باطل نظریات کے خلاف جہاد کیا۔ آپ وہ رجلِ رشید تھے جن کے لیے بزمِ ہستی مدتوں محوِ دعا رہتی ہے۔ آپ وہ بطلِ جلیل تھے جن سے مسندِ ارشاد کو اس کا حقیقی حسن عطا ہوتا ہے۔ آپ وہ رہبرِ یگانہ تھے کہ جن کی جنبشِ لب، تقدیرِ خداوندی کا پرتو ہوتی ہے، آپ وہ نابغۂ روزگار تھے کہ جن کا ہر قول، فیصل ہوتا ہے، آپ اسلام کی آبرو اور کاروانِ زندگی کا کمالِ جستجو تھے۔ صورت و سیرت میں شوکتِ اسلاف کا عکسِ جمیل۔ غرضے کہ آپ اپنے علمی وفقہی کارناموں، نظریاتی کاوشوں اور مخلوقِ خدا کو معرفتِ الٰہی سے آشنا کرنے کے حوالے سے اپنے ہی اس شعر کا مصداق معلوم ہوتے ہیں:

از لطف خلاق زماں داریم ممتاز از جہاں
وضع دگر طرز سے دگر، ذوقے دگر شوقے دگر

قبلۂ عالم گولڑوی کی تمام صفات کا تذکرہ بجا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ کی تمام فکری رفعتوں اور روحانی بلندیوں کا مرکز ومحور ذاتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ سرکار ابد قرار ﷺ سے آپ کی محبت ان رفعتوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے جہاں تک عام آدمی کے تصور کی پرواز بھی ممکن نہیں۔ یہی محبت جب شاعری کے پیرائے میں جلوہ گر ہوتی ہے تو پھر نعتِ رسول کے زمزمے پھوٹتے ہیں۔ مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کے ترانے اُبھرتے ہیں۔ توصیفِ حضور ﷺ کے گلاب کھلتے ہیں۔ اور پھر آپ کی نعت نگاری کے ذریعے عشقِ رسول ﷺ کے ایسے ایسے روحانی اسرار منکشف ہوتے ہیں کہ قاری بحرِ حیرت میں گم ہوجاتا ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کی یہی شدت تھی جو انھیں باطل قوتوں کا مقابلہ کرتے کرتے سلطنتِ انگلشیہ کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کی خانہ ساز نبوت کے مقابلے پر لے آئی۔ بزمِ آرائی سے رزم آرائی کی جانب سفر تھا۔ تحریری مقابلے تو مدت سے جاری تھے۔ مناظرے بھی ہو رہے تھے کہ یکایک مباہلہ تک نوبت آ پہنچی تو یہ سیّد زادہ اپنے جدِاعلیٰ حضور محمد ﷺ کی سنت تازہ کرتے ہوئے مباہلہ کے میدان میں ڈٹ گیا۔ برصغیر کے تمام مسالک کے علما نے اور جملہ مشائخ کرام نے آپ کی علمی فضیلت اورروحانی سرفرازی کو دیکھتے ہوئے آپ کو اسلام کا نمائندہ قرار دے دیا۔ آپ اس شانِ مرتضویؓ کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اس مباہلہ میں آجاتا تو قہرِ خداوندی سے ہلاک ہوجاتا۔

اسی طرح جب ایک مرتبہ غلام احمد قادیانی نے آپ کوتحریری مقابلہ کی دعوت دی تو

آپ نے اس مقابلہ کو قبول کرتے ہوئے یہ تاریخی کلمات فرمائے:

علمائے کرام کا اصل مقصود تحقیقِ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے، فخر و تعلّی مقصد نہیں ہوتا۔ ورنہ جناب نبی کریم ﷺ کی اُمت میں اس وقت بھی ایسے خادمِ دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیرِ قرآن لکھ جائے۔

ظاہر ہے اس سے آپ کا اشارا اپنی جانب تھا۔ چناں چہ بعد میں اس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے یہ دعویٰ ازخود نہیں کیا تھا بلکہ عالمِ مکاشفہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے جمالِ باکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور پختہ ہوگیا تھا کہ مجھے یقینِ کامل تھا کہ اگر اس سے بھی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور سچا ثابت کر دیتا۔''

ظاہر ہے کہ جب عشقِ مصطفوی پیر سیّد مہر علی شاہ کے ہر بن مو سے اُبھر رہا تھا تو پھر آپ کا ہر جملہ جو شانِ رسول ﷺ میں کہا گیا۔ نعت مرصع کی صورت نظر کیوں نہ آتا۔ آپ کی یہ مشہور زمانہ نعت ایک عرصہ سے بے شمار اہلِ ایمان کے لیے وظیفۂ عشقِ حضور بنی ہوئی ہے۔

''اج سک متراں دی ودھیری اے''

یہ نعت اس قدر خوب صورت اور معانی و مفاہیم کے لحاظ سے اس قدر جامع ہے کہ جب بھی کوئی نعت خواں خوش الحانی سے اس نعت کو محفل میں پڑھتا ہے تو سننے والے بے خود ہوجاتے ہیں اور پلکوں پر آنسوؤں کے موتی جھلملانے لگتے ہیں۔ اس نعت کی تاریخ ساز مقبولیت کے پس پردہ ایک داستانِ ایمان آفریں پوشیدہ ہے۔ ہم اس کا کچھ حصہ اصحابِ نظر کی نذر کرنا چاہیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادیٔ حمرا ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے عشا کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی مدرسہ صولتیہ میں شغلِ تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسنِ ظن کی بنا پر بغرضِ خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ ان رفقا کی معیت میں قافلہ کے ایک طرف سوگیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرورِ عالم ﷺ سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لاکر اپنے جمالِ باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالتِ مراقبہ

دوزانو بیٹھا ہوں۔ آنحضورﷺ نے قریب تشریف لاکر ارشاد فرمایا کہ ''آلِ رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔'' میں نے اس حالت میں آنجنابﷺ کی ہر دو پنڈلیوں کو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ وفغاں کرتے ہوئے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا شروع کیا۔ اور عالمِ مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کیا ''حضور کون ہیں۔'' جواب میں وہی ارشادہوا کہ آلِ رسولﷺ کو سنت ترک کرنا نہیں چاہیے۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا جب آپ ندائے یارسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر ہے کہ خود آنحضرتﷺ ہیں اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمال باکمال کے متعلق کیا کہوں۔ اس ذوق ومستی و فیضانِ کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر لنگ البتہ بادہ خوارانِ عشق ومحبت کے حلق میں ان ابیات سے ایک جُرعہ اور اس نافۂ مشک سے ایک نفحہ ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(اقتباس از ''مہرِ منیر'' تصنیف فیض احمد فیض، ص۱۳۲، ۱۹۶۹ء)

حضرت گولڑوی کی یہ تحریر اور ابیات اس وقت کی سعادتِ عظمیٰ کی کیفیات کی بہت حد تک عکاسی کرتے ہیں۔ تحریرِ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ آپ وصالِ نبوی کے مراتبِ عالیہ سے مشرف ہوچکے تھے۔ آپ اس وقت جس کیفیتِ نور سے دوچار ہوئے اور حسنِ عقیدت کے انعام کے طور پر جلوہ ہائے محبوب سے جس طور نوازے گئے ان کی حلاوت آفریں صدائے بازگشت ''اج سک متراں دی ودھیری'' کی صورت ہی میں سنائی دے سکتی تھی۔ یہ نعت آپ نے اس موقع پر وادیٔ حمرا اور مدینہ منورہ کے درمیان موزوں فرمائی تھی۔ حضرت قبلہ کی طبیعت میں تواضع اور اخفائے راز کا غلبہ تھا۔ اس قسم کے واقعات کو شاذ و نادر ہی ظاہر فرماتے تھے اور وہ بھی کسی خاص مصلحت کے تحت۔ ورنہ ان انعامات بے کراں کا جو اس دربار گوہر بار سے مرحمت ہوئے یا ان نوازشاتِ بے پایاں کا جو خانۂ خلاقِ جہاں میں عطا ہوئیں ایک شمہ تک بھی کہیں ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وادیٔ حمرا میں پیش آنے والی کیفیاتِ سرمدی میں انھیں جو لطف و سرور عطا ہوا اس کی جھلک اس شہرۂ آفاق نعت کے علاوہ کئی دوسری نعتوں میں بھی نظر آتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ نوازشیں

بھلائی بھی تو نہیں جاسکتیں۔

سوارہٗ بگذشتی و ما ہنوز از شوق
نہادہ رُوئے بخاکِ سم سمند تو ایم

اس نعت میں اتنا لوچ اور طرزِ بیان میں اتنی تاثر انگیزی ہے کہ دل و جان بہ یک وقت اس کی کیفیات میں ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ پوٹھوہاری زبان کی دل کشی و رعنائی اوپر سے عشق و عقیدت کی بہتات کی بدولت یہ نعت رگ و پے میں سمانے لگتی ہے اور قاری اس کیف آگیں تاثر میں اس طور غرق ہوجاتا ہے کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں کی مالائیں پرونے لگتی ہے۔ اتنی حلاوت، اتنی موسیقیت، اللہ اللہ، یوں لگتا ہے جیسے انسان نہیں بلکہ خود قدسی شانِ محبوب میں نغمہ پیرا ہوں۔ اس کی تاثر انگیزی کے حوالے سے مولانا فیض احمد فیض جوکہ سرکار گولڑوی کے تذکرہ نگار ہیں اپنی تصنیفِ لطیف مہرِ منیر میں ایک واقعہ یوں درج کرتے ہیں:

> متذکرہ بالا نعت کی عالم گیر اثرپذیری اب محتاجِ بیان نہیں رہی۔ پنجابی کلام سے لطف اندوز ہونے والی محفلوں میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اور لوگوں کی فرمائش کے پیشِ نظر ریڈیو پر بار بار آتی ہے جب کبھی یہ نعت پڑھی جا رہی ہو تو شدتِ شوق و فراق سے ہر آنکھ اشک بار ہوتی ہے اور کیفیات کا نور و سرور سامعین کے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں علامہ اقبال میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے۔ شام کے دھندلکوں میں کوئی شخص اس نعت کا پہلا شعر ترنم سے کہتا جا رہا تھا۔ علامہ نے اپنے ملازم کو دوڑ کر اس گزرنے والے کو بلوا کر ساری نعت سنی اور جب مقطع میں:
>
> **سبحان اللہ ما اجملک، ما احسنک ما اکملک**
> کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں
>
> میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا نام سنا تو کہا کہ اب معلوم ہوا کہ اس کلام میں اتنا بے پناہ درد و اثر کیوں ہے۔
>
> (''مہرِ منیر'' از فیض احمد فیض، صفحہ ۱۳۳، ۱۹۶۹ء)

D:NaatRang-16
File: Akram Raza
Final

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ کا سرکار گولڑوی کو یہ خراجِ عقیدت اس اس سبب سے تھا کہ وہ ان کی شخصیت کے روحانی اور دینی کمالات سے بخوبی واقف تھے۔ اس ضمن میں علامہ محمد

اقبال کا حضرت گولڑوی کے نام مکتوب درج ہے۔ اس مکتوب کو کئی تذکرہ نگاروں اور محققین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اس مکتوب میں علامہ اقبال نے پیر صاحب سے اپنی ارادت مندی کا ذکر کرتے ہوئے وحدت الوجود کے حوالے سے ان سے راہنمائی کی استدعا کی ہے۔ ہم اس مکتوب کی ابتدائی سطور قارئین کی نذر کر دیتے ہیں۔ مقصود فقط علامہ اقبال کی پیر گولڑوی سے ارادت مندی کا اظہار ہے۔

لاہور ۱۸ر اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم ومکرم حضرت قبلہ! السلام علیکم۔ اگرچہ زیارت اور استفادے کا شوق ایک مدت سے تھا تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اس محرومی کی تلافی اس عریضے سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہرحال آپ کی وسعتِ اخلاق پر بھروسا کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے... میں نے سنا کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے۔ اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھتے ہوئے تامل تھا، لیکن چوں کہ مقصود خدمتِ اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔ التماس دعا۔　　　　مخلص۔ محمد اقبال

(نام ونسب از نصیر الدین نصیر گولڑوی، ۱۹۸۹ء، درگاہ گولڑہ شریف)

بات ہو رہی تھی سیّد مہر علی شاہ گولڑوی کی نعت گوئی کی حکیم الامت علامہ محمد اقبال بہت بڑے عاشقِ رسول ﷺ اور دانائے راز تھے۔ وہ بھلا ایسی عظیم شخصیت سے کیوں کر اجنبی رہ سکتے تھے جس کی زبان اور قلم نے برصغیر کی فضاؤں میں محبتِ رسول ﷺ کی لازوال مہک بکھیر دی جاتی۔ اقبالؔ لاہور میں رہتے تھے اور پیر گولڑوی کی تبلیغی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز لاہور ہی تھا۔ یہ لاہور ہی تھا جہاں سرکار گولڑوی نے شاتمانِ رسول کے خلاف جہاد کیا۔ گستاخانِ بارگاہِ نبوت کا پوری قوتِ ایمان کے ساتھ مقابلہ کیا۔ باطل نظریات کے خلاف سدِّ سکندری بن گئے۔ غیر مسلم قوتوں کا مقابلہ کیا اور سب سے بڑھ کر حکومتِ انگلشیہ کے خود کاشتہ پودے قادیانیت کے خلاف

جس غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا اس کی صدائے بازگشت صدیوں تک وقت کے ایوانوں میں محسوس ہوتی رہے گی۔ علامہ اقبال کا آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہونا کوئی حیرت انگیز امر نہیں بلکہ حیرت تو تب ہوتی اگر علامہ آپ کی علمی فکری اور فقہی سربلندیوں سے بے خبر ہوتے۔ علامہ اقبال کا یہ فرمانا کہ:

''اب معلوم ہوا کہ اس کلام میں اتنا درد کیوں ہے۔''

''اج سک متراں دی ودھیری اے'' ایسی نعت تھی جو آپ کے قلم گوہر بار سے ٹپکی تو اہلِ شوق کا وظیفہ بن گئی۔ زبان موثر، لہجہ حلاوت آفریں اور انداز دل نشیں تھا کہ دلوں میں اُترتی چلی گئی۔ اس نعت کو اس قدر سوز و گداز اس لیے حاصل ہوا کہ اس کے پس منظر میں زیارتِ رسول کے جلوے مچل رہے ہیں۔ خوش بخت ہیں وہ آنکھیں جنھوں نے رُخِ محبوب کو دیکھا اور سعید بخت ہے وہ قلم جسے حسنِ محبوب کو شاعری کی زینت بنانے کی سعادت عطا ہوئی۔ اگر پیر گولڑوی کی اسی ایک نعت پر بات کی جائے تو داستانِ شوق بے اختیار پھیلتی چلی جائے گی۔ ایک صاحبِ دل نے خوب لکھا تھا کہ اگر پیر گولڑوی فقط یہی لکھ جاتے اور مزید کچھ نہ لکھتے تو یہی ایک نعت انھیں شہرتِ دوام عطا کرنے کا باعث بن سکتی تھی۔

یہ نعت کیا ہے؟ صحیفۂ شوق ہے، جمالِ ذوق ہے۔ کمالِ آرزو ہے، حسن گداز ہے، فکر کی بلند پردازی ہے۔ جذبوں کی سرفرازی ہے۔ عشقِ رسول کی آتش شوق میں پگھل جانے کا نام ہے۔ حاصل سوز و گداز کے نام پر اپنے وجود کو مٹا کر بقائے دوام سے کہنا ہم کنار ہونے کا پیغام ہے۔ الفاظ کی پُرشوق لَے ہے۔ خم کدۂ وارفتگی کی زندگی بخش لے ہے۔ بلاغت کی جلوہ افروزی ہے۔ دل کا ترانہ ہے، حسنِ بیان کا فسانہ ہے۔ آنکھوں کا نم ہے۔ حبِ رسول ﷺ سے مہکتے ہوئے پھولوں پر رحمتِ مصطفوی کی برستی ہوئی شبنم ہے۔ خاموش لبوں کا نذرانہ ہے۔ مچلتے اشکوں کا پیمانہ ہے۔ جیسے کوئی ساربان وقت کے صحرا میں گم گنبدِ خضریٰ کا تصور کر کے اس صدائے شوق کے ساتھ اپنا راستہ تلاش کر رہا ہے۔

اج سک متراں دی ودھیری اے　　　　کیوں دلڑی اُداس گھنیری اے؟
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے　　　　اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

D:NaatRang-16
File: Akram Raza
Final

یہ نعت مسافر کی کوک ہے۔ شمعِ عشقِ حضور میں جل جانے والے پروانے کی ہوک ہے۔ اس نعت کے بے شمار فکری اور ادبی محاسن اور صوتی کمالات اپنی جگہ، یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ

یہ نعت بجائے خود سراپائے رسول ﷺ کا حسن لیے ہوئے ہے۔ ہر بند میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ معطر کے کسی نہ کسی عضوِ نورانی کا تذکرہ ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جن آنکھوں میں وادیٔ حرا میں عطا ہونے والی حضور ﷺ کی لمعہ افشانیاں بس رہی ہیں وہ تو ایسے ہی اشعار کا حسن لٹائیں گی۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

مکھ چند بدر شعشانی اے — متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زُلف تے اکھ مستانی اے — مخمور اکھیں ہِن مدھ بھریاں
دو ابرو قوس مثال دِسن — جیں توں نوکِ مژہ دے تیر چھٹن
لباں سرخ آکھاں کہ لعلِ یمن — چٹے دند موتیاں دیاں ہن لڑیاں
اس صورت نوں میں جان آکھاں — جانان کہ جانِ جہاں آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں — جس شان توں شاناں سب بنیاں

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی کچھ ایسی ہی کیفیت کو قلم بند کیا ہے:

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ
اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے کہ مری جان ہیں یہ

پیر گولڑوی کی اس نعت میں تشبیہات وتراکیب کی کثرت ہے مگر کوئی ترکیب بھی ذہن پر بوجھ نہیں بنتی بلکہ دل و دماغ کو روحانی فرحت عطا کرتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے سراپائے اقدس کے حوالے سے ان کے اشعار آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مقدسہ کی ترجمان ہیں۔ جوں جوں نعت آگے بڑھتی ہے آپ پر ذوق وشوق کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ اور آپ کا سرِ عقیدت بارگاہِ محمدیت میں بصد نیاز خم ہونے لگتا ہے۔ کیوں کہ اسی بارگاہ سے انھیں انوارِ احدیت عطا ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:

ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں — بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ دِسے اس مورت تھیں — وچ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں
دسے صورت راہ بے صورت دا — توبہ راہ کی عین حقیقت دا
پر کم نئیں بے سوجھت دا — کوئی وِرلیاں موتی لے تڑیاں

توصیفِ مصطفےٰ ﷺ میں لفظوں کے گلاب بکھیرتے بکھیرتے ان پر رقت طاری ہونے لگتی ہے۔ دیدارِ حضور کی تمنا پھر سے جاگنے لگتی ہے۔ جلوۂ رسول ﷺ سے دل و جان کو ضوبار کرنے کی آرزو پھر سے سر اٹھانے لگتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انوار کے بحرِ بے کنار میں غوطہ ہونے کا احساس پروان چڑھنے لگتا ہے اور پکار اُٹھتے ہیں:

لاہو مکھ توں مخطط برد یمن		من بھانوری جھلک دکھاؤ سجن
اوہا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن		جو حمرا وادی سن کریاں
حجرے توں مسجد آؤ ڈھولن		نوری جھات دے کارن سارے سکن
دو جگ اکھیاں راہ دا فرش کرن		سب انس و ملک حوراں پریاں
انہاں سکدیاں تے کر لاندیاں تے		لکھ واری صدقے جاندیاں تے
انہاں بردیاں مفت و کاندیاں تے		شالا آون وت بھی اوہ گھڑیاں
یعطیک ربک داس تساں		فترضیٰ تھیں پوری آس اساں
لج پال کریسی پاس اساں		واشفع تشفع صحیح پڑھیاں

اور پھر حضرت گولڑوی کی نعت کا وہ مقطع آتا ہے جو سرکارِ دوعالم کی عظمتوں کا امین اور محبتِ صادق کی تڑپ کا رازدار ہے۔ آپ کو ایک طرف سلطانِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے پناہ عظمتوں اور بلندیوں کا احساس ہے اور دوسری طرف اپنی کم مائیگی پر تڑپ تڑپ اُٹھتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اس نعت کے مقطع تک پہنچتے پہنچتے قاری کو کئی مرتبہ کیف آفریں وارداتِ روحانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس نعت کا آخری شعر فقط شعری رعنائیاں ہی نہیں بلکہ قلوبِ غم زدہ کی تمام تر آرزوؤں کی کسک اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ شاعر محبوبِ حقیقی کی شانِ محبوبیت اور اپنی بے چارگی کا تقابل کرتا ہے کہ کہاں وہ ممدوحِ دوعالم، محبوبِ عرب وعجم، فخرِ آدمؑ و بنی آدم ﷺ اور کہاں مجھ سا ختہ حرماں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے اندر اُمید کے چراغ بھی جھلملا رہے ہیں کہ میں جس سے مخاطب ہوں وہ سراپا رحمت اور سراپا عطا ہے۔ میں سراپا معصیت ہوں تو وہ سراپا شفاعت ہے۔ یہ احساس اس قدر تقویت حاصل کرتا ہے کہ حضرت گولڑوی اس شعر کی بدولت بے شمار الم رسیدگانِ ہستی کو سکون و قرار کی دولت عطا کر جاتے ہیں۔

سبحان اللہ ما اجملک		ما احسنک ما اکملک
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا		گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

حضرت گولڑوی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو نعت کو نمودِ فن کا ذریعہ نہیں بناتے۔ آپ تو خلوت گزینی اور حجرہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے۔ مگر جس طرح خوش بو کبھی بھی خلوت کدوں میں محسوس نہیں ہوسکتی اور اس نے زمانے بھر میں پھیلنا ہوتا ہے اسی طرح آپ کے فکر و نظر پر فیضانِ حضور ﷺ کی برسات اس طرح برس رہی تھی کہ آپ فنا فی الرسول ﷺ ہوگئے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن عشقِ حضور سے آباد تھا۔ اس لیے آپ کی خلوت گزینی بالآخر اس طرح روحانی بزم آرائی میں تبدیل ہوئی کہ آپ ہر شاتمِ رسول کے لیے شمشیر برہنہ اور ہر گستاخ و بے ادب کے لیے برقِ اجل بن گئے۔ آپ کو ربّ کریم نے زبان و بیان کا حسن عطا کیا تھا۔ کئی زبانوں پر عبور تھا مگر زندگی بھر فخر و تعلّی سے دُور رہے۔ عجز و انکسار کو اپنی فکر کا محور بنائے رکھا۔ یہی عاجزی انھیں بارگاہِ رسول ﷺ میں قبولیت کا شرف عطا کر گئی۔

ہم پہلے ''سفرِ حرا'' کا ذکر کر چکے ہیں کہ اس مبارک سفر میں آپ کو کس طرح زیارتِ رسول ﷺ نصیب ہوئی اور آپ کس شان سے نوازے گئے۔ ایک اور مقام پر اپنی خوش بختی کا اظہار کرتے ہیں۔

مدینے میں بلا بھیجو قریب وادیٔ حمرا
تڑپ کر ڈال لُوں میں ہاتھ پھر سیمیں ساتن میں

اس شعر میں ''سیمین ساتن'' کو ہاتھوں سے چھونے کی سعادت کی طرف اشارہ ہے۔ آگے آپ کا لہجہ عجز و انکسار میں ڈھل گیا ہے اور بارگاہِ رسول ﷺ میں فریاد کناں ہونے لگتے ہیں:

حریف ساغر و مے ہوں غریقِ بحرِ عصیاں ہوں سہارا ہے فتوضیٰ کا مجھے محشر مکانن میں
مجھے کیا غم ہے محشر کا، مرا حامی ہے جب وہ شاہ کہا لولاک و طٰہٰ و مزمل جس کی شانن میں
دلامت رو غلام ہو کر تو محی الدین جیلیؒ کا مریدی لاتخف بس ہے سہارا ہر دو کونن میں

سرکار گولڑویؒ ایسی شخصیت تھی کہ جس کا وجود پورے زمانے کا اعزاز ہوتا ہے۔ آپ علومِ دینیہ پر کمال درجے کی دسترس رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نعتیہ اشعار میں سرکار دوعالم ﷺ کی عظمت و فضیلت کے اعلیٰ سے اعلیٰ نکات ملتے ہیں۔ جملہ عشاقِ سرورِ کونین کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور خدائے کریم نے ہر چیز سے قبل تخلیق کیا۔ آپ نے فرمایا ''اوّل ماخلق اللّٰہ نوری'' کہ خدا نے سب سے پہلے میرے نور کو اپنے نور سے تخلیق کیا۔ اور

یہ نور اس وقت تخلیق ہوا جب زمان و مکاں نہیں تھے۔ زمین و زمان نہیں تھے۔ لوح وقلم اور کرسی و عرش کا وجود نہیں تھا۔ جب چاند سورج ستارے نہیں تھے۔ جب بحر و بر، شمس و قمر اور شجر و حجر کا وجود نہیں تھا۔ جب زندگی اپنے احساس اور کائنات اپنے ادراک سے محروم تھی تو اس وقت ربّ العالمین نے اپنے محبوبِ مصطفیٰ ﷺ کے نورِ مظہر کو جلوہ گر کیا اور پھر اسی نور سے بزمِ ہستی سجائی گئی۔

اس محبوب اور مرغوب موضوع کو بہت سے شعرا نے اپنے نعتیہ کلام میں قلم بند کیا ہے جیسا کہ امیر خسروؒ فرماتے ہیں:

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم　　　بہر سو رقص بسمل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسروؒ　　　محمد ﷺ شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بودم

یہی مضمون ظفر علی خاں کے ہاں یوں نظر آتا ہے۔

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے　　　اُس نورِ اوّلیں کا اُجالا تمھی تو ہو

یا پھر امام احمد رضا خاں کی تخیل پرواز ملاحظہ کیجیے:

زمین و زماں تمھارے لیے، چنیں و چناں تمھارے لیے
مکین و مکاں تمھارے لیے، بنے دوجہاں تمھارے لیے
دہن میں زباں تمھارے لیے، بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے اُٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے

اور پھر ایک اور صاحبِ نظر کے ہاں اسی مضمون کا حسن ملاحظہ کیجیے:

فصل اللہ علیٰ نور کرز و شد نور ہا پیدا
زمیں از حب او ساکن فلک در عشقِ او شیدا

غرضے کہ نورِ مصطفوی ﷺ کی تخلیق کے بارے میں عربی، اردو، فارسی اور پنجابی زبانوں کے شعرا صدیوں سے نعت کی صورت میں اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔ مگر جب مہر علی شاہ گولڑوی اس مضمون کو بیان کرتے ہیں تو بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ سرکار گولڑویؒ کے فکرِ معجز نما کی پرواز سمندر کو کوزے میں سمونے کا نظارا پیش کرتی ہے۔ آپ کی فکرِ رسا عشقِ رسول ﷺ کی بلندیوں کو اس شان سے چھوتی ہے کہ پڑھنے والا فرطِ عقیدت سے جھوم جھوم اُٹھتا ہے۔ آپ کے خلقتِ نورِ محمدی ﷺ کے مضمون کو اپنے نعتیہ اشعار میں اس شان سے باندھا ہے

کہ دلوں کو نورِ محمدی ﷺ کی تخلیق کے فلسفے تک پہلی مرتبہ رسائی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ سیّد مہر علی شاہؒ چند مصرعوں میں وہ کچھ بیان کر گئے ہیں جو بعض اوقات شاعر طویل نعتیہ مثنوی میں بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے اور پھر سرکارِ گولڑوی کی انفرادیت یہ ہے کہ نورِ محمدی ﷺ کی اوّلیت کا تذکرہ کرتے کرتے اپنے والہانہ پن اور بے خودی و سرشاری کو بھی حاصلِ شوق بنا گئے ہیں۔ آپ کا نعتیہ انداز ملاحظہ کیجیے اور لطف و سرور کی کیفیات میں ڈوب جائیے، فرماتے ہیں:

کن فیکون تاں کل دی گل اے اساں اگے پریت لگائی
توں میں حروف نشان نہ آہا جدوں دِتی میم گواہی
اجے وی سانوں اوہ پئے دسدے بیلے بوٹے کاہی
مہر علی شاہ رَل تاہیوں بیٹھے جداں سک دوہاں نوں آہی

حضور سیّدنا مہر علی شاہؒ کے نعتیہ اشعار میں ''سک'' کا لفظ بہت سے مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ''سک'' کا مطلب ''طلب، چاہت اور آرزو'' ہے۔ آپ کے نعتیہ اشعار کے حسن کے طفیل یہ لفظ بذاتِ خود اتنا حسین، دلآویز اور جامع نظر آتا ہے کہ نعت کا لازمی جزو دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہ لفظ آپ سے پہلے بھی استعمال ہوتا تھا۔ مگر چوں کہ آپ کے نعتیہ کلام نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، اس لیے یہ لفظ بھی آپ کی دل نواز نعت نگاری کے صدقے اس قدر مقبول ہوگیا کہ دورِ حاضر کے کئی شعرا کے نعتیہ مجموعوں کے ناموں کا حصہ بن گیا۔ اسی لیے ''کلام الامام الامام الکلام'' یعنی ''امام کا کلام زمانے بھر کے کلام کا امام ہوتا ہے۔'' کا مقولہ آپ پر صادق آتا ہے۔

آپ کو فارسی زبان پر کمال درجے کا عبور حاصل تھا۔ چوں کہ آپ کے دور میں فارسی علما، فضلا کی زبان تھی اور تمام دینی سرمایہ عربی اور فارسی میں ہی موجود تھا اس لیے آپ کی نظم اور نثر فارسی زبان کے حسنِ استعمال کے لحاظ سے بہت اعلیٰ و ارفع نمونہ ہے۔ ہم فارسی زبان میں آپ کے چار ایسے اشعار نقل کر رہے ہیں جن میں مقاماتِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے حسنِ تغزل کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں:

بستہ شد اندر ازل خاطر بداں شورِ جہاں
کز نسیم تاب زلفش نوریاں پیچد ہے
اکحل العینین املح و ازج الحاجبین
سرمہ گیں چشمے، کماں ابرو بلیح ارحمے
روئے تاباں والضحیٰ واللیل مویش ذا سجیٰ
و ز فتحنائش لوا یٰسین از متبسمے
دوش در گوشم رسیدہ از سگانِ کوئے دوست
مہر را کے سزد ہر خود پرستے بے غمے

فارسی زبان پر قبلۂ عالم گولڑویؒ کو کمال عبور تھا۔ آپ کے نعتیہ کلام میں حسنِ تغزل بصد شان کارفرما ہے۔ حسنِ تغزل کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ حسنِ تغزل لفظوں کی گل کاری اور جذبات کی سحرکاری کا نام ہے۔ یہ جذبوں کی تپش اور دلِ شوریدہ کی خلش ہے۔ اس میں طالب بہت کچھ کہہ کر بھی یہی محسوس کرتا ہے کہ جیسے کچھ بھی نہیں کہا۔ حسنِ تغزل میں لفظوں کے پھول کھلتے ہیں اور افکار کی کلیاں چٹکتی ہیں۔ ہر شعر بلاغت کا آئینہ دار اور نور و نکہت کا حسنِ پُروقار نظر آتا ہے۔ سیّد مہرعلی شاہ گولڑویؒ عام روایتی شاعر نہیں تھے جو کسی وقتی مجبوری کے تحت نعت و مدحت کے کوچے میں جمالِ باکمال کو تصور میں رکھتے ہیں۔ انھی کی یادیں انھی کی باتیں۔ انھی کے لیے جیتے اور انھی کے ناموس پر مر مٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ نے تو اپنے محبوب ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کا نظارا بھی کر رکھا ہے اور بار بار دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی آرزو انھیں مسلسل بے قرار کیے ہوئے ہے۔ یہی بے قراری و اشک باری ان کے نعتیہ اشعار کو حسنِ تغزل کی معراج بخش دیتی ہے۔ اس ضمن میں ان کی اور نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو آپ کی روحانی وارداتِ قلبی کے غماز ہیں:

صبا زِ طرۂ شبرنگِ مہوشِ طنار	کشود نافۂ مشکیں بروئے اہلِ نیاز
کیم گدائے درِ مفلسی و کوتاہ دست	کجا ایں غالیہ عطری و قصہ ہائے دراز
توئی کہ ذرّہ صفت را بآسماں بردی	چگو نہ شکرِ تو گوید کمینہ بندہ نواز
غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست	کمالِ حشمتِ محمود را بعجزِ ایاز
رہینِ ساقیِ چشمم کہ جرعہ بخشاند	ز جامِ چہرۂ ترکانِ مہو شانِ حجاز
بہ بزم بادہ فروشاں بہ نیم جو نہ خرند	متاعِ زاہدِ طماع چہ حج و صوم و نماز
مزار پیرِ مغاں راز ہائے سربستہ است	فغاں زِ واعظِ خودبیں کجا است محرمِ راز؟
اگرچہ حسنِ تو ازمہر غیرمستغنی است	من آں نیم کہ ز ایمانِ خویش آیم باز

سیّد مہرعلی شاہ گولڑویؒ جب پنجابی زبان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آپ کے قلم معجز رقم میں اور ہی والہانہ پن سما جاتا ہے۔ زبان کی مٹھاس، لہجے کی چاشنی، برمحل الفاظ کا استعمال، دل نشیں تراکیب برمحل بولتے ہوئے مصرعے، آنسو بہاتے ہوئے جذبے، خیالات کی روانی، احساسات کی طغیانی، افکار کا بحرِ بے کنار اُچھلتا ہوا، معانی کا آہوئے تاتاری مچلتا ہوا۔ ان میں بعض تراکیب ایسی ہیں جو آپ کے اپنے علاقے سے مخصوص ہیں۔ مگر آپ کے لہجے کی مٹھاس

نے انھیں ایسا حلاوت آفریں بنا دیا کہ قلب و جان کو بوجھ نہیں بلکہ روحانی فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کے کہے ہوئے مناقب میں بھی بہت سے اشعار نعتیہ ہیں اور آپ کی منظومات میں بھی نعتِ رسول ﷺ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ آپ نے پنجابی زبان میں جو بھی لکھا وہ حاصلِ کلام ٹھہرا اور ایسے قبولیتِ عام کی خلعت عطا ہوئی۔ آپ نے نعتیہ ماہیا بھی لکھا۔ نعتیہ ڈھولا بھی لکھا اور باقاعدہ نعت بھی لکھی۔ غرض جو بھی لکھ دیا عوام و خواص کی نظروں میں محبوب و مقبول ٹھہرا۔

ایک جگہ آپ حضرت جامیؒ کی ''یوسف زلیخا'' کی طرز میں پنجابی نعتیہ اشعار رقم فرماتے ہیں۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کا رُخ سلطانِ دوعالم ﷺ کی جانب ہے اور آپ شہرِ مدینہ کی جدائی میں بے قرار ہیں اور جانِ مدینہ ﷺ کے دیار کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ اس نعت کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

نسیما قاصدانہ ویس لائیں — لوجہ اللہ ماہی دے دیس جائیں
ادب سیتی دیویں بوسہ زمیں نوں — تے آکھیں اس طرح اُس نازنیں نوں
مدت ہوئی نہ ملیا یار پیارا — کدیں منزل کرے سوہنا اتارا
کے ہوسی چا نوازیں گولڑوی نوں — زیادہ نہ کریں گل تھولڑی نوں
ہو واں میں سگ مدینے دی گلی دا — ایہو رُتبہ ہے ہر کامل ولی دا
دلا سمجھا توں اکھیاں روندیاں نوں — جگر دا خون بھر بھر کھوندیاں نوں
رہی سمجھاتے آون باز ناہیں — روون دھوون تے دَسن راز ناہیں

اسی نعت میں ان کا گداز نئی بلندیوں کو چھوتا ہے اور عشق جو رسمیات سے غیر آگاہ ہوتا ہے یکایک ادب کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ کیوں کہ آپ باخبر ہیں کہ یہ ایسا محبوب ہے جو دوعالم ہی کا محبوب نہیں بلکہ اپنے خالق کا بھی محبوب ہے اور یہاں عشق کے نام پر معمولی سی شوخی بھی نامۂ اعمال کو سیاہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس حوالے میں اس طویل نعت سے مزید کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

بھانواں کول آکھاں بول وے ڈھول — ترے بولن اُتوں عالم کراں گھول
وچھوڑا ناں کسے دے پیش آوے — کسے دا یار ناں پردیس جاوے
کویں پردیسیاں نوں یاد کرنا — غریب الوطن دا دل شاد کرنا
کوئی ہووے سیو کشتی جہاناں — اساں سر پر سجن دے دیس جاناں

سیّدنا پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ آج کے لفظوں میں باقاعدہ شاعر نہیں تھے۔ آپ کی شاعری نمود و نمائش یا شہرت کے حصول کا ذریعہ نہیں تھی۔ اور نہ ہی آپ کے لیے شاعر کہلانا بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس کے لیے آپ نے بہت کم لکھا مگر جو لکھا خوب لکھا۔ آپ کی نعتیہ اشعار اور مناقب پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے دل اور جگر کے ٹکڑے قرطاس کی زینت بنا دیے ہیں۔ اس تناظر میں ہم دیکھتے ہیں تو آپ کے بہت سے نعتیہ اشعار طویل مناقب سے بھی دستیاب ہیں۔ اپنے مرشدِ اعلیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو راہوارِ قلم کا رُخ بے اختیار گنبدِ خضریٰ کی طرف مڑ جاتا ہے اور محبتِ رسول ﷺ کے گل و لالہ نوکِ قلم سے ٹپکنے لگتے ہیں۔

مشہور سماجی شخصیت مولوی محرم علی چشتی کے لڑکے مولوی قائم علی گولڑہ شریف کے درسِ دینیات میں داخل ہوئے تو سیّدنا مہر علی شاہ کی نگاہِ کرم کے فیضان سے علومِ دین میں یکتا ہوگئے اور حضرتِ اعلیٰ سے ''فاضل لاہوری'' کا لقب پایا۔ حالاں کہ تمام اساتذہ مولوی قائم علی کے علمی مستقبل سے مایوس ہوچکے تھے۔ ایک روز یہی فاضل لاہوری فارسی میں نظم کہہ کر لائے تو سرکار گولڑوی نے انھیں یہ نعت فی البدیہہ لکھوا دی:

آشفتۂ مہروئے پُر ناز و ستم گارم　　　من کشتۂ ابروئے آں دلبر عیارم
بریادِ سیہ چشمے ہمہ روز سیاہم شد　　　وز ناوکِ مژگانش صد خار بہ دلِ دارم
از زلفِ پریشانش شد خانہ بدوشِ من　　　وز مصحفِ روئے او آیاتِ خدا دارم
عشق آمد و شد ساری چوں بو بگلاب اندر　　　اُو در من دمن در وے سر یست زِ اسرارم
بیروں نہ زدم قدمے ویں طرفہ تماشابیں　　　پُر آبلہ شد پایم عمریست کہ سیارم
قد کان وما معہ ما کان من الاکوان　　　الان کما کان مشہودِ دلِ زارم
تا یافتہ ام خبرے از بابِ علومِ دل　　　دلدادہ بمہر آں شہ حیدرؓ کرارم

جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سرکارِ گولڑوی کی شاعری ان کی وارداتِ قلبی کی غماض ہے۔ انھوں نے بادشاہوں اور سلاطین کے قصائد نہیں لکھے۔ نوابوں اور حکمرانوں کے درباروں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ نوابین اور امرا تو آپ کی نگاہِ کرم کے ملتجی رہا کرتے تھے۔ آپ کی نگاہوں میں تو جمالِ سیّدالکونین ﷺ کے جلوے بسے رہتے تھے۔ باقاعدہ شاعری نہیں فرمائی۔ بعض اشعار قلبی وارداتوں کے ترجمان بن کر اہلِ نظر کے لیے سرمایۂ عقیدت بن گئے۔ بعض اوقات اصحابِ ذوق کی فرمائش پر فی البدیہہ اس شان سے اشعار کہے کہ حاصلِ

کلام بن گئے۔ بعض اوقات آستانہ عالیہ کے ترنم ریز غلاموں کی فرمائش پر قوالی کے انداز پر نعتیہ اشعار لکھے جنھیں شہرتِ عالم اور بقائے دوام کی سند خاص عطا ہوئی اس ضمن میں ان کی لکھی ہوئی ایک نعتیہ قوالی کے دو بند پیشِ خدمت ہیں:

جب سے لاگے تورے سنگ نین پیا
نیند گئی آرام نہیں ساری ساری رین پیا

دُکھ آئے سکھ بھاگ گئے سب عیش مٹا سارا چین پیا
تن من دھن سب تجھ پہ واروں وار دیوں کونین پیا
جیا تڑپت ہے درسن دیجو صدقۂ حسنؓ حسینؓ پیا
وصل علیٰ کیا شان ہے لامثلک فی الدارین پیا
مہرعلی ہے حب نبی اور حب نبی ہے مہرعلی لحمک لحمی جسمک جسمی فرق نہیں مابین پیا

جب سے لاگے تورے سنگ نین پیا
نیند گئی آرام نہیں ساری ساری رین پیا

سیّد مہرعلی شاہ گولڑوی نظریۂ وحدت الوجود کے زبردست عالم بلکہ مبلغ بھی تھے۔ اس سلسلے میں آپ گھنٹوں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ نامور علما سے جو اس نظریے کے حامی نہیں تھے ان کے مناظرے بھی ہوئے۔ اس نظریے کے مخالف نامور صوفیا نے بھی نظریہ وحدت الوجود کو ایک مقام پر جا کر درست کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسے بازیچۂ اطفال نہیں بننا چاہیے۔ جیسا کہ سیّدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول منسوب ہے کہ:

منصور نے اناالحق درست کہا تھا مگر حق یہ تھا کہ اسے ضبط کیے رکھتا۔
شریعت تو ظاہری لازم کو بھی مدنظر رکھے گی۔

قبلہ سیّد مہرعلی شاہ گولڑویؒ کی نثریہ تحریروں اور شاعری میں اس عظیم نظریے کی جلوہ گری خوب خوب محسوس ہوتی ہے۔ ان کی نسبت قادریہ کے ساتھ ساتھ چشتیہ بھی تھی۔ شمس الدین سیالویؒ کے دامانِ طریقت سے وابستہ ہوئے تو دنیا ہی بدل گئی۔ اپنے گھر سے بہت کچھ عطا ہوا تھا، سرکار سیالوی کے روحانی فیوضات نے مستغنی کر دیا۔ انھوں نے سرکار سیالویؒ سے اتنی محبت کی کہ فنا فی الشیخ کے درجے پر فائز ہوگئے۔ ادھر سرکار سیالویؒ کو بھی اس مردِ کامل سے غایت درجہ محبت تھی۔ اگر دیکھے ہوئے عرصہ گزر جاتا تو فوراً بلوا لیتے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ ادھر شیخ کے دل

میں طلب جاگی اور ادھر سرکار گولڑویؒ، سیال شریف کی نورانی فضاؤں میں جلوہ گر ہوجاتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پیر اور مرید سچ مچ کے عاشق و معشوق تھے۔ دلوں کی زبان سے گفتگو کرتے اور پیغام رسانی کا ہنر جانتے تھے۔ سیّد مہر علی شاہ کا نعتیہ کلام اور غزلیات گولڑہ شریف کے علاوہ سیال شریف میں بھی قوال بڑے ذوق و شوق سے پیش کرتے۔ سرکار گولڑوی کے لکھے ہوئے مناقب ان کی خواجہ شمس الدینؒ سے محبت کی دل نشیں اور نہایت مؤثر تصویر پیش کرتے ہیں۔ ان مناقب میں عشق و عقیدت کی سرفرازی بھی۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مجھ سے علمی لحاظ پر جو کچھ ہوسکا ہے وہ اسی شمسِ نورانی (خواجہ شمس الدین سیالویؒ) کے نورِ معرفت کی بدولت ہوا ہے۔ اپنی کتاب ''سیف چشتیائی'' میں تحریر کرتے ہیں۔

اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا شیخ میرے پاس موجود ہیں اور اپنی توجہ سے وہی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں القا فرما رہے ہیں۔

اشعار کا حسن ملاحظہ ہو:

شمسِ نورانی کہ نورِ مطلق است — در ہمہ آفاق نورش مطبق است
گشت خورشیدے نہاں در ذرۂ — شیر نردر پوستین برہ
ویں عجب کاں شمس از نورِ قدم — ناتواں رابود خود صاحب علم
گر نہ دادے نام پاکت دست را — کس نہ دیدے در جہاں ایں مست را
نام پاکت ساختہ وردِ زباں — مہرِ تورا در دلش کردہ نہاں
ہر دوعالم در ہوائش باختہ — پائے از دیدہ براہش ساختہ
سیما آں سرو بستانِ خدا — شاہبازِ قدس آں شمس العلےٰ
طلعت رُو از تجلی فی الخیال — مدرکہ با ناطقہ گردند لال
بس کن اے دل قصۂ بے انفصام — السلام اے بدرِ شمسم والسلام

چوں کہ ان اشعار کا انداز نعتیہ ہے۔ تراکیب کے پیمانے میں نعت کا حسن لیے ہیں اس لیے تذکرہ نگاروں کی جانب سے ٹھوکر کھا جانے کا احتمال ہے اور بعض تو ان اشعار کو سرکار گولڑوی کی نعت گوئی کے پلڑے میں ڈال بھی چکے ہیں۔ مگر جب شاعر بقلم خود ان اشعار میں اپنی عقیدت کا مرجع اپنے پیر و مرشد کو قرار دیتا ہے تو کسی اور کو ان اشعار کو نعتِ سرورِ کونین ﷺ سے منسوب

D:NaatRang-16
File: Akram Raza
Final

کرنے کی کیا حاجت ہے۔ یہ امر بہرحال طے ہے کہ جب پیر خواجہ شمس الدین سیالوی جیسا بایزید ثانیؒ ہو اور مرید سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ جیسا جنیدِ وقت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وحدت الوجود کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہو تو ارادت مندی ایسی ہی لازوال خوش بو بکھیرتی ہے۔

صوفیائے کرام کا قدیم دور سے ایک شیوۂ شاعری یہ رہا ہے کہ یہ حمد یا نعت کا عنوان نہیں باندھتے۔ اپنی وارداتِ قلبی بیان کیے جاتے ہیں۔ اور آنے والے دور کا خوشہ چین حمد و نعت اور پند و نصائح کے جواہر پاروں کو علاحدہ علاحدہ خانوں میں تقسیم کرتے چلا جاتا ہے۔ سیّد مہر علی شاہ کے ہاں روحانی واردات کی بہتات ہے۔ انتہائی علم و فضیلت نہایت (گہرا مطالعہ) مطالعہ، بے پناہ مشاہدہ اور سب سے بڑھ کر عمل کا حسن۔ ان سب عناصر نے ان کی شاعری کو پڑھنے والوں کے دلوں کے بے پناہ قریب کر دیا ہے۔ ''روز الست'' صوفیائے کرام اور درویش صفت شعرا کا محبوب موضوع ہے۔ اور پھر وہ ساعتیں جب خدائے کریم نورِ محمد ﷺ سے کرسی، عرش، لوح و قلم، زمین و آسمان، ملائکہ و جنت سمیت تمام کائنات تخلیق کر رہا تھا۔ یہ ساعتیں صوفی شعرا کو روحانی واردات اور فکری تگ و تاز کی بدولت اپنے مشاہدہ کا حصہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہ دراصل غیر معمولی مطالعہ، باعمل زندگی، احترامِ شریعت اور محبتِ خدا و رسول ﷺ کی کرشمہ کاری ہے کہ مطالعہ مشاہدہ کا رُوپ اختیار کر لیتا ہے۔ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کے پس منظر میں حضرت گولڑوی کے یہ اشعار دیکھیے:

اج وی اوہ پیاں وسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں
نال خوشیاں دے رل مل جتھے راتاں کالیاں جالیاں
اُرے تھیں اوہ ہے اُریرے، پریرے پرے تھیں
بے شک آپے آپ ہے اساں سبھے جھوکاں بھالیاں
رات وچ ویہنوں ویکھ سمجھے کل شی ھالک
کچھ نہ وچ سب کجھ ہے ڈھڑا ایہہ بیرنگی چالیاں
جے آکھاں توں وسدا ناہیں تیرے بن پھر کون ہے
روپ کس دا میں دساں دیویں جو توں ہی دکھالیاں
ہے جو تنزیہہ عین تشبیہ جمع حق مشہود ہے
کرم کیتا غوث الاعظم اپنے سردیاں والیاں

خدا سے باتیں کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرت گولڑوی محبوبِ خدا کا تذکرہ کررہے ہیں۔ ان کا اوّلیں مصرع:

"اجے بھی او پیاں دسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں"

صاف عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف اشارہ کر رہا ہے جب ذات خداوندی تمام انبیا و رُسل کی ارواح سے حضورِ مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا وعدہ لے رہی تھی۔ ان اشعار کے ساتھ جوں جوں یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے سرکار گولڑوی کی بے چینی انتہا کو چھونے لگتی ہے اور وہ دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ دیدارِ مصطفوی کی دولت پہلے بھی ان کا مقدر بن چکی ہے۔ اس تناظر میں ان کی بے قراری دیکھیے:

پا کے گل وچ پیچیاں زُلفاں دے میں رونْدی وتاں
ساوی پیلی ہو رہیاں گیاں سرخیاں تے لالیاں
رہندیاں پل پل سکاں دم دم اڈیکاں تیریاں
کنڈولا کے ٹرگیوں سجناں پریتاں نہ پالیاں
جھات پا کے ول گیوں ساری رَین گزری رونْدیاں
نین برسن زار رم جھم جیویں بدلیاں کالیاں
دل دا دیہڑا خانہ اکھیاں دا دوہاں نوں انتظار
قدم پاویں جیونداں جیوندیاں ند ہوون خوش حالیاں
ویکھ لو رج رج کے اکھیو کجھ وسا ئیں دم دا
پھر بھی پیاں ویکھسن کوئی خوش نصیباں والیاں
مہر ہے ساری علیؓ دی شک نہ رہیا اک ذرّہ
تاہیں اوہ پیاں دِسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں

حضرت گولڑوی اپنی نعتوں میں وہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں جو صوفیا کو محبوب رہا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری میں غضب کا لوچ اور نغمگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ محافل، دینی مجالس اور قوالی کی تقاریب میں آپ کی نعتیں نہایت ذوق وشوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ ویسے تو آپ کا تمام کلام ہی عارفانہ ہے اور اس حیثیت سے ہم گفتگو کرنے لگیں تو داستان دراز سے دراز تر ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن اس مضمون میں ہمارا موضوع بطورِ خاص آپ کی نعتیہ

شاعری ہے۔ بعض مقامات پر تو آپ کی طویل متصوفانہ منظومات سے بطورِ خاص چند نعتیہ اشعار منتخب کرنے پڑتے ہیں۔ آپ کی ایک معروف نعت سے چند بند قارئین کے ذوقِ علمی کی نذر ہیں۔ آپ کی جس نعت سے چند اقتباسات نذر کیے جا رہے ہیں وہ اکثر اعراس کی محافل میں اہلِ شوق کی وارفتگی کا سامان مہیا کرتے ہیں:

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

روندیاں نیناں نوں سمجھا رہی لکھیا پڑھیا سب بھلا رہی
ہک نام سجن دا گا رہی رگ رگ تے لوں لوں ساہاں نال

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

کراں یاد میں سوہنی جھات نوں اس سفر عرب والی رات نوں
اس حرا وادی دی گھات نوں یا لَیۡتَنِیۡ یوم الوصال

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

آدمؑ تھیں تاں عیسیٰؑ مسیح نفسی بلیسن سب نبیؑ
اُتھے بولسی ہک اُمتی احمد ﷺ نبی صاحب کمال

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

ربی الھٰی صمدی صل و سلم علی النبی
فاطمہؓ الزہرا و علیؓ حسنین جگ دی پناہاں نال

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

اس مشہور و معروف نعت میں دیدارِ مصطفےٰ ﷺ کے لیے ان کی تڑپ عجیب ہی رنگ اور بے قراری لیے ہوئے ہے۔ اس معاملے میں آپ دیوانگانِ قافلۂ شوق کے سربراہ نظر آتے ہیں۔ بے چینی و بے قراری حد سے فزوں ہونے لگتی ہے:

سارا دن گزاراں بھوندیاں گھت پلڑا مکھ تے روندیاں
ہنجواں نال مکھڑا دھوندیاں ساری رین سولاں تے آہاں نال

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

جیندی جند تلی تے دھر رہی گل پلڑا منتاں کر رہی
لکھ واری توبہ پڑھ رہی رُٹھڑا مناون دا خیال

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

جب سے بے قراری اور اضطراب کو چھونے لگتے ہیں تو سرکارِ دوعالم ﷺ کی شانِ رحمت کا خیال آتا ہے کہ آپ تو بے یاروں کے یار اور بے چاروں کے چارہ ہیں۔ غم نصیب زندگی کا درمان اور رنج و الم کے طوفان میں راحت کا سامان ہیں۔ آپ کی شانِ رحمت روتے دلوں کو ہنساتی اور بھیگتی آنکھوں کو مسکراہٹ کے آداب سکھلاتی ہے۔ آپ سے غم زدہ کا حال پوشیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا رونا کیا اور اضطراب کیسا۔ اس جاں فزا احساس کے ساتھ ایک نئی اُمید دل و جان میں خوشیوں اور مسرتوں کے چراغ روشن کرنے لگتی ہے۔ اور بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں:

مہر علی کیوں پھریں اُداسی — اج کل سوہنا آگل لاسی
ہوسن خوشیاں تے غم جاسی — ملساں لمیاں کر کر باہاں نال
دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نئیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

ہمارا مقصود چوں کہ حضرت گولڑوی کی نعت گوئی ہے اس لیے ہم نے آپ کے سوانح سے گریز کیا ہے۔ اجمالی سا تذکرہ حصولِ سعادت کے لیے یوں ہے کہ آپ یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۹ء بروز پیر راول پنڈی سے چند میل دُور گولڑہ شریف میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد سیّد پیر نذرالدین تھے۔ دینی تعلیم مولانا محمد شفیع اور مولانا سلطان محمود سے مکمل کی۔ خاندانی لحاظ سے سلسلہ قادریہ میں صاحبِ اجازت تھے۔ چشتیہ سلسلہ میں سیال شریف کے حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے سلسلۂ بیعت استوار کیا اور تمام زندگی اسی سلسلۂ طریقت کو رواج دیا۔ علومِ ظاہری کے ساتھ ساتھ علومِ باطنی سے بھی سینہ منور تھا۔ جب حج کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پہنچے تو دیارِ نور میں آ کر خیال آیا کہ یہیں بس جائیں اور زندگی سرکارِ دوعالم ﷺ کے قدموں میں گزار دیں۔ ان دنوں غلام احمد قادیانی حکومت انگلشیہ کی سرپرستی میں بڑی تیزی سے خلقِ خدا کو گم راہ کر رہا تھا۔ عرب و عجم کے نامور مشائخ اور علما کی استدعا پر آپ اس فتنے کے استیصال کے لیے برصغیر میں تشریف لے آئے۔ اپنی تمام قلمی، علمی، روحانی اور نظریاتی قوتیں اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے صرف کر دیں۔ خدائے کریم نے ہر معرکۂ حق و باطل میں آپ کو سرخ روئی عطا کی۔ آپ کا قلم بے پناہ تاثیر کا حامل تھا۔ آپ نے غلام احمد قادیانی کو مباہلے کے لیے لکھا۔ تمام مسالک کے علما آپ کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ مگر اسے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس وقت کے صاحبِ کمال بزرگ حضرت خواجہ احمد میرویؒ (میرا شریف) نے فرمایا کہ اگر

مرزا غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے آجاتا تو قہرِ خداوندی کی بجلی اس پر گرتی اور وہ زمین میں دھنس جاتا۔ قادیانیت کے علاوہ آپ نے ہر باطل تحریک اور مسلک کا تعاقب کیا جس کا مقصد اہانتِ رسول ﷺ یا توہینِ حضور تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے متعدد علمی کتب تحریر فرمائیں جو آج بھی اصحابِ علم کے ذوقِ علمی کو جلا بخشتی ہیں۔ زندگی کے آخری دور میں سلسلۂ تصانیف، سلسلۂ تقاریر سمیت ہر قسم کی بزم آرائی سے کنارہ کش ہوکر حجرہ نشین ہوگئے۔ یہ فنا فی اللہ کی منزل تھی۔ بالآخر ۱۱رمئی ۱۹۳۷ء کو یہ آفتابِ ولایت خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ آپ کے وصال کو ایک عرصہ گزر گیا مگر آپ کا مزار پُرانوار آج بھی مرجع خلائق ہے:

اُذکر اللہ کارِ ہرا و باش نیست
ارجعی برپائے ہر قلاش نیست

ہم نے حیاتِ حضرت گولڑوی چند سطور میں رقم کرکے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی سعی کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ والا صفات سے بے پناہ محبت وعقیدت ہی ان کے اشعار سے نعت کے نام پر ہجر وفراق کی خوش بو کشید کرنے کا باعث بنی۔ آپ کی شاعری میں جہاں نعتِ حضور، رحمتِ حضور اور الطافِ حضور کے حوالے سے کیف وشادمانی کے احساسات ملتے ہیں وہاں ہجر وفراق، جدائی وفرقت اور اشک باری وغم ناکی کے احساسات بھی بدرجۂ اولیٰ ملتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی غزلیات بھی ان کی روحانی واردات کی امین ہوتی ہیں۔ ان کا محبوبِ مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے کلام میں بہ یک وقت حمد ونعت کی کیفیات موجزن دکھائی دیتی ہیں۔ اردو پنجابی کے علاوہ آپ کی عربی اور فارسی زبانوں پر بھی مضبوط گرفت تھی۔ ان کی نعتوں میں جابجا عربی کے مصرعے ہی نہیں بلکہ مکمل اشعار بھی بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ قصیدہ فارضیہ عربی قصائد میں بلند ادبی مقام رکھتا ہے۔ آپ نے اس کے بعض اشعار کا پنجابی میں ترجمہ فرمایا ہے۔ ان میں سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں جن سے آپ کی اس مہجوری و فرقت کا اندازہ ہوتا ہے جو مدینے سے دُور رہ کر آپ کو بے چین کیے ہوئے تھی:

ساربانا‌ں مہربانا‌ں راہیا — شالا جیویں خیر تھیویں ماہیا
آکھیں جا اُنہاں پیاریاں دل جانیاں — گوڑھے نیناں والیاں مستانیاں
سارا عالم صدقے آکھاں بول توں — واراں سرئیں اُس انوکھڑے ڈھول توں
بن تساڈے ہک گھڑی سو سال دی — بہہ ٹھکانے پئی تساڈے بھال دی

چشماں فرش و چھاواں خاطر ڈھول دی　　مرحبا یا مرحبا پئی بول دی
پہنچیں جدتوں سوہنیاں دی جھوک تے　　خیر ہووی انہاں نوں ذرا روک تے
جا سنیہڑا دیویں اُنہاں جانیاں　　گوڑھے نیناں والیاں مستانیاں
بُھلدے نئیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے　　بول سانول یار روہی رول دے

ان اشعار میں ہجر و فراق اپنی انتہا کو چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ قاصد کے ہاتھ پیغام کیا بھیج رہے ہیں یوں لگتا ہے جیسے اپنی رُوح اور دل قاصد کے حوالے کر دیتے ہیں اور اشکوں کی برسات کو اظہارِ مدعا کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ہاں ایسے ہی اشتیاق کی جھلک یوں ملتی ہے:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

بلاشبہ حضرت گولڑوی محبوبانِ بارگاہِ خداوندی میں سے تھے۔ آپ کا شماران لوگوں میں ہوتا ہے جن کا فرمایا ہوا مستند اور جن کا لکھا ہوا حاصل ادب ہوتا ہے۔ آپ اوّل و آخر شاعر نہ تھے۔ آپ تو فقط عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ وہ عاشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کی زندگی سراسر مصطفوی کا نمونہ اور جس کی بندگی آدابِ نیاز سے عبارت تھی۔ جس کی زندگی خدا کے نام پر اور جس کی موت نبی مکرم ﷺ کے پیغام پر تھی۔ نعت تو آپ کے عشق و عقیدت اور وارداتِ روحانی کے اظہار کا قابلِ صد ستائش نمونہ ہے۔ آپ کی نعت گوئی تو اس حدی خوان کا زمزمۂ شوق ہے جسے صحرائے محبتِ رسول میں دیوانہ آگے کو بڑھتے ہوئے وہ جوشِ افتاد کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ آپ گلستانِ مدحت و عقیدت کے وہ گلِ سدابہار ہیں جس کی خوش بو سے ہر آنے والا زمانہ معنبر ہوتا رہے گا۔ روحِ ارضی آپ کی عظمتوں کو سلام کرتے ہوئے آپ کو مقبولیت کی خلعتِ جاودانی عطا کرتے ہوئے پکار رہی ہے:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ماخذ:

D:NaatRang-16
File: Akram Raza
Final

۱۔ ''مہرِ منیر'' از مولانا فیض احمد فیض
۲۔ ''مرأۃ العرفان'' از کلام سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی

۳۔ ''نام ونسب'' از صاحبزادہ سیّد نصیرالدین نصیر گولڑوی
۴۔ ''سیارہ ڈائجسٹ'' اولیائے کرام نمبر
۵۔ ماہنامہ ''سلسبیل'' مدیر حاجی فضل احمد
۶۔ ''سیف چشتیائی'' از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی
۷۔ ''تحقیق الحق فی کلمۃ الحق'' از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی
۷۔ ''الفتوحات الصمدیہ'' از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی
۹۔ ''شمس الہدایۃ'' از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی
۱۰۔ ''مکتوبات طیبات'' از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی
۱۱۔ ''ملفوظات مہریہ'' از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی
۱۲۔ ''اعلاء کلمۃ اللہ'' از سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی۔ بھارت

علامہ فیض الحسن سہارنپوریؒ کی نعتیہ شاعری

ہندوستان کی سرزمین ہر عہد میں اساطین عربی زبان و ادب سے معمور رہی ہے۔ علوم و معارف کے ہر میدان میں قابلِ ذکر خدمات انجام دی گئیں۔ انھیں درخشندہ ستاروں میں ایک ستارہ علامہ فیض الحسن سہارنپوری (۱۸۱۶۔۱۸۸۷ء) کے نام سے معروف ہے۔ علامہ، علما اور فضلا کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔ تصنیف و تالیف اور تدریس و تحقیق میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ عربی شاعری میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ویسے علامہ کی فارسی اور اردو شاعری بھی خصوصیات سے عبارت ہے۔ آپ کا عربی مجموعۂ کلام ''دیوان الفیض'' ہندیت کے اثرات سے نہ صرف پاک ہے بلکہ عربی شعرگوئی کی نزاکتوں اور لطافتوں سے مملو ہے۔ علامہ کی عربی دانی کے لیے یہی کافی ہے کہ مشاہیرِ علم وفن سرسیّد احمد خاں، الطاف حسین حالی، وحیدالدین سلیم، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمیدالدین فراہی وغیرہ نے آپ کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیے۔☆[۱] اسی طرح یہ بات بھی قابلِ بیان ہے کہ صدرالدین آزردہ، احمد سعید دہلوی اور مولانا فضل حق خیرآبادی نے آپ کے علمی اور ادبی ذوق کو نکھارنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔☆[۲] چناں چہ آپ ایک ذہین اور طباع کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئے۔ مولانا خیرآبادی سے آپ کا نہایت گہرا تعلق تھا۔ جس کا اظہار ان کے اس مرثیہ سے واضح ہے۔ جسے انھوں نے استادگرامی کے سانحۂ ارتحال پر قلم بند کیا۔ مولانا کی عظمت و رفعت پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

سقی و مضی کالغیث و الغیث دونہ   فنحن متی تنظر الٰی الغیث نسجم

وہ شخصیت بارش کے مانند سیراب کرکے چلی گئی اور درحقیقت بارش اس
کے بالمقابل کم تر ہے۔ ہم اشک باریں کہ کب ہم اس بارش سے

لطف اندوز ہوں گے۔

سراجا منیرا یستضاء بنورہ بلیل بیھم اذا تانا بمجھم ☆۳

وہ چراغ کے مانند ہے، جس کی روشنی سے تاریک رات میں اُجالا حاصل کیا جاتا، جس وقت ہمارے پاس اندھیرا لے کر آتی ہے۔

اسی طرح ''دیوان الفیض'' میں علمائے کرام، احباب و اصحاب و اہلِ خانہ کی اموات سے متعلق کئی مراثی شامل ہیں۔ جن میں اہلِ علم کے مختلف پہلوؤں اور علمائے کرام کی دینی خدمات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ مثلاً نواب شاہ جہاں بیگم، مولوی احمد علی محدث سہارنپوری، مولوی گل محمد، نواب کلب علی خاں، نواب صدیق خاں، مولوی سلطان حسن، مولوی احمد حسن مرادآبادی، سلطان عبدالمجید خاں اور حکیم محمود حسن پر عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کیے گئے۔ احباب میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۳۔۱۸۸۰ء) کے انتقال پر ترتیب دیا گیا قصیدہ زبان و بیان کے اعتبار سے ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ علامہ نے اپنے جذبات کی عکاسی اس طرح کی ہے۔

سمعنا فعال اذا سمعنا نعیہ کمثل ریاح لاتراھن شرعا

مولانا کے انتقال کی خبر کو سن کر ہم ان طوفانی ہواؤں کے مثل ہوگئے جو بادبانوں کی رعایت نہیں کرتیں۔

سمعت و لم اسمع نداء ولاصدی وھل یسمعن من کان مثلی مقحعا ☆۴

مجھے (موت کی اطلاع) مل گئی اور میں نے کوئی پکار اور آواز نہیں سنی اور کیا انھوں نے مجھ جیسا غم زدہ کسی کو پایا ہے۔

مذکورہ شخصیات کے علاوہ بھی علامہ نے اپنے اساتذہ اور احباب پر مراثی کہے ہیں۔ لیکن ان میں نام کی تعیین نہیں ہے، کچھ وہ قصائد ہیں جن میں علامہ نے اپنے احوال و کوائف بیان کیے ہیں۔ اپنی بے بسی کا ذکر کرتے ہوئے رحمت ایزدی کے لیے دعا کی گئی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا بار بار احساس دلایا گیا ہے۔ ہر جگہ خشیتِ الٰہی کی جلوہ سامانی ہے۔ علامہ تقویٰ و تدین کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔

علامہ سہارنپوری کی علمیت کا چرچا دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ ۱۸۷۰ء سے ۱۸۸۷ء تک اورینٹل کالج لاہور سے وابستہ رہ کر تشنگانِ علم کو سیراب کرتے رہے۔☆۵ آپ کے اس علمی مقام و مرتبہ کو دیکھتے ہوئے علامہ شبلی اور مولانا فراہی نے آپ سے استفادہ کے لیے لاہور کا سفر

کیا۔[۶] آپ کی شخصیت کا ایک امتیازی پہلو یہ تھا کہ قرآنِ کریم کے مطالب و معانی کی توضیح و تفسیر کے سلسلے میں کلامِ عرب سے مدد لیتے تھے۔[۷] علامہ کے اسی نقطۂ نظر نے مولانا فراہی کے فہمِ قرآن کو جلا دینے میں مہمیز کا کام کیا۔ مولانا فراہیؒ اپنے استاذِ گرامی سے حد درجہ متاثر تھے کہ اور خود علامہ بھی انھیں کافی چاہتے تھے۔ جس کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ علامہ اپنے شاگرد کو سبع معلقہ کی شرح کے مسوّدہ کو عنایت کرتے ہوئے، اس پر مولانا کی صلاحیتوں کے اعتراف میں اپنے قلم سے مہر ثبت کی۔[۸] مولانا بھی اکثر اپنے استاذِ محترم کی تعریف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ علامہ کی کوششوں سے ہندوستان میں طلبہ کو قدیم شعرا کے کلام سے روشناس کرایا جانے لگا۔ مولانا کی خدمات کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ ڈیوٹی سوسائٹی کو تقویت دینے میں آپ کو نمایاں رول رہا ہے۔ اس کے مترجمین میں آپ سرخیل کے مانند تھے۔ آپ کے تراجم سرسیّد کی نظر میں تسلی بخش تھے۔[۹]

آپ کا تصنیفی خدمات میں تعلیقات الجلالین، حاشیہ بیضاوی، حاشیہ مشکٰوۃ المصابیح، شرح دیوان الحماسہ اور شرح معلقات السبع وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر شرح ''ریاض الفیض'' تین زبانوں میں ہے۔ یہ مسودہ مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۱۰] دیوان الفیض کے علاوہ مولانا کا ایک شعری مجموعہ ''چشمۂ فیض'' فارسی زبان میں ہے اور ایک دوسرا ''گلزارِ فیض'' کے عنوان سے اردو زبان میں ہے۔

عربی مجموعۂ کلام ''دیوانِ الفیض''[۱۱] کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس میں مختلف مراثی اور قصائد کے علاوہ گیارہ نعتیہ قصائد ہیں جو تقریباً تین سو اشعار پر مشتمل ہیں۔ ان میں آنحضورﷺ کے مختلف اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپﷺ کی ذات تمام انسانیت کے لیے منارِ ہدایت ہے۔ آپﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے وابستگی میں دین و دنیا کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ علامہ جابجا تائیدِ الٰہی کے لیے دست بدعا ہیں۔ آپﷺ کی ذاتِ اقدس کو ''حبل متین'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس رسّی کو مضبوطی سے تھام کر دنیاوی اور اخروی مشکلات سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ شمع بزمِ ہدایت پر بار بار درود و سلام بھیجے گئے ہیں۔ مومنین سے درود و سلام کے لیے درخواست کی گئی ہے۔ اپنی بے بضاعتی کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ تاجدارِ نبوت کو تاریکیوں کا چراغ کہا گیا ہے۔ اپنے گناہوں کا بار بار اعتراف کیا گیا ہے۔ آپﷺ کے چہرۂ انور کی تابانی اور ضوفشانی کا کثرت سے اعادہ کیا گیا ہے۔ قیامت کی سختیوں اور ہول ناکیوں سے بچنے کے لیے آپﷺ

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

سے شفاعت کی التماس کی گئی ہے۔ علامہ کے تمام شعر حبِ نبی میں ڈوبے ہوئے ہیں، جس سے آپ کی والہانہ عقیدت اور انتہائی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔ عشقِ رسول ﷺ آپ کے رگ و ریشے میں بسا ہوا ہے۔ یہی ان کی ردائے زیست تھی اور علامتِ معرفت بھی۔ اس مضمون میں علامہ کے نعتیہ اشعار کو پیش کرتے ہوئے علامہ کے مقام کا تعین کیا جائے گا۔ سب سے پہلے کچھ ایسے اشعار نقل کیے جائیں گے جن میں آپ ﷺ کے شمائلِ مقدسہ کو بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے:

یودی و ینصر من یلوذ بہ اذا عی الفتی بالنصر و الایواء

جب نوجوان مدد کرنے اور پناہ دینے سے عاجز ہوجائے اور ان حالات میں کوئی آپ ﷺ سے پناہ مانگے تو آپ ﷺ اسے پناہ دیتے اور مدد کرتے ہیں۔

ایا من ھمہ دفع البلایا و یا من دابہ لک الرقاب

اے وہ عظیم شخصیت! تمھارا مقصد تو مصائب کا ہٹانا ہے اور اے مقدس ذات! گردنوں کو آزاد کرانا تو تمھاری شناخت ہے۔

رسول ابطحی ھاشمی شفیع، مستجیب، مستجیب

رسول اکرم ﷺ وادیٔ بطحا کے رہنے والے، ہاشمی، شفاعت کرنے والے اور (مصائب پر) لبیک کہنے والے ہیں۔

خلقت مبارکا و بعثت سمحا فاحسن بی علی سولی و عابی

آپ ﷺ کی تخلیق باعث برکت اور بعثت عفو و درگزر ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے ہماری خرابیوں اور برائیوں کے بدلے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

جواد کریم لایخیب سائلا و کل لہ فی ما یرید مصیح

آپ ﷺ فیاض اور سخی ہیں، کسی سائل کو مایوس واپس نہیں کرتے اور اس کی ہر مطلوبہ شے اسے مل جاتی ہے۔

یجود لنا من ظھر غیب فیز تجی کما ترتجی الام العطوف فروخ

آپ ﷺ دست غیب سے ہماری یاوری فرماتے ہیں۔ پس ہم آپ ﷺ

سے اسی طرح آس لگائے ہوئے ہیں۔ جس طرح چڑیوں کے بچے اپنی
ماں سے لو لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔

لن یبلغ المطلوب دونک جاھیداً شھم ذکی اروع نقاذ

طاقت ور، ذہین، بہادر اور حکمران اپنے مقصد میں آپ ﷺ سے بے نیاز
ہو کر کامیاب نہیں ہوسکتے۔

انی انا دیک اذ اخرجت من حیاتی ولا ایالی ھنا من کثرۃ اللغط

جب مجھے اپنی قبر سے نکالا گیا تو آپ ﷺ کو آواز دوں گا اور وہاں کے
شور و شغب کی پروا نہیں کروں گا۔

امشی الیک و لا ابغی معاونۃ من راکب العنس او من فارس الفرط

آپ ﷺ کی طرف بڑھوں گا اور مجھے کسی اونٹنی کے سوار یا برق رفتار
گھوڑے کے سوار سے مدد مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

مذکورہ اشعار میں سرورِ کونین ﷺ سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ کی نعتیہ شاعری کی مختلف خصوصیات کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علامہ نے آپ ﷺ کو ماویٰ و ملجا، پریشان حال کے لیے جائے سکون، غلاموں کے لیے ذریعۂ نجات، غربا کی آواز پر لبیک کہنے والے، باعثِ برکات، مجموعۂ عفو و درگزر اور بے مثال فیاض قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا حال ان چڑیوں کے مانند ہے جو اپنے پروں کے پیچھے اپنے بچوں کو چھپا لیتی ہیں۔ دشمنانِ رسول اپنے مطالب و مقاصد کے حصول میں نامراد رہیں گے، علامہ نے اپنا نقطۂ نظر کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آپ ﷺ کی ذات عظیم سے وابستہ ہونے کے بعد مجھے کسی اور دروازے پر دستک دینے کی حاجت نہیں پیش آتی۔

انھی مفاہیم کے کچھ اور اشعار درج کیے جا رہے ہیں:

داری بعید و لا طریق و ان طریق فلا رفیق

میری منزل بہت دُور ہے اور گم گشتہ مسافر ہوں اور سفر رفیق سفر کے بغیر
ہے۔

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

دون النبی الندی المرجی اذ لیس لی دونہ شفیق

نبی کریم ﷺ کے علاوہ کون سی بارش ہے جس سے اُمید کی جائے۔ جب

کہ پتا ہے کہ ماسوا آپ ﷺ کے میرا کوئی مہربان نہیں ہے۔

و یشتکی شوکه المعادی و یجتنی قطفه الصدیق

اور دشمن اس کی عظمت سے شاکی ہیں۔ اور دوست اس کی محبت کو سمیٹ رہے ہیں۔

رضاه نور و سحطه ظلمه تعیا بها المبریق

آپ ﷺ کی رضا نور کے مثل ہے اور آپ ﷺ کی برہمی ایسی تاریکی ہے جسے بجلی بھی دُور نہیں کرسکتی۔

ان تدرنا فکل ماء لنا کنار بها الحریق

اور اگر آپ ﷺ کی توجہ ہم سے ہٹ گئی تو ہر پانی ہمارے لیے اس آگ کے مانند ہے جسے جہنم کی آگ نے دہکایا ہو۔

ان ترضی عنا فحبنا من مالنا ملبس صفیق

آپ ﷺ کی رضا ہمارے لیے سب کچھ ہے، سچ پوچھیے تو ہم (سرد وگرم ہواؤں سے بچنے کے لیے) مناسب لباس سے محروم ہیں۔

و لا لطیف و لا کثیف و لا جدید و لا عتیق

اور نہ تو آپ ﷺ سراسر نرم اور نہ ہی سراسر سخت ہیں اور نہ ہی بالکل جدید اور نہ ہی یکسر قدیم ہیں۔

لا أرتوی بالیم ما لم اشتف بسجاله

اور میں سمندر سے بھی سیراب نہیں ہوتا ہوں جب تک کہ میں آپ ﷺ کے ڈول سے اپنی تشنگی دُور نہ کروں۔

مذکورہ اشعار میں علامہ نے آپ ﷺ کی رفاقت و محبت کی آرزو کی ہے اور آپ ﷺ کی طاقت وقوت، نورانیت کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا کہ آپ ﷺ نے پیاسوں کی پیاس بجھایا۔ زندگی کے ہر میدان میں اعتدال کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد کچھ اشعار ایسے نقل کیے جائیں گے جن میں استغاثہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ علامہ آپ ﷺ کی شخصیت کے حوالے سے اس دنیا اور آخرت سے مدد کے طالب ہوئے۔

اغثنی انت غوث مستغاث و غثنی انت غیث ذوالضباب

آپ ﷺ ہماری یاوری کیجیے آپ ﷺ ہی تو اللہ کی جانب سے نازل کردہ ماویٰ و ملجا ہیں اور آپ ﷺ ہمیں سیراب کریں، کیوں کہ آپ ﷺ ابرباراں کے مانند ہیں۔

اتیتک مستغیثا مستغیثا بقلب فارغ یحکی حبرابی

میں فارغ البال ہوکر آپ ﷺ کے حضور مدد کے لیے دست بدعا ہوں اور یہ دل اپنے اضطراب کی داستان آپ ﷺ کو سنا رہا ہے۔

اتیتک المستغاث فان نغثنی و الا فالتباب علی التباب

اے دستگیر! ہم تمھارے حضور حاضر ہیں اور اگر آپ ﷺ نے ہماری دستگیری کی تو فبہا اور ورنہ ہلاکتوں پر ہلاکت ہے۔

هو الغیث کل الغیث لاغیث مثله میزوی لمن یدعوه من ظمحاصد

اصلاً وہی بارش ہے، جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ چناں چہ وہ اس شخص کو سیراب کرتے ہیں جو شدتِ پیاس کے وقت اسے پکارے۔

کریم ندی الکفین لاغیث مثله یغیث الوری لولاه ماکان من ندی

آپ ﷺ فیاض ہیں، دونوں ہاتھوں سے لٹانے والے ہیں۔ یہ سخاوت بے مثال ہے۔ آپ ﷺ مخلوق کو سیراب کرتے ہیں اور یہ بارش آپ کے ہی فضل سے ہے۔

انت الشفیع المطاع المستغاث به او مالنا فیه من واق ولافردا

آپ ﷺ شفیع ہیں۔ لائق اطاعت ہیں اور آپ ﷺ کی ذات سے مدد چاہی جاتی ہے۔ اور آپ ﷺ کی ذات کے علاوہ ہمیں نہ تو کوئی بچانے والا ہے اور نہ ہی ہم پر غالب ہونے والا ہے۔

و من نستعینه به فی المواحی و من نستغیث به فی المهالک

اور آپ ﷺ کی ذاتِ عالیہ بیانوں میں ہمارے لیے جائے پناہ ہے اور ہلاکتوں میں ہم آپ ﷺ ہی سے مدد کے خواستگار ہیں۔

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

و یالیت شعری ای غوث یغیثنی اذا لم یغثنی صنوعمی ولا صنوی

اور کاش کہ تجھے پتا چلتا کہ کس کرم فرمانے مجھ پر کرم فرمایا۔ جب کہ

میرے چچا کے لوگوں نے اور میرے اپنے لوگوں نے مجھ پر کرم نہ کیا ہو۔

الشفیع المشفع المستغاث المصرخ المنقذ الکفی الوفیا

آپ ﷺ شفیع، مشفع، مستغاث، دستگیر، نجات دہندہ، کافی و شافی اور وفادار ہیں۔

مسئلہ ''استغاثہ'' نہایت نازک مسئلہ ہے۔ اکثر شعرا یہاں دائرۂ اسلام سے تجاوز کر جاتے ہیں، اللہ اور رسول کریم ﷺ کے مابین فرق کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتے۔ علامہ سہارنپوری نے مذکورہ اشعار میں قرآنی نقطۂ نظر واضح کر دیا کہ آپ ﷺ ''انت غوث المستغاث'' کے درجے پر فائز ہیں، لیکن یہ مرتبہ من جانب اللہ ہے۔ علامہ نے مذکورہ اشعار میں آپ ﷺ کو بارش کے مانند قرار دیا ہے، جو بارش دکھی دلوں کو فرحت و انبساط سے لبریز کر دیتی ہے۔ جو اجڑے دلوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیتی ہے۔ یہی وہ بارش ہے جو انسان کو ہلاکتوں سے بچاتی ہے اور اذیتوں سے نجات دیتی ہے۔ اس کے بعد چند ایسے اشعار نقل کیے جائیں گے جن میں آپ ﷺ کی ذاتِ انور کو سہارا کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ وہ سہارا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں انسان کی کامیابی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

قعو المعروة الوثقی و من یعتصم به له یجد عصمة من قاصم الظهر فاضح

آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ٹھوس رسّی کی طرح ہے۔ اور جو اس سے وابستہ ہوگیا وہ ظالم سے محفوظ ہوگیا، ظالم ضرور رسوا ہوگا۔

من لی بمغفرتی لیغفرلی و من یحفی علی و من یجیب دعائی

نبیٔ محمد ﷺ کے علاوہ بھی کوئی ہے جو ہماری مغفرت فرما دے، ہمیں ہر طرح کا اعزاز دے اور ہماری پکار پر لبیک کہے۔

دون النبی محمد و هو الذی نرجوہ فی الضبراء و السّیراء

نبی کریم ﷺ کی ہی ذاتِ اقدس ہے جس سے رنج وغم اور فرحت و مسرت میں اُمید لگائے ہوئے ہیں۔

اخاف علی نفسی و اختی عقوبتی و اشفق من ضعطی اذا ضاق مرقدی

مجھے اپنے باب میں خوف ہے اور اپنے انجام سے ڈر ہے۔ آپ ﷺ سے درخواست ہے کہ قبر کی تنگی کے وقت میرے ضعف پر رحم فرمائیں۔

تعلم رسول اللّٰہ انک عروتی　　و عروۃ من خاص الھوی غیر مھتد

اے اللہ کے رسول آپ ﷺ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ میری رسّی ہیں۔ اور ہوائے نفس کے فرماں بردار کی رسّی ضلالت و گم رہی ہے۔

لانت حبل لا انقصام لہ بہ　　یستمسک الأمتراف والانباذ

اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ایسی رسّی کی طرح ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے، اس رسّی سے شرفا وابستہ ہیں۔

یھوی ویمھوی الذل من　　لم یعتصم بحیالہ

جو شخص آپ ﷺ کی رسّی کو تھامے ہوئے، نہیں ہے وہ قعرِ مذلت میں تیزی سے گر پڑتا ہے۔

احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ قیامت کے روز اللہ کی اجازت کے بعد اپنی اُمت کی شفاعت کی عرض داشت اللہ کے حضور پیش کریں گے، اسی توسط سے اللہ کے صالح بندوں کو اپنے نبی کریم ﷺ سے اُمید ہے کہ وہ ہماری مغفرت کا سامان آخرت میں مہیا کریں گے، علامہ نے مذکورہ اشعار میں اطاعتِ رسول کو ''حبل من الوسول'' سے تعبیر کیا ہے، اس رسّی کو پکڑ لینے کے بعد انسان پیش آنے والی ہلاکتوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اسی ''حبل متین'' کے پیش نظر محبینِ رسول ﷺ نے اپنی کم زوریوں کو حبیبِ خدا کے سامنے پیش کیا ہے۔

مھوت علی شیبی علیک معولی　　وطحت علی ضعفی وحملک فی یدی

آپ ﷺ پر بھروسا کے سبب مجھے اپنے بڑھاپے کی فکر نہیں اور میں اپنے ضعف سے تنگ ہوں جب کہ آپ ﷺ کی رسّی میرے ہاتھ میں ہے۔

نحن العتاۃ و لا صریح لنا فلا　　الا علیک الفک و الالقاد

ہم اسیروں کا کوئی معاون نہیں ہے، پس گردن کی آزادی اور نجات دلانے کا انحصار محض آپ ﷺ پر ہے۔

الامر امرک ما تعل فما　　الا الیک الامر والانفاذ

آپ ﷺ کے تمام اقوال و افعال حکم کا درجہ رکھتے ہیں اور صرف آپ ﷺ ہی کی ذات فرمان کو جاری کرتی اور نافذ کرتی ہے۔

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

انی امرء لیس لی علم و لا عمل　　کاننی مھمل عار عن النقط

میرا دامن علم اور عمل سے خالی ہے، گویا کہ میں غیر منقوط کلام بے معنی ہوں۔

حان المنشور فیحزی الناس ما عملوا فلیت لی عملا کالکاسا السقط

یومِ نشور کے برپا ہونے کے بعد لوگوں کے اعمال کی جزا پیش کی جائے گی، کاش کہ میری جھولی میں باندکھائے ہوئے اور خسارہ اٹھائے ہوئے شخص جیسا ہی عمل ہوتا۔

انی امرء مستکین متین بعید المرام عدیم المسالک

میں حد درجہ لاچار و مجبور ہوں، مقصد سے بہت دور اور بے راہ رو ہوں۔

عهات علی عهدی بمن کان صاقه کصدق سراب یخدع المرکب فی المدو

میرا تعلق ایک ایسے شخص سے ہے جس کی صداقت اس سراب کی صداقت کی مانند ہے جو صحرا میں سوار کو فریب دیتی ہے۔

مذکورہ اشعار میں علامہ نے اپنی بے بسی اور ضعف کا ذکر کیا ہے کہ ہم بے سروسامان ہیں۔ ہم اندھیروں میں گم ہیں، راہِ ہدایت سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ ہمارے سامنے کوئی شعاعِ اُمید نہیں اور تمام صالح مقاصد نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں۔ اس اضطراب اور شب دیجور میں تمھاری توجہ کی شدید ضرورت درکار ہے۔ ہماری عجز و انکساری کو سرورِ کونین سے زیادہ بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ علامہ نے اپنے نعتیہ اشعار میں خوفِ آخرت کا بھی ذکر کیا ہے اور اپنے گناہوں کی کثرت کا بھی۔

اثیم وما اثمی یسهل و هین و باشرت ما باشرته عن تعمه

میں گنہ گار ہوں اور میرے گناہ ہلکے پھلکے نہیں ہیں اور یہ سارے گناہ میں نے شعوری طور پر کیے۔

فالیوم حظی حسرة و ندامة و العین عبری و الفواد جذاذ

پس آج میری قسمت حسرت و ندامت سے عبارت ہے اور آنکھیں نم ناک ہیں اور دل پاش پاش ہیں۔

و انت الذی ترتجی یوم بعث و من نستعین به فی الملاحک

اور آپ ﷺ ہی سے قیامت کے روز اُمید کی جاسکتی ہے اور آپ ﷺ ہی سے عوارض و موانع میں مدد طلب کی جاسکتی ہے۔

اجیل ببالی اذ خلوت وساوس المعاصی وان اعییت کالجمل المنضو

جب میں تنہائی میں معاصی کے وسوسوں سے دوچار ہوتا ہوں تو دل مضطرب ہوجاتا ہے اور لاغر اونٹ کی طرح تھکن سے چور چور ہوجاتا ہوں۔

صریخ ومالی من صریخ و صاحب وحشوی ذنوب لیس مادولها حشوی

میرا کوئی مددگار اور دمساز نہیں ہے اور میری باتیں گناہوں سے گرانبار ہیں۔ ان کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔

مذکورہ اشعار میں شاعر نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے، خود کو خطاؤں کا مجسمہ قرار دیا۔ ایسی صورتِ حال میں قیامت کی سختیوں سے صرف اللہ کے رسول کی معاونت اور توجہ ہی کام آسکتی ہے۔ علامہ کے نعتیہ قصائد میں کثرت سے ایسے اشعار ہیں جن میں آنحضورﷺ سے شفاعت کی التماس کی گئی ہے۔ علامہ نے اس مضمون کو مختلف انداز و اسلوب میں پیش کیا اور بار بار اپنے اس احساس کی نہایت خوب صورت طرز پر عکاسی کی ہے، جس میں عشقِ رسولﷺ کا بحرِ ذخار متلاطم ہے۔ یہ غیر معمولی شیفتگی آپﷺ سے انتہائی درجہ تعلق کی غماز ہے۔

شفیع کریم جل عن وصف واصف و یقصر عمافیه اطراء مادله

آپﷺ شفیع اور فیاض ہیں۔ ثناخواں کی ثناخوانی سے بالاتر ہیں اور مدح خوان کے مبالغے بھی آپﷺ کی صفات کو منظرِ عام پر لانے سے قاصر ہے۔

اخاف مقامی عند ربی و ارتجی شفاعة حبی یوم کشف القیامح

اللہ کے یہاں مجھے اپنے انجام سے ڈر لگ رہا ہے اور مسائل و مصائب کے دن کی آمد پر مجھے آپﷺ کی شفاعت کی اُمید ہے۔

فخذ بید متی و جد بشفاعة علی و ایدنی و انت مویدی

آپﷺ میری دستگیری فرمائیں اور مجھے اپنی شفاعت سے نوازیں اور میری تائید فرمائیں، کیوں کہ آپﷺ ہی تو موید ہیں۔

انت الشفیع المستغاث به اذ ما لنا فیه من واق و لافرط

آپﷺ ایسے شفیع ہیں جس سے مدد چاہی جاتی ہے، (آپﷺ سے وابستگی کے بعد) کسی محافظ اور ظالم کی مجھے پروانہیں ہے۔

و شفعه فینا اذا لم یشفع لنا من حمیم ولا من سبارک

اور آپ ﷺ کی مدد ہم لوگوں کے مابین ہے، جب کہ کسی دوست اور کسی کی چاہت سے ہماری مدد نہیں کی گئی۔

الشفیع المشفع المستغاث المصرخ المنقذ الکفی الوفیا

آپ ﷺ شفیع، مشفع اور مستغاث ہیں۔ نجات دلانے والے، محافظ، کامل اور وفادار ہیں۔

هذا و قد کثر الذنوب و انما ار جوبان یعفو الذنوب عفوها

ان حالات میں گناہوں کا انبار ہے، میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ کی صفتِ عفو گناہوں کو معاف کر دے گی۔

بمحمد و باله و بصحبه و هم رجال شفاعتی و فتوها

اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ، آپ کے اہل و عیال اور آپ کے صحابۂ کرامؓ کے طفیل میں بخش دے گا، انھی اشخاص و اصحاب سے میری شفاعت وابستہ ہے۔

فلذ بشفیع المذنبین محمد و من لاذعن صدق به فاز بالنجو

پس تم شفیع المذنبین محمد ﷺ کو اپنا ملجا بنا لو اور جس نے آپ ﷺ کی صداقت سے خود کو منسلک کر لیا، یقیناً اسے نجات مل گئی۔

شفیع لنا اذ لایقوم لمذنب شفیع و لا یرجی صریخ لمن یغوی

آپ ﷺ ہمارے (ان وقتوں کے) شفیع ہیں، جب کوئی شفاعت گزار کسی گناہ گار کی شفاعت نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی معاون سے گم راہ شخص کے سلسلے میں مدد کی امید کی جا سکتی ہے۔

شفیع لنا اذ نحن یشهد یومنا فیظهر ما یخفی و ینشر ما نطوی

(میدانِ حشر میں) جب ہم اپنے حالات کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے تو آپ ﷺ ہمارے شفیع ہوں گے اور ہمارے تمام پوشیدہ اور چھپے ہوئے حالات ظاہر ہو جائیں گے۔

مذکورہ اشعار میں بار بار اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے آنحضور ﷺ کی شفاعت

کا ذکر کیا گیا ہے، ان اشعار میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس کے بغیر بیڑے کا پار لگنا ممکن نہیں، اگر آپ ﷺ کی شفاعت نہ ہوئی تو قیامت کی سختیاں تباہ کر ڈالیں گی۔ اے آقائے نامدار! بے بس اور لاچار کی مدد کیجیے، آپ ﷺ کی وفاداری ہمارے گناہوں کے مغفرت میں بہت کام آئے گی، قیامت کے روز آپ ﷺ کی توجہ کے بغیر مشکلات سے بچ نکلنا ممکن نہیں۔ مذکورہ اشعار میں جن جذبات و احساسات کی ترجمانی کی گئی ہے ان سے علامہ کی ایمانی قوت اور نبوتِ محمدیہ پر کامل یقین کا ترشح ہوتا ہے اور ان کا قلب حبِ رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ اب کچھ ایسے اشعار نقل کیے جائیں گے جن میں آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی تابانی کا ذکر ہوگا۔

من مس شیئاً شفاہ وجھاً فوجھہ مسفر طلیق

جس کسی نے معمولی سا (آپ ﷺ کا) ذکر کیا، تو یہ چیز اس کے لیے سودمند ثابت ہوگی، آپ ﷺ کا چہرۂ انور کس قدر تاب ناک اور روشن ہے۔

و ھو الیقین لما بہ من حسنہ و جمالہ

اور آپ ﷺ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے کس قدر خوش نما منظر پیش کرتے ہیں۔

و ذی جمال رابق کشف الدجیٰ بجمالہ

اور آپ ﷺ غیر معمولی حسن کے مالک ہیں، آپ ﷺ کے حسن سے تاریکیاں چھٹ گئیں۔

این السماوات العلی من جاھھہ و جمالہ

آپ ﷺ کے جاہ و جلال کے سامنے بلند و بالا آسمان بے معنی ہیں۔

ما بدرھن کبدرہ و ھلالہ کھلالہ

آسمانوں کا ماہِ کامل آپ ﷺ کے ماہِ کامل سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کے ہلال کی مثال آپ ﷺ ہی کے ہلال سے دی جاسکتی ہے۔

من صد عن وجھہ سقاھا فوجھہ شاہ او یشوہ

جس نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے بیوقوفی میں اعراض کیا تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا چہرۂ بدرو ہے یا بدرو ہو جائے گا۔

و اعف عنی واعطنی ثم وجھا مسفراً ضاحکا بشیرا بھیا

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

اور آپ ﷺ ہمیں درگزر فرما دیں اور نوازشوں سے نوازیں۔ پھر اپنے تاب ناک کھلے ہوئے، کشادہ اور پر رونق چہرے کے دیدار سے سرفراز فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ کو تمام ظاہری اور باطنی حسن سے نوازا تھا، دشمنانِ اسلام بھی آپ ﷺ کے چہرے کے انوار سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے بھی اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا یہی وہ حقیقی سحر تھا کہ جب آپ ﷺ مکے سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ کے انتظار و استقبال میں کھڑی معصوم لڑکیاں نغمہ ریز ہوگئیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

کوہ وداع کی گھاٹیوں سے چاند ہم پر نمودار ہوگیا۔

وجب الشکر علینا ما دعی للّٰہ داع

ہم پر شکر خداوندی لازم ہے، جب تک دعا مانگنے والے اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔

نحن جوار من نبی النجار یا حبذا محمد این جار

ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ﷺ کس قدر اچھے ہمسایہ ہیں۔

مختلف زبانوں کے شعرا نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق چہرۂ انور کی خاکہ گری کی ہے اور اس کی شعاعوں کو اپنے اشعار میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تاقیامت یوں ہی چہرۂ انور کے تہ در تہ حسن کی تفسیر و تشریح کی جاتی رہے گی، لیکن سچ پوچھیے تو اس کی تمام تر عکاسی شعرا کے بس میں نہیں۔ اسی طرح کی ایک قابلِ قدر کاوش مذکورہ اشعار میں علامہ نے بھی کی ہے۔ علامہ کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے ضیا بار چہرے کے سامنے تاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں۔ آپ ﷺ کے جاہ و جمال کے بالمقابل چاند کا حسن بے معنی ہے۔ اسی طرح آسمانوں کی رفعتیں اس حسین و جمیل چہرے کے پیشِ نظر اپنا مفہوم کھو دیتی ہیں جو شخص چہرۂ اقدس کی تابانیوں سے محروم ہے اس پر جتنا کفِ افسوس ملا جائے کم ہے۔ علامہ اس خوب صورت چہرے کی حلاوتوں اور ملاحتوں سے بخوبی واقف تھے۔ اور اس کی کرنوں سے دل کی سیرابی کو فریضۂ اوّلیں تصور کرتے تھے۔ اور اس کے محاسن میں کھو جانے کو جز ایمان سمجھتے ہیں۔ اسی لیے اپنے جذبات کی ترجمانی اس طرح کی۔

خلقت مبارکا و بعثت سمحاً فاحسن لی علی سولئی وعابی

آپ ﷺ کا وجود باعثِ برکت اور آپ ﷺ کی بعثت باعثِ بخشش ہے۔
پس میری خامیوں اور لغزشوں کے باوجود میرے ساتھ حسنِ سلوک فرمادیں۔

اور اس کے بعد مزید کہتے ہیں کہ اس شجرِ سایہ دار کے زیرِ سایہ چند لحات گزار لینے اور اس کی محبت میں کچھ اوقات لگا دینے سے پوری زندگی خوش گوار مناظر سے عبارت ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ علامہ کا خیال ہے:

من کان یهوی سواه شیئا فحبه عندنا کریهه

اگر کسی نے آپ ﷺ کے ماسوا سے قدرے بھی محبت کی تو اس کی محبت ہمارے نزدیک فعل قبیح ہے۔

من عاش فی حبه قلیلا فعیته دائمار فیه

جس کسی نے عشقِ رسول ﷺ میں گھڑی بھی بتا لی تو یقیناً ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی خوش گوار بن جائے گی۔

روف بکل من مقیم و ظاعن حفی بکل من مغیر و منجد

ہر مقیم و مسافر پر آپ ﷺ مہربان ہیں اور ہر آسودہ اور غم زدہ شخص سے محبت کرنے والے ہیں۔

ملاذی و متحاذی و کهیفی و معقلی و غوثی و غیثی ثم حبی و سیّدی

آپ ﷺ میری پناہ گاہ، میرے محافظ، میرا ملجا، میرا مسکن میرے معاون، میرے محبوب اور میرے آقا ہیں۔

له دیمة لم تنقطع له فیضها و من قال غیض الغیض و هو فصنیح

آپ ﷺ کی ذات موسلادھار بارش کے مثل ہے، جس کا فیضان غیر منقطع ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ پانی کم ہوگیا تو یہ بڑی رسوا کن بات ہے۔

اغر البرایا، اغبر العطایا کریم السجایا سلیم العرائک

آپ ﷺ مخلوق کے مابین نمایاں ہیں، عطیات میں سب سے مقدم ہیں، حسن اخلاق کے علم بردار ہیں اور نرم خو ہیں۔

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

و هم النجوم و مبادرهم مولاهم بکماله

اور اصحابِ رسول ﷺ ستاروں اور چاند کے مانند ہیں اور ان کے آقا ہر طرح سے مکمل ہیں۔

من حج جنا و لم یزره فحسبه انه سفیه

ہم لوگوں میں سے جس نے حج بیت اللہ کیا اور آپ ﷺ کی زیارت سے محروم رہا تو یقیناً وہ بیوقوف کے درجے میں ہے۔

تلتذ نفسی به التذ اذاً فکیف عن ذکره تنوه

آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے میرا جی خوب خوب محفوظ ہوا، تو پھر بتایئے وہ آپ ﷺ کے ذکر سے کیسے باز آسکتا ہے۔

و قد حلینا فهو یحلو به لسان الفتی و فوه

اور ہم نے اسے خوب خوب شیریں بنایا۔ چناں چہ اس کے ذکر سے انسان کی زبان اور اس کا منھ لطف اندوز ہوتے ہیں۔

علامہ نے مذکورہ اشعار میں سرورِ کونین ﷺ کے مختلف گوشوں کو منظرِ عام پر لانے کی لائق تحسین کوشش کی ہے اور ذکرِ رسول ﷺ کو اپنا معیار و محور بنا لیا ہے، اسی مسلک و منہج پر گامزن رہنا ان کا مقصدِ حیات ہے، بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ زندگی کا سارا لطف سیرتِ پاک میں ہے اور یہ فیضانِ رسول ﷺ لامتناہی ہے۔ علامہ نے جابجا اتباعِ رسول مقبول ﷺ کے سلسلے میں اپنے عجز کا اعتراف بھی کیا ہے، مرتبتِ رسول ﷺ ہمارے ذکر و بیان سے کہیں بالاتر ہے، آقائے نامدار کے اوصاف و کمالات کو سمیٹنا نطقِ انسانی سے ماورا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

لا یبلغن وصفه بلیغ لایدرکن کنهه فقیهه

ماہر بلاغت آپ ﷺ کی صفات کو بیان کرنے سے قاصر ہے اور دانش ور آپ ﷺ کے حقائق کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

ما فهت فی نعته بلغو واللّٰه یهدی لما افوه

آپ ﷺ کی تعریف و توصیف میں، میں نے بیہودہ گوئی سے احتراز کیا اور ثنا خوانی کے وقت اللہ میری مدد کرتا ہے۔

اہلِ علم و ادب کی کوششوں کے باوجود نبوت کی رفعتوں اور وسعتوں کی جہتوں کو لفظوں

میں قید کرنا ناممکنات میں سے ہے، بس ہمارا فریضہ یہ ہے کہ مستقلاً ہم ''شمائل النبی'' کے باب میں رطب اللسان ہیں اور سیرتِ پاک کو تجدیدِ ایمان اور ہدایتِ ملتِ اسلامیہ کے لیے موضوعِ بحث بناتے ہیں۔ قرآن کریم کی زبان میں یہی ہمارا سب سے معیاری منہاج حیات ہے۔ (لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ) قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے کہ ہم سیرتِ پاک کی توصیف و تذکیر میں مصروف رہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ ''اے لوگو! جو ایمان لے آئے ہو، تم بھی ان پر درود وسلام کثرت سے بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب:۵۶/۳۳)

قرآن کریم کے اسی نقطۂ نظر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علام فیض الحسن سہارنپوری نے اپنی تمام نعتوں میں جابجا ذاتِ رسولِ مقبول ﷺ پر درود و سلام بھیجا ہے اور درود و سلام کے حوالے سے اپنی عرض داشتیں پیش کیں، اسی کے ضمن میں اپنے احوال وکوائف اور اپنے مسائل و مصائب کی ترجمانی کی ہے اور اللہ سے دست بدعا ہیں کہ اے ربّ العزت! اپنے حبیب و رفیق کے طفیل میں تہ گردات سے ہمیں نکال دے، ہماری لغزشوں کو معاف فرما دے۔ ہمیں حقارتوں اور ذلتوں سے نجات دے دے۔ ہمیں پستیوں سے نکال اور کھوئے ہوئے وقار کو واپس کر دے۔ ہم یہاں درود وسلام سے متعلقہ اشعار کو قارئین کی تسکینِ ذوق کے لیے پیش کرنا چاہیں گے۔

خذوھا و قولوا ربّ سلم علیہ ما اناخ العتاق الناجیات منیخ

آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو اپنا لو اور آپ ﷺ پر اس وقت تک سلام بھیجتے رہو جب تک اونٹ کا مالک اپنے اچھے اور تیز رفتار اونٹوں کو بٹھاتا رہے۔

فدائی عیاء لا أری شافیا لہ سوی ان أصلی الدھر و ھو قدی قدی

میرا مرض لاعلاج ہے، جس میں شفا کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، بجز اس کے کہ مستقلاً درود پڑھتا ہوں اور یہ عمل کس قدر خوش گوار ہے۔

اصلی علی خیرالانام و سید الکرام و ختم المرسلین محمد

میں خیرالانام، سیّدالاکرام اور ختم المرسلین محمد ﷺ پر درود بھیج رہا ہوں۔

صلی الا لہ علیک خیر وسلیۃ ما دامت الحلال و اشذاذ

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر درود بھیجا، جب تک مقیمانِ حرم اور دنیا کے

لوگ باقی ہیں، اس وقت تک آپ ﷺ کو سب سے بہتر ترین وسیلہ تصور کیا جائے گا۔

اهدی الیک من الصلوٰة هدیة فی لیلتین و اننی هذاذ

دو راتیں آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتا رہا اور آپ ﷺ کا ذکر خیر کرتا رہا۔

هدانا و قد کان فینا ضلال فیا رب صلی علیه و بارک

آپ ﷺ نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ضلالت میں ڈوبے ہوئے تھے، بارِالٰہا! ان پر رحمت و برکت نازل فرما۔

دون النبی الکریم صلوا علیه ماتاه من یتیه

اگر کوئی آپ ﷺ کے مقابلے میں غرور کرتا ہے تو عبث ہے، بس آپ ﷺ پر درود بھیجتے رہو۔

یارب سلم علی التوالی علیه ماقامت الوجوه

جب تک کائنات کا وجود ہے، اے ربّ کریم! آپ اپنے رسول ﷺ پر مستقلاً درود بھیجتے رہیں۔

درود وسلام کو اپنے لیے طمانیتِ قلب سے تعبیر کیا ہے۔ ہر اضطراب میں باعثِ شفا ہے، خود اللہ سے بار بار آنحضور ﷺ پر سلامتی نازل کرنے کی دعا کی گئی ہے۔ اور اسی طرح لوگوں سے سرورِ کائنات ﷺ پر درود پڑھنے کی التجا کی ہے۔

علیه صلوة الله طلاء وابلا مدی الدهر ما غیث الوری بالدوائح

آپ ﷺ پر تاقیامت کبھی کبھی آہستہ آہستہ اور کبھی کبھی زور و شور کے ساتھ اللہ کی برکتیں نازل ہوتی رہیں۔

مار و عیت صلواتکم صلوا علیه وآله

پہلے شعر میں اسی بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا فریضہ ہے کہ ہر عہد میں نبی کریم ﷺ کے گن گائے جاتے ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کی انتہاؤں اور کرامت و شرافت کی بلندیوں کو دیکھتے ہوئے ہمارے یہ درود وسلام ناکافی ہیں، اہلِ اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ ہمہ آن ان کی زبانیں منقبتِ رسول ﷺ سے تر رہیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ درود و سلام کے مفاہیم و معانی کی تجدید کی جائے۔ درود وسلام کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ خود کو سیرتِ

رسول ﷺ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ ذاتِ رسول ﷺ کو اپنا دستور و آئین بنایا جائے اور اس دنیا میں اشاعتِ اسلام واحیائے دین کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جائے۔ ایک شخص درود و سلام کثرت سے پڑھتا ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ سے اعراض کرتا ہے تو اللہ کے رسول کو ایسے درود و سلام پسند نہیں ہیں۔ درود و سلام کے بعد فسق و فجور میں محو ہو جانے کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اگر اپنے اغراض و مقاصد کو دینِ اسلام کا پابند نہ بنایا جائے تو یہ درود و سلام بے سود ہیں۔ اپنی زندگی میں ''اسوۂ حسنہ'' کو جاری و ساری نہ کیا گیا تو گویا ہم نے درود و سلام کے مطالبات کو پورا نہیں کیا۔

یہاں ایک بات درود و سلام کے حوالے سے یہ کہنا ضروری تصور کرتا ہوں کہ اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ سرورِ کائنات ﷺ پر کثرت سے درود و سلام کو بھیجنے کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟ اس کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خود اللہ ربّ العزت اور ملائکہ آپ ﷺ کی ذات عالیہ پر آسمانوں میں درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ یہی مطالبہ اُمتِ رسول سے بھی کیا گیا ہے۔

ان اللّٰہ و ملائکتہ یصلون علیٰ النبی۔ ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں'' یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔ ''اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب: ۵۶/۳۳)

اب کچھ اسے اشعار موضوعِ بحث بناتے جائیں گے۔ جن کی روشنی میں یہ تاثر سامنے آئے گا کہ اگر انسان اپنی فوز و فلاح کا خواہاں ہے تو خود کو ذاتِ رسول ﷺ سے وابستہ کر دے۔

فدع ذکر ما ایفاک فی ھوۃ الھوی　　　　و خذ بالذی یلقیک فی ذروۃ الذرو

تم ان چیزوں کا پیچھا چھوڑ دو جو تمھیں خواہشاتِ نفس کے غار میں لے جائے اور اسے اپنا لو جو تمھیں بلندی کی چوٹی پر لے جائے۔

لہ اسم و ذکر بارک اللّٰہ فیھما　　　　فخذبھما ان شئت تظفر بما تنوی

آپ ﷺ کا نام نامی اور ذکر عالی اللہ کی برکتوں سے عبارت ہے۔ اگر تم اپنے مقاصد میں کامیابی چاہتے ہو تو انھی دونوں سے وابستہ ہو جاؤ۔

طاب من عاشق فی رضاک حلیوۃ　　　　لم یعش من عصاک عیشا رخیا

آپ ﷺ کی خوشنودی کے عاشقین کی زندگی خوش گوار ہو جاتی ہے اور

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

آپ ﷺ کے نافرمانوں کی زندگیاں برباد ہوجاتی ہیں۔

او مل منک ما لایرتجی من عباب البحر او صوب السحاب

آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے مجھے وہ اُمیدیں وابستہ ہیں جو کہ سمندر کی موجود یا بادل کی بارشوں سے نہیں کی جاتیں۔

و من ضل عنه ضل عن سنة الهدی و لما یصب من رایه غیر راجح

اور آپ ﷺ کی شخصیت سے ہٹتے ہی انسان راہِ راست سے دُور ہوجاتا ہے اور اپنی گھٹیا راہوں کا اسے پتا نہیں رہتا۔

فخذ بیدی ا من علی نفسی المروی و اسلم من اشر الثمرُاته

آپ ﷺ میری دست گیری فرمائیں تا کہ میں ہلاکت سے محفوظ ہوجاؤں اور مجھے شدید شر سے بچالیں اور ہدایت سے نوازیں۔

یکن فلاح و فوز و اوج کافی وطیت السما بالسنامک

(مدینہ کی زیارت کرنے والے کے لے) فوز و فلاح اور بلندی ہے، تجھ (زائر) کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے آسمان کو مٹھی میں قید کرلیا ہے۔

یقوی الضعیف الدخوذ یستعینه فیقوی فلا ینقص صفر علی صعو

کم زور محض آپ ﷺ سے مدد کا طالب ہو تو آپ ﷺ اسے طاقت ور بنا لیتے ہیں، چناں چہ کوئی شاہین کسی گوریا پر حملہ نہیں کرتا۔

فلئن لم تکن علی عطوقا لیکونن عرق عینی ضریا

اگر آپ ﷺ کی نوازشوں سے میں محروم رہا تو میری آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہیں گی۔

هو الحود کل الجود لاجود دونه فطوبی لمن یرجوه من هالک رد

آپ ﷺ تمام تر سخاوتوں کے سرچشمہ ہیں، آپ ﷺ کے بالمقابل تمام سخاوتیں بے معنی ہیں، پس بشارت ہے اس شخص کے لیے جو بلاخیر ہلاکت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ سے آس لگائے ہوئے ہو۔

مذکورہ اشعار میں مختلف انداز اختیار کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے مقاصد میں کامیابی، خوش گوار زندگی کا خواہاں، اُمیدوں کے برآنے کا خواست گار، راہِ ہدایت کا

متلاشی، شرور سے اجتناب، نواز شہائے ربانی سے قربت اور رحمتوں سے ہم کنار ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے نسخۂ کیمیا یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے اخلاقِ عالیہ کو حرزِ جاں بنا لیا جائے۔ علامہ نے اپنے اشعار میں درحقیقت قرآنی فکر کی ترجمانی کی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

و من یطع اللّٰہ و رسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔ ''اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کی یقیناً اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔'' (سورۃالاحزاب: ۳۳/۷۱)

اس آیت کی روشنی میں بغیر کسی تامل کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سیرتِ رسول ﷺ کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔ منہاج رسول ﷺ سے اغماض و اعراض خسران و فقدان کی علامت ہے۔ صحابۂ کرامؓ کو دنیا میں عز و وقار اس لیے حاصل تھا کہ انھوں نے حیاتِ مقدسہ کو اپنا معیار و محور بنا رکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ زمانے کی سرخ روئیاں ان کے قدم چومتی رہیں۔ علامہ نے اس کی وضاحت اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ ''یماح النبی ﷺ وآلہ واصحابہ'' میں کی ہے۔

اللّٰہ جل جلالہ اجلھم بجلالہ

اللہ کی رحمتِ شان کس قدر عظیم ہے اور اللہ نے آپ ﷺ کے مرتبہ، عظیم سے صحابہ کرامؓ کے مرتبوں کو بلند کیا۔

و ھم النجوم و مباورھم مولاھم بکمالہ

اور صحابہ کرامؓ ستاروں کے مانند ہیں اور ان کے چاند اصلاً اپنے آقا ﷺ کے فیض یافتہ ہیں۔

اشبہ بمن معہ بہ بخلالھم بخلالہ

آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھیوں کے عادات و اطوار آپ ﷺ کے عادات و اطوار سے مشابہ تھے۔

معموراسھم و ھم الکماۃ و قاتلوا لقتالہ

آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی عظمت ہیں اور وہ آپ ﷺ کے اسلحے ہیں اور یہی آپ ﷺ کے غزوات کے لیے برسرپیکار رہے۔

D:NaatRang-16
File: Islahi
Final

اسد و فی اسد و ھم حماۃ یوم قتالہ

صحابہ کرامؓ شیروں میں شیر ہیں اور آپ ﷺ کے غزوات میں وہ آپ ﷺ

کے محافظین ہیں۔

راس الصحابة ذو كساء خلة بخلاله

صحابہ کرام رضی اللہ اجمعین کی آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے وابستگی کے
سبب ان کے سروں پر مجد و شرافت کے چراغ تھے۔

اوپر جتنے اشعار نقل کیے گئے ہیں ان سے پوری طرح بین ہے کہ صحابہ کرامؓ دربارِ نبوت کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی تربیت کے پیشِ نظر انھیں لسانِ نبوت نے ''اصحابی کالنجوم'' کے لقب سے نوازا، دربارِ رسالت سے اکتسابِ نور کے باعث انھوں نے پوری دنیا کی تاریکیوں کو اُجالوں میں تبدیل کر دیا، جس کی روشنی کو تا قیامت محسوس کیا جاتا رہے گا۔ آنحضور ﷺ سے قربت اور تعلق کی بنا پر انھیں دنیا میں قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا گیا۔ اور آئندہ نسلوں کے لیے منارۂ نور بن گئے۔ عصرِ حاضر میں ملتِ اسلامیہ کو ذلت و حقارت سے نجات اسی وقت ممکن ہے جب وہ سرورِ کائنات ﷺ کے ہدایت مکروہ راستوں پر گامزن ہوجائے اور نورِ نبوت میں اپنی زندگی کو رچا بسا لے۔ یہی وہ نسخہ ہے جس سے دنیا اور عقبیٰ دونوں سنور سکتے ہیں۔

مولانا کی شاعری کا تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو یہ چیز بین طور پر نظر آئے گی کہ لفظی و معنوی اعتبار سے قرآن کریم سے مستفاد ہے۔ قرآنی اسلوب جابجا واضح طور پر موجود ہے، قرآن کریم کے ادبی اور بلاغی پہلوؤں پر علامہ کی گہری نظر تھی جس کی شہادت آپ کے نعتیہ قصائد میں موجود ہے۔ جگہ جگہ خداوندِ قدوس پر کامل اعتماد و اعتقاد کے مظاہر موجود ہیں۔ اپنے تمام مسائل و مشکلات میں اللہ اور رسول کو یاد کرتے ہیں اور حل مشکلات کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کے طفیل میں حقاتوں اور نکبتوں سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں۔

لايشتفى من دون يعتنى به النبى الذى ياوى اليه صريخ

اور نبی کریم ﷺ کی عنایت خاص کے بغیر شفاعت ممکن نہیں، آپ ﷺ ہی
کے دامن میں پریشان حال پناہ لیتا ہے۔

اما و الذى لوشاء ماطال ليلتى على وما كان النجوم بركه

اور آپ ﷺ کی ذاتِ عالیہ اگر چاہے تو میری راتیں مجھ پر طویل نہ ہوں
اور یہ ستارے غروب نہ ہوں۔

مولانا کے نعتیہ قصائد میں ایک واضح تصور یہ ہے کہ حب نبی رگ و ریشے میں سرایت ہے۔ رسولِ خدا سے محبت جزو ایمان ہے۔ علامہ کا دل عقیدتِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اپنی تمام تر کامرانیوں کا رشتہ منقبت رسول سے استوار کیا اور دربارِ رسالت سے منسلک ہونے کے بعد تمام حیرانی کافور ہوجاتی ہیں۔

و محیب صار من نداہ　　　یغبطہ مخصب انیق

سوکھی اور پیاسی ہوئی زمین آپ ﷺ کی بارش سے سرسبز و شادابی میں تبدیل ہوگئی، یہ سرزمین آپ ﷺ پر فدا ہے۔

ولاھف باسمہ تسلی　　　فل از فیرو لاشھیق

اور آپ ﷺ کے توسط سے مدد مانگنے والا صبر و تسلی کا حق دار ہے اور اسے آہ و فغاں سے نجات مل جاتی ہے۔

آخری شعر میں قرآنی اسلوب سے مدد لی گئی ہے۔ اہلِ جہنم کی تصویر کشی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔:

فاما الذین شقوا ففی النار لھم فیھا رفیہ و شھیق۔ ''جو بدبخت ہوں گے جہنم میں جائیں گے انھیں چلاتا اور دھاڑتا ہوگا۔

اسی طرح اہلِ جنت کی ''شرابا طھوراً'' کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ یسقون من رحیق مختوم۔ ''انھیں سربمہر خالص مشروب پلایا جائے گا۔ (المطففین: ۲۵/۸۳)

یہی مفہوم اور یہی انداز علامہ نے اس طرح پیش کیا ہے:

و انت من ان تجد علینا　　　فکل شرب لنا رحیق

اور اگر آپ ﷺ کی نظرِ عنایت مجھ پر ہوتی رہی تو ہر مشروب میرے لیے، پاکیزہ شراب کے مثل ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ مریم میں ایک جگہ ذکر ہے۔

''فاتت بہ قومھا تحملہ قالوا یامریم لقد جئت شیئاً فریا۔ ''پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے، اے مریم یہ تو تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔''

یہی انداز علامہ نے اپنے ایک نعتیہ شعر میں اس طرح اپنایا:

لا اتادی جارات بیتی خفیا　　　ان یقولوا قد جئت شیئا فریا

میں اپنی پڑوسنوں کو چپکے چپکے آواز نہیں دیتا ہوں، کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ تم نے کوئی پاپ کیا ہے۔

عورتوں کے مہر کے سلسلے میں سورۃ النسا میں ارشادِ ربانی ہے:

و اتوا النساء صدقاتهن نحلة فان طبن لكم عن شی منه نفسا فكلوه هنیئا مریئا۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ کچھ حصہ اپنی خوشی سے معاف کر دیں تو اسے خوش گواری سے بلا بلاکراہت کھا سکتے ہیں۔'' (سورۃ النسا: ۴/۴)

مذکورہ آیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مولانا سہارنپوری نے مندرجہ شعر کہا:

لک بیتی وما به من متاع　　　فکلی و اشربی هنیئا مریئا

میرا غریب خانہ آپ ﷺ کے لیے حاضر ہے اور اس کی ہر چیز آپ ﷺ پر نچھاور ہے۔ پس آپ ﷺ نہایت سکون کے ساتھ تناول فرمائیں۔

مذکورہ شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم کے افکار اور اسالیب پر علامہ کی گرفت مضبوط تھی۔

مولانا نے اپنے نعتیہ اشعار میں ایک صالح مومن کی طرح اپنے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ اپنے احوال و کوائف کو لے کر اللہ کے حضور دست بدعا ہیں اور حضور ﷺ کے طفیل میں بدترین حالات سے نکلنے کے لیے دعا گو ہیں۔

ارجود امل ان تدوم مودتی　　　حیا و میتا و هو خیر رجالی

میری اوّلین خواہش یہ ہے کہ بہرصورت میری محبت (آپ ﷺ سے) دائمی ہو اور آپ ﷺ ہی میرے سب سے بڑی خواہش ہیں۔

انی احرُ جائر لاقصد فی طرقی　　　انی امرء عن سبیل الخیر معتسف

میں ایک درماندہ انسان ہوں۔ بے مقصد مسافر ہوں، خیر و برکت کے راستے سے ہٹا ہوا ایسا انسان ہوں جس کے پاس کوئی ذریعۂ ہدایت نہیں ہے۔

یارب ان لم تقمدنی بمغفرة　　　فقد هلکت ومالی عنه متصرف

اے ربّ العزت! اگر تم نے مجھے اپنی مغفرت سے نہ نوازا تو میں برباد
ہوجاؤں گا اور میرے لیے آپ ﷺ سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔

ارجو و آمل ان یقضی علی علی دین النبی علی ما اختارہ السلف

میری شدید خواہش ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے دین اور سلفِ صالحین
کے طریقوں پر گامزن رہنے کا فیصلہ میری قسمت کے لیے کیا جائے۔

بحمد و بالہ و بصحبہ و ھم رجال شفاعتی و فتوھا

مجھے محمد ﷺ، آلِ رسول اور صحابہ رسول سے اُمید ہے، یہی حضرات میری
شفاعت کے خواستگار اور ذمہ دار ہیں۔

مذکورہ اشعار میں ایک مومنانہ جذبات و احساسات پوری طرح ظاہر و باہر ہیں، انھیں قیامت کی سختیوں کا ہر وقت خیال ہے۔ اس دن کی شدت وحدت کے پیش نظر اپنی بے بسی کو لے کر اللہ کے حضور حاضر ہیں۔ مولانا نے اپنے نعتیہ اشعار میں زہد و ورع کی ایک اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔ مولانا ایک لحہ تصرع وتخشع سے غافل نہیں رہتے۔ ہر جگہ اشک بار نظر آتے ہیں۔ بار بار ملتِ اسلامیہ کو بیدار کرتے ہوئے یہ احساس ان کے اندر جگایا کہ دربارِ رسالت ﷺ کو اپنا واحد ماویٰ و ملجا اور سیرتِ مقدسہ کو اپنا تنہا لائحۂ عمل بنالیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو اسے عز وشرف سے مالامال کرسکتی ہیں۔

مولانا کے نعتیہ قصائد اور دیگر شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ ہرگز ہرگز احساس نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہندی نژاد شاعر ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے ہندوستان کے عربی نعت گوشعرا میں انفرادیت کے حامل ہیں۔ اسی چیز نے ان کے نعتیہ قصائد کو بہت اوپر اٹھا دیا ہے۔ مولانا کے نعتیہ اشعار میں حد درجہ سبک پن ہے۔ ثقیل الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔ مقالے کا اختتام مندرجہ اشعار کیا جا رہا ہے:

من نورہ شمس و بدر کوکب واللہ ما انتھاء سنائہ

سورج، چاند اور ستاروں کی جگمگاہٹ آپ ﷺ کے نور سے عبارت ہے۔
بخدا آپ ﷺ کی نورانیت لامتناہی ہے۔

خیر الخصال ذو محامد جمۃ خیر الوری فی رینۃ و علائہ

آپ ﷺ بلند ترین اوصاف کے مالک ہیں، آپ ﷺ بے پناہ خوبیوں

والے ہیں، عظمت و رفعت کے اعتبار لیں مخلوق میں سب سے اعلیٰ و افضل ہیں۔

یاسیّدی اشفع لفیض انه هو خائف بآثامه و خطائه

اے میرے سردار! آپ ﷺ فیض الحسن سہارنپوری کی شفاعت فرما دیں، کیوں کہ وہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں سے خوف زدہ ہے۔

مولانا نے استغاثہ، مغفرت اور شفاعت سے متعلقہ جو اشعار کہے ہیں ان پر اعتراضات کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہاں مذکورہ سطور پر اکتفا کرتے ہوئے سلسلۂ کلام کو ختم کیا جا رہا ہے۔

حواشی

☆۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور سرسیّد احمد خاں، ڈاکٹر ظفر اسلام اصلاحی (''تہذیب الاخلاق''، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ۲۰/۱۰، ص ۴۵۔۵۴

☆۲۔ ''حیاتِ شبلی'' مولانا سیّد سلیمان ندوی، طبع ثانی، مطبع معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص ۸۰

☆۳۔ ''دیوان الفیض'' مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مطبع حیدرآباد دکن، حیدرآباد ۱۳۳۴ھ، ص ۶۵

☆۴۔ ایضاً، ص ۳۹

☆۵۔ ''ذکر فراہی''، ص ۹۶

☆۶۔ ''تفسیر نظام القرآن'' علامہ حمیدالدین فراہی (ترجمہ از امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۰

☆۷۔ ''حیاتِ شبلی''، ص ۸۳

☆۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ''تفسیر نظام القرآن''، ص ۱۰۔۱۱

☆۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا فیض الحسن سہارنپوری، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ۲۰/۱۰، ص ۴۹

☆۱۰۔ ''ذکر فراہی''، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص ۹۸

☆۱۱۔ ''دیوان الفیض'' کو مولانا حمیدالدین فراہی نے ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں حیدرآباد سے اپنے صرفہ پر شائع کیا۔ اس کے لیے دیکھیے: ''ذکر فراہی''، ص ۱۰۰

ظہیر غازی پوری۔ بھارت

تاج الفحول ...ایک مداحِ رسول ﷺ

عقل و شعور کے ساتھ انسان کو شعری حسیت بھی خدا کی جانب سے ودیعت ہوتی ہے۔ یہ حسیت دو طرح سے اسے متاثر کرتی ہے۔ یعنی وہ شعر وضع کر کے بھی سرور افزا آسودگی محسوس کرتا ہے اور سن کر بھی حظ و نشاط کی وجد آفریں کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ انسان چاہے دنیا کے کسی خطے میں پیدا ہوا ہو، کسی ماحول میں پلا پڑھا ہو اور کوئی بھی زبان بولتا یا پڑھتا ہو، وہ بچپن ہی سے مترنم آواز، نغمہ ریز دھن اور شاعرانہ آہنگ کا رسیا ہوتا ہے۔ آج بھی دنیا میں بعض ایسے خطے موجود ہیں جہاں تہذیب کی روشنی نہیں پہنچی، علم و آگہی کا چراغ نہیں جلا اور کاروبارِ حیات کی رنگارنگی سے وہاں کے لوگوں کی ملاقات نہیں ہوئی مگر وہاں کے وحشی اور نیم وحشی لوگ بھی کچھ نہ کچھ گاتے گنگناتے اور وجد میں جھومتے ضرور ہیں۔ مشاہدے یہی کہتے ہیں کہ شعر کہنا اور شعر سے متاثر ہونا انسانی مزاج کا خاصا ہے۔ اس لیے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انسانی وجود کے ساتھ ذوقِ شعری بھی وجود پذیر ہوتا ہے۔ بقولِ الطاف حسین حالیؔ:

> قدیم عرب میں جو شخص معمولی آدمی سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دل کش تقریر کرتا تھا، اس کو شاعر جانتے تھے۔ محقق طوسی ''اساس الاقتباس'' میں لکھتے ہیں کہ عربی، سریانی اور قدیم فارسی میں شعر کے لیے وزنِ حقیقی ضروری نہ تھا۔ (''مقدمہ شعر و شاعری'')

ہم ہندوستان کے قدیم ادب کا مطالعہ کریں تو بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ پُرشکوہ انداز میں لکھی جانے والی بلاغت آمیز نثر کو سنسکرت زبان میں منثور شاعری کا درجہ حاصل تھا۔ یورپی زبان میں بھی ''بلینک ورس'' اور ''فری ورس'' جیسی نثری شاعری کا رواج ہمیشہ رہا ہے

مگر شعور کی بلوغیت کے ساتھ ہی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں بحر و وزن کی پابندی بھی لازمی قرار دی گئی اور ایسی ایسی صنعتیں ایجاد کی گئیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ قطعات اور مختصر منظومات قبل اسلام کی شاعری میں بھی مروّج تھیں۔ اس عہد کا مشہور شاعر ابن الحفؔ تھا۔ قبل اسلام کے شعرا کے یہاں نقد و شرح کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اس عہد کے نقادوں میں ابن خلدونؔ، الہلالؔ اور ابن رشیقؔ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ قبل اسلام کے قصیدہ گو شعرا میں امراء القیسؔ، زہیرؔ بن ابی سلمہ، عبیدؔ بن ربیعہ عامری، عمرؔ ابن کلثوم، اعشیٰؔ ابن میمون اور عشرؔہ بن معاویہ وغیرہ نے اپنی شناخت قائم کی تھی۔ معاملاتِ عشق پر مبنی شاعری حنظلؔ اور فرزوقؔ وغیرہ نے کی۔ اسلامی تعلیمات نے عربی شاعری کو نئی جہتیں عطا کیں۔ اس ضمن میں عشرت ظفر نے لکھا ہے کہ:

> اس بات سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی تعلیمات نے عربی شاعری کو نئے تصورات عطا کیے۔ اس سلسلے میں عشقِ حقیقی کا مرتبہ بہت اہم تھا جو انسانی روح کی وسیع ترین کائنات کو محیط تھا۔ اس تصور کے سامنے موت کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ایمان و یقین کی راہ میں بحر فنا سے پار اُتر جانا اور زندگی کو ایک بے کار اور بے معنی شے کی طرح ترک کر دینا ہی اس کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عربی مسلمان ایک فاتح قوم کی طرح تاریخ کے صفحات پر نمودار ہوئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارے وحشی اور جنگجوئی قبائل دامنِ اسلام میں سمٹ آئے۔
>
> (ماہنامہ ''خرام'' کانپور، نومبر ۱۹۹۷ء)

اسلامی تعلیمات کا حلقہ وسیع ہونے کے ساتھ ہی رزمیہ، عشقیہ اور مدحیہ شاعری کے انداز و اظہار میں خاصا فرق پیدا ہوا اور شاعری کی اثر انگیزی نے مکہ، کوفہ، مدینہ اور دمشق کے شعرا کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ارسطوؔ اور افلاطونؔ کے فلسفہ سے شعرا نے استفادہ کیا۔ قطعیت اور جامعیت کو قصرِ شاعری میں داخلے کا اعزاز عطا ہوا۔ واقعیت پسندی کی بجائے فکر و خیال کی بے پناہ قوت جزوِ شاعری بنی اور شاعری فن کارانہ حسن سے آراستہ ہوئی۔ نئی تکنیک اور زرّیں روایات کی آمیزش سے مثبت اقدار کو نئی تاب و تب حاصل ہوئی۔ حقائق کے عرفان، بصیرت کی روشنی اور تبحرِ علمی نے تخلیق انگیز قلبی کیفیت پیدا کی۔ متنبیؔ جیسے بیدار مغز شاعر نے فکر و احساس کی کنواری زمینوں میں مابعد الطبیعیاتی میلان و رجحان کی فصلیں اُگائیں اور ابوالعلاؔ المعری نے فلسفیانہ حکمتِ شعر اور

اظہار و اسلوب کی نئی قندیلیں روشن کیں۔ اس طرح عربی شعر و ادب اپنی بلاغت اور بلند معیاری کے باعث ہندوستان، چین، اٹلی، مصر اور یونان کے علاوہ بہت سارے ممالک میں توجہ کا مرکز بن گیا۔

اسلامی تہذیب شعر نے شعرائے عرب کو ایک نئی صنفِ سخن ''نعت'' سے آشنا کیا۔ لفظ نعت جو ولادتِ رسولِ اکرم ﷺ سے قبل محض لغات کی زینت تھا اور تعریف، توصیف یا مدح کے عمومی معنی میں مستعمل تھا، ایک خاص معنی میں استعمال کیا جانے لگا، یعنی محمد الرسول اللہ ﷺ کی مدح و توصیف میں لکھی جانے والی ہر قسم کی تخلیقات ''نعتِ نبی ﷺ''، ''نعتیہ کلام'' اور نعتیہ غزل اور رباعی کے نام سے موسوم ہونے لگیں۔ نعت کہنے کی باقاعدہ ابتدا محبوبِ خدا، احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی ہوگئی تھی۔ آپ کی ولادت باسعادت کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے جب آپ کو حضرت بی بی آمنہ کی گود میں دیا تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ نعتیہ کلام نکلا:

اعیذ بالله ذالجلال
من شر مامر علی الجبال
حتیٰ اراہ حامل الھلال
و یفعل المعروف الی الھوال

(ماہنامہ ''ہدیٰ'' دہلی، بابت ماہ ستمبر۱۹۹۴ء)

اس کے بعد بعثتِ نبوی اور پھر قرآن کریم کے نازل ہونے کے دوران حضور ﷺ کو جتنے خوش بخت لوگوں نے دیکھا اور ان کے حسن و جمال اور ان کے رُخِ پُرانوار کی تعریف و ستائش کی، وہ سارے کلماتِ نعت کے زمرے میں رکھے جاتے ہیں۔ قرآن پاک کے نزول کے بعد اہلِ عالم نے عموماً اور اہلِ اسلام نے خصوصاً یہ دیکھا کہ وہ کتاب اللہ نہ صرف خالقِ کونین کی وحدانیت کا مظہر اور ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے بلکہ اللہ ربّ العزت کے پیارے کی مدح و توصیف کا بے مثال صحیفہ بھی ہے۔ اللہ ربّ العزت نے قرآنِ مقدس میں جگہ جگہ فرمایا کہ ''ہم نے تم کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا''، ''بے شک ہم نے تمھیں کوثر عطا کیا''، ''ہم نے تمھارے لیے تمھارے ذکر کو بلند کیا'' اور ''ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا''، ''اے محبوب ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہیں اُتارا کہ مشقت میں پڑو'' اور یہ بھی کہ ''ہم نے تم کو ایسی رسالت کے ساتھ بھیجا جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے۔'' انھیں فرمانِ الٰہی کو اپنے وقت کے

جید عالمِ دین، عاشقِ رسول ﷺ اور عمر بھر نعت لکھنے والے شاعر مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اپنے ایک شعر میں یوں پیش کیا ہے:

اے رضاؔ خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحتِ رسول اللہ ﷺ کی

جس محسنِ انسانیت کی مدحت سرائی خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی اس کی تعریف و توصیف کا حق بھلا کوئی شاعر کس طرح ادا کرسکتا ہے؟ مگر دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے مداحوں اور شیداؤں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ لہٰذا دنیا کی ہر زبان میں نعت لکھی جا رہی ہے اور آج اس کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ اپنی پوری عمر میں بھی کوئی قاری اس کا مطالعہ نہیں کرسکتا۔ ابتدا میں مضامینِ نعت قدرے محدود تھے اور نعت میں عموماً اللہ کے نبی ﷺ کے خصائل و فضائل، ان کے فرمودات، ان کے طور طریقے، ان کے اسوۂ حسنہ اور ان کے نورانی جسمِ اطہر وغیرہ سے متعلق باتیں نظم کی جاتی تھیں مگر وقت کے ساتھ موضوع میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا ہوتی گئی اور دیارِ نبی ﷺ، روضۂ اقدس، معجزاتِ نبی ﷺ، حمیت، اخوت، عشقِ رسول ﷺ، اُمت کی آہ و فریاد، ان کی خواہشیں، تمنائیں، انسانی قدروں، تہذیبی ورثہ اور مذہبی اثاثوں کا تحفظ، اصلاحِ معاشرہ، اسلامی اقدار کا فروغ اور ان کی ذات و حیات سے تعلق رکھنے والی ہر شے کا بے باکانہ اظہار نعت گوئی کا خاصا ہے اور فی زمانہ تو زاویۂ فکر کی وسعت، اسلوب کی ندرت اور لفظ و زبان کی ندرت اور لفظ و زبان کی رمزیت نے صنفِ نعت کے لیے اور بھی نئے نئے وژن تخلیق کیے ہیں۔

محبان و فدیانِ رسول ﷺ کے جذبۂ ایثار و قربانی کے تذکرے کے لیے ایک پورا دفتر بھی کم ہوگا۔ صرف والہانہ قرب و وابستگی رکھنے والے شعرائے کرام کا تذکرہ بھی مقصود ہو تو صفحات کے صفحات کالے کرنے پڑیں گے۔ مختصراً میں اتنا ہی کہنے پر اکتفا کروں گا کہ نعت گوئی کی ابتدا تو عربی میں ہوئی اور بے شمار شعرا نے صنفِ نعت کو علوئے فکر سے آراستہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت کعبؓ بن زہیر، ابوسفیان بن حارث وغیرہ جیسے مقتدر اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی نعت لکھی مگر صنفِ غزل کی طرح جب صنفِ نعت عربی زبان سے سفر کرکے فارسی زبان تک پہنچی تو صحیح معنوں میں اسے درجۂ اعتبار اور عروج و کمال حاصل ہوا۔ فارسی زبان میں نہ صرف یہ کہ کثرت سے نعت لکھی گئی بلکہ اسے فن کارانہ حسن بھی عطا کیا گیا۔

اسے فکر و فن کی معراج بخشنے والے بلند قامت شعرا میں فردوسی، رودکی سعدی، حافظ، عنصری، جامی، حکیم سینائی، اسجدی اور عطار وغیرہم کے نام شامل ہیں۔ شاعری کی دیگر اصناف کی طرح نعت گوئی کی صنعت بھی براہ فارسی اردو زبان کے دیارِ سخن میں داخل ہوئی۔ جب تک اس ملک میں فارسی زبان اردو زبان پر حاوی رہی، یہاں بھی فارسی زبان میں نعت کہنے کا سلسلہ جاری رہا۔ خسرو سے اقبال تک ہزاروں شعرا نے فارسی میں نعتیہ شعر کہے۔ اردو زبان کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو علم ہوگا کہ اردو زبان میں تواتر سے نعت نگاری کی ابتدا عہدِ قطب شاہی میں ہوئی۔ اسی زمانے میں محمد قطب شاہ، عبداللہ اور محمد قلی قطب شاہ نے اردو نعت کو فروغ بخشا اور ان کا معروف نعت گو پر مشتمل تھی۔ مختار نامی ایک شاعر نے بھی اسی عہد میں ۲۳/ہزار اشعار پر مشتمل ''معراج نامہ'' ہی کے نام سے ایک طویل مثنوی قلم بند کی جو ۱۰۹۴ھ میں شائع ہوئی۔ مولانا نصرتی نے بھی ایک معراج نامہ لکھا جس میں ۱۳۱ اشعار شامل تھے۔ نعت گوئی کے ابتدائی دور میں زیادہ شعرا نے مثنویاں اور قصائد لکھے۔ مولانا غلام امام شہید ایسے پہلے نعت نگار شاعر ہیں جن کی مساعئ جمیلہ سے نعتِ نبی ﷺ مختلف ہیئت، فارم اور تکنیک میں منظرِ عام پر آئی اور اسے قبولیتِ عام کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد سے نعت مختلف النوع ساخت میں بہ شکل نظم اور بہ اندازِ غزل لکھی جانے لگی جو آج تک اپنے نشاط افزا وفور اور نغمہ ریز خروش کے باعث ایک راسخ صنفِ سخن کی طرح رائج ہے۔

اس مختصر سی گفتگو سے اس بات کا بخوبی عرفان ہوگیا ہوگا کہ فدایانِ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ذات و حیات کے مختلف گوشوں پر ہزاروں اور لاکھوں اشعار کہے ہیں۔ بے شمار شعرا تو ایسے بھی ہیں جو تاحیات صرف نعت لکھتے رہے۔ ان میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی، حمید صدیقی لکھنوی اور حفیظ جالندھری وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ ایسے ہی ایک مداحِ رسولِ اکرم ﷺ اعلیٰ حضرت تاج الفحول شاہ مظہر حق عبدالقادر فقیر نواز فقیر قادری بھی ہیں۔

جو ہادی ہوتا ہے وہ اپنی اُمت اور ضرورت مندوں پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ گھر میں فاقہ ہو تو ہو مگر درِ اقدس پر صدا لگانے والا خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ خود پیٹ پر پتھر باندھ کر دوسروں کی بھوک مٹانے والا سرور الزماں کہلاتا ہے۔ دسترس میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ خالی کا خالی ہوتا ہے۔ یہ پیمبرانہ شان ہے جو قناعت اور سپردگی کا درس دیتی ہے۔ خالق اپنی مخلوقات پر فدا ہوتا ہے، رسول اپنے خالق پر اور مداحِ رسول ذہنی اور فکری طور پر اپنے

D:NaatRang-16
File: Zaheer
1st Proof

آپ کو یادِ نبی ﷺ میں غرق کر دیتا ہے اور خود رہ جاتا ہے۔ ایک فقیر... اہلِ تصوف کا قول ہے:

> فقیر وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہ ہو... فقیر ہست نہیں بلکہ نیست کی منزل میں ہوتا ہے۔ یوں وہ اپنے وجود اور اپنی ہستی کو پیچھے چھوڑ کر منزلِ قربِ الٰہی کے جوار میں رہتا ہے اور جب ہستی ہی نہ رہی تو پھر احتیاج اور ضرورت کب باقی رہے گی۔
>
> (ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، سہ ماہی ''تشکیل'' کراچی، شمارہ نمبر ۲۵)

اس رائے کی روشنی میں لفظ فقیر کی معنویت پر غور فرمایئے تو اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت تاج الفحول نے اپنا تخلص فقیؔر کیوں منتخب کیا تھا۔ ظاہر ہے بقول حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی ''وہ صاحبِ قوت قدسیہ تھے۔'' اللہ کے برگزیدہ بندوں میں تھے، خدا رسیدہ تھے۔ ربّ العزت نے انھیں صاحبِ فضل و کمال بنایا تھا۔ انھوں نے ہستی اور نیستی کو جانا تھا، فلسفۂ زمان و مکان کو سمجھا تھا۔ اس لیے اپنی ساری زندگی اللہ کی بندگی کے لیے وقف کر دی تھی۔ خدمتِ خلق کی عادت اختیار کی اور فنا فی الرسول یوں ہوئے کہ ہرلحہ ہر پل حبیبِ خدا ﷺ کی مدح و توصیف میں گزارنے لگے اور جذب و کیف کے عالم میں ایک ایک بات شعر کے قالب میں یوں ڈھالنے لگے:

جو وصف لکھوں شانِ محمد ﷺ میں بجا ہے   سب خلق سے رتبہ شہِ عالم کا بڑا ہے

☆

دے دیا ہے آپ کو اللہ نے وہ مرتبہ   جس میں ہم سر آپ کا ممکن نہیں ہے تا ابد

☆

خیال و فکر کا بھی ہے پہنچنا جس جگہ مشکل   قدم بے شک وہاں پہنچا تمھارا یا رسول اللہ ﷺ

☆

کس سے بیاں ہو رفعتِ ذکرِ محمدی ﷺ   قرآں میں دیکھ لے جسے کچھ اشتباہ ہے

☆

دین و دنیا میں غلامی میں رہوں آپ کی میں   کچھ تمنا نہیں اب دل میں مرے اس کے سوا

ان اشعار سے یہ حقیقت آشکارا ہے کہ حضرت تاج الفحول فقیؔر قادری محبوبِ ربّ العالمین کے سچے مداح ہیں، ان کے رُتبے، ان کی عظمت اور ان کی پیغمبرانہ برتری سے بخوبی

واقف ہیں اور نبی کریم ﷺ سے ایک ربطِ خاص رکھتے ہیں، کیوں کہ ہمارے نبی سیّدالانبیا بھی ہیں، خاتم الانبیا بھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھیں صاحبِ معراج ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ جو لوگ نبیوں کے درجات سے واقف نہیں، ان کے لب تک ایسے سوالات بھی آتے ہیں کہ جو نبی آخر میں آئے انھیں تمام نبیوں پر فوقیت کیوں کر حاصل ہوگئی؟ بات دراصل یہ ہے کہ انسانوں کے علم و آگہی کے لیے جتنے نبی آئے انھوں نے درجہ الف سے ایم اے تک کی تمام کی تعلیمات پوری کرا دیں۔ حضرت محمد ﷺ آخر میں تشریف لائے اور ہر طرح کی ریسرچ (تحقیق) اور پی ایچ۔ ڈی یا ڈی لٹ وغیرہ کا عرفان عطا کیا اور قرآن و حدیث کی شکل میں ایسی اہم کتابیں فراہم کرا دیں جو تا قیامت مدرّسین و محققین کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔ لہٰذا ان نبیوں کا نبی ہونا اور حضور ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا برحق ہے۔ ان کی اسی فضیلت کے پیشِ نظر انھیں فلک الافلاک تک جانے اور اللہ تبارک تعالیٰ سے دو بہ دو گفتگو کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ واقعہ ہے کہ یہ اعزاز بے مثال ہے اس لیے معراج النبی ﷺ کے موضوع پر سب سے زیادہ اشعار کہے گئے ہیں اور کئی کئی ہزار اشعار پر مشتمل منظومات بھی لکھی گئی ہیں۔ اور یہ سب کی سب احمد مجتبیٰ ﷺ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کی غماز ہیں۔

حضرت قربؔی ویلوری کا ''معراج نامہ'' سب سے قدیم ہے جو تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ حضرت ذوقؔی ویلوری نے اپنی ایک مثنوی میں ابتدائے خلقت نورِ محمدی سے لے کر وفات تک کے حالات نظم کیے ہیں۔ اس فارسی مثنوی کے تمام اشعار تقریباً ساڑھے سات ہزار ہیں اور کمال کی بات یہ ہے کہ یہ مثنوی صرف ڈیڑھ ماہ کی مدت میں لکھی گئی۔ اس کا اردو ترجمہ ۱۸۳۱ء میں حاجی ملا محمود مہاجر حسرتؔ نے کیا تھا۔ حضرت باقرؔ آگاہ نے حضورِ اکرم ﷺ کی ذات و صفات، حالات و کمالات اور خصوصیات و معجزات پر ایک ضخیم کتاب ''ہشت بہشت'' لکھی۔ اس کے جملہ اشعار کی تعداد نو ہزار ہے۔ حضرت شاہ عبدالحیٔ احقرؔ بنگلوری نے سیرتِ طیبہ کو پہلی بار مبسوط طور پر اردو زبان میں نظم کیا۔ اس کا نام ''جنان السیر'' ہے۔ یہ مثنوی تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اسے مولانا روم کی مثنوی کا بدل کہا جاتا ہے اور قرآن شریف کے بعد اس کتاب کا پڑھنا اور رکھنا باعثِ خیر و برکت سمجھا جاتا ہے۔ سیرتِ طیبہ پر ایسی جامع اور مبسوط منظوم کتاب نہ تو اردو میں لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ لکھی جانے کی توقع ہے۔

(بحوالہ ''دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ادبی منظر نامہ''...از ڈاکٹر راہیؔ فدائی)

ہم نے دیکھا کہ رسولِ پاک ﷺ سے بے پناہ محبت کرنے والے شعرائے کرام نے معراج کے موضوع پر بے انتہا شعر کہے ہیں۔ حضرت تاج الفحول فقیرؔ قادری بھی ایک ایسے مداحِ رسول ﷺ ہیں جن کے بیشتر نعتیہ کلام میں اس موضوع پر مختلف انداز میں تخلیق کردہ بے شمار اشعار موجود ہیں۔ ان کی ایک نعتیہ نظم کی تو ردیف ہی ''شبِ معراج'' ہے۔ اس نوعیت کے چند اشعار نمونے کے طور پر مطالعہ کے لیے نقل کیے جا رہے ہیں:

جس جا پہ گزرتے تھے باشوکت و عظمت ہوتے تھے ملک محوِ تماشا شبِ معراج

☆

جاہ و حشم و شوکت و اجلال لکھوں کیا جو آپ ﷺ نے اللہ سے پایا شبِ معراج

☆

کون ان کے سواختم رسالت سے ہے موصوف اور کس کے تئیں رُتبۂ معراج ملا

☆

یہ رُتبہ ہے خیرالبشر ﷺ آپ کا ہوا عرش پر بھی گزر آپ ﷺ کا

☆

خدا نے تم کو اے محبوبِ حق اس شب بلایا ہے سواری کو براق باد یا جنت سے آیا ہے

☆

فلک پر دھوم ہے اب آپ کے تشریف لانے کی بچھونا نور کا سب آسمانوں نے بچھایا ہے

☆

سب جہاں طالبِ حق آپ ہیں مطلوب اس کے حق نے معراج میں تا عرش انھیں بلوایا

☆

فلک پر جب ہوئی شہرت رسول اللہ آتے ہیں یہی غل تھا کہ اب حضرت رسول اللہ آتے ہیں

☆

جنابِ سرورِ کونین کی معراج کی شب ہے
یہی باعث ہے جو اس شب مکان و لامکاں خوش ہے

☆

نو آسماں ہیں زینۂ قرب اس جناب کے
اور عرش اس حبیبِ خدا کا حریم ہے

عرش معلّٰی تک محبوب کبریا کے سوا کبھی کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ فلک البروج آٹھواں آسمان ہے اور فلک الافلاک نواں آسمان۔ اس آسمان پر ستارے بھی نہیں ہیں۔ انجم و پرویں کی کہکشاں بھی نہیں ہے اور فضا میں تیرنے والے ٹمٹماتے ہوئے سیارے بھی نہیں ہیں۔ وہاں صرف خالقِ کائنات ہے جو بذاتِ خود نور ہی نور ہے اور وہ لاشریک ہے۔ اتنی وسیع و عریض دنیا اور اس کی بسیط فضا میں ایستادہ کروڑوں کرۂ ارض کا وہ تنہا مالک ہے اور اپنی نظر کے ایک رموٹ سے ہر شے کو اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ حساس بھی ہے اور اس نے اپنا ایک محبوب بھی منتخب کیا جسے اپنے ہی ایک جزو روشن سے تاباں و منور کیا اور اس کے لیے بے تاب بھی رہا، اسے سرعرش بھی بلوایا اور اس پر خود درود و سلام بھی بھیجا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر کا غم تو خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو کمالات و معجزات کی وہ قدرت عطا کی تھی کہ آپ کے حکم پر درخت خود چل کر آیا اور سجدہ ریز ہوگیا۔ آپ نے چاہا تو آفتاب کی گردش تھم گئی اور آپ نے انگلی کا اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ حضرت تاج الفحول فقیر قادری کے اشعار میں مختلف النوع روشن کرامات و کرشمات کے انعکاسات بھی ہیں۔ شعور کی تہوں کو کریدنے والی صداقتیں ف بھی اور علمیت و ذوقِ سلیم عطا کرنے والی مربوط وحدت بھی۔ آپ نے مصنوعی بے کیفی، آورد سے آلودہ تخلیقی عمل اور محدودیت نیز بے سمتیت سے بہر قدم دامن بچایا ہے۔ آپ کے یہاں خیال انگیزی تازہ فرحت بخش ہوا کی مانند ہے تو معنویت شمع کی نظر تاب روشنی کی طرح۔ آپ کے اشعار میں ادبیت ہے مگر وہ قاری سے معمے حل نہیں کراتی بلکہ حیرت افزا حقائق کی تفہیم کراتی ہے۔ حضرت فقیر قادری معجزۂ شق القمر سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ جا بہ جا اس کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار:

قمر ہوگیا دفعتاً ٹکڑے ٹکڑے　　جو انگشتِ انور کا پایا اشارہ

☆

الصلوٰۃ اے آں کہ نرم از پائے تو گشتہ حجر
السلام اے آں کہ شد از دست پاکش شق ماہ

ناقص ہے یہ تشبیہ، لکھوں گر مہِ کامل　　شق اس کو فقط ایک اشارے میں کیا ہے

D:NaatRang-16
File: Zaheer
1st Proof

کیا رد خورشید و شقِ قمر مسخر ہے شمس و قمر آپ کا
آمد ہے ان کی دست سے ہے جن کی شق قمر اور رعبِ پا سے جن کے حجر مثل موم ہے

☆

دفعتاً اعجاز سے دکھلا دیا شقِ قمر بعد مغرب اک اشارے سے کیا خورشید رد

☆

چاند ٹکڑے ہوا سورج بھی پھرا مغرب سے جب کہ انگشت مبارک کا اشارا پایا

☆

اک اشارے سے قمر کو صاف دو ٹکڑے کیا بعد مغرب جانب مغرب سے نکلا آفتاب

☆

واسطے تصدیق معراجِ حضورِ پاک کے قافلہ جب تک نہ آیا حق نے روکا آفتاب

علامہ اقبالؔ نے یہ لکھا کہ ''میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا تو یہ بھی فرمایا کہ ''فنِ شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے نظم کا طریقہ اختیار کیا۔'' اس کے ساتھ ہی انھوں نے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ اکثر اشعار مجھ پر وحی کی طرح نازل ہوتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال حضرت فقیرؔ قادری کا بھی ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

نہ شاعر ہوں نہ فنِ شاعری سے مجھ کو کچھ مطلب
فقط ہے جوشِ دل مسطور یا محبوب سبحانی

ان کے علم و فضل کے بارے میں محمد القادری صاحب نے لکھا ہے کہ:

شعر کی جامع و مانع تعریف نہ معنوی اعتبار سے کی جا سکتی ہے نہ فنی اعتبار سے۔ اس لیے یہاں اس قسم کی خامہ فرسائی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ احسنہ اکذبہ کا یہاں گزر نہیں۔ کیف و حال کا عالم میں فرائی جذبات پر قابو نہیں ہوتا۔ اس کی جیتی جاگتی جلوہ گری ہمیں یہاں ملتی ہے... اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر انھیں قدرتِ تامہ تھی۔ تینوں زبانوں میں دواوین مرتب فرمائے تھے...سفرِ حج میں منزل بہ منزل کیفیات کی فراوانی اور ان کی نعت خوانی کا ساتھ تھا۔

(''گنجینۂ مظہرِ حق'' ص۴۔۵)

مولانا شبلی نعمانی نے بھی ''شعرالعجم'' میں لکھا ہے کہ... آپ منطقی پیرائے میں شعر کی تعریف کرنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے۔'' ژاق ماریتیں کا کہنا ہ کہ ''سب سے پہلے ماقبل شعور میں شاعرانہ تجربہ پیدا ہوتا ہے اور یہیں سے شاعرانہ ذکاوت اصلیت کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔'' ان آرا کے تناظر میں جذبات کی فراوانی، حب رسول ﷺ کی سرشاری اور شاعرانہ ذکاوت کی اصلیت کو ملحوظِ خاطر رکھیں تو اندازہ ہوگا کہ حضرت تاج الفحول فقیر قادری کے وجدان پر عقیدت کا غلبہ ہے، احساس پر رضائے محمد ﷺ کا قبضہ ہے اور ذہن وشعور پر رسول اکرم ﷺ کا احترام و اعجاز حاوی ہے۔ ان کو جلد از جلد دیارِ حبیب ﷺ میں پہنچنے کی للک ہے، روضۂ اقدس کو اپنی پیاسی نظروں سے چومنے کی تمنا ہے اور خود کو ہادیٔ اعظم ﷺ کے سپرد کر دینے کا جنون ہے۔ ایسے میں فنی رموز و علائم بھلا کیسے جکڑتے!؟ وہ تو جوں توں شہرِ طیبہ سے قریب ہوتے جا رہے تھے ان کی سرشاری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس عالم میں ہر نفس کی ایک رکاوٹ تو ہر فکر ایک بوجھ جیسی تھی۔ ان کی زبان پر جو کلمات تھے، بس یہی تھے کہ اے حضور ﷺ! مجھے جلد بلوا لیجیے اور جلوۂ سبز گنبد کا نظارہ کرا دیجیے۔ قربِ احمد مجتبیٰ ﷺ کے وفور و نشاط کے عالم میں انھوں نے کس کس انداز میں اپنے جذبے کا اظہار کیا ہے اس کی طرفگی محسوس کرنے کی چیز ہے:

ہے دل کو عشق آپ کے روضے سے اس طرح جیسے کہ عندلیب کو اُلفت چمن سے ہے

☆

موجود ہو بر روئے زمیں روضۂ محبوب دیکھوں نہ اسے آنکھ سے واللہ غضب ہے

☆

جانے والے تو گئے کب کے مدینہ کی طرف اب تلک اپنی وہی بے سروسامانی ہے

☆

مرحبا اے دلِ خوش بخت مدینہ آیا شکر کر حق کا کہ پہنچا ہے کہاں آج کی رات

☆

ہر طرف حق کے جو انوار نظر آتے ہیں بس مدینے کے یہ آثار نظر آتے ہیں

☆

ان کی رحمت نے کیے غیب سے ظاہر ساماں تھا یقیں مجھ کو کہ بے شک مجھے بلوائیں گے

D:NaatRang-16
File: Zaheer
1st Proof

نعمتِ حق کے خزانے پہ غریب آ پہنچے یعنی ہم آج مدینے کے قریب آ پہنچے

☆

شکر حق کیا ہو ادا ہم سے سیہ رو بھی فقیر تا درِ روضۂ پُرنور حبیب آ پہنچے

☆

لو مبارک یہ شہنشاہ کا روضہ آیا عرش سے جس کی زیارت کو ملک آتے ہیں

ادب لٹریچر بھی ہے، اطوار و اخلاق کا آئینہ دار بھی اور عبادت بھی۔ ادب ایمان و اسلام بھی ہے اور اس سے محرومی کفر کے مصداق ہے۔ بقولِ مولانا رومؒ "حرف" خدا کا نام ہے۔ صالح ادب کی تخلیق کی باگ ڈور موجودہ صدی کے اوائل تک دین و مذہب کے خدمت گاروں کے ہاتھوں میں تھی۔ بقولِ والی آسی "نعت گوئی کو ترقی دینے میں صوفیائے کرام کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔" حضور ﷺ کی مدح و توصیف میں لکھی جانے والی نثر بھی نعت کے زمرے میں آتی ہے۔ نعت کے ذریعے بگڑے ہوئے اخلاق کو سدھارنے، امیری اور غریبی کے امتیاز کو مٹانے، نیکی کی راہ دکھانے اور زندگی کی تعمیر و اصلاح کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ لہٰذا نعت گوئی کا میدان بے حد وسیع و عریض ہے۔ چند دہائی قبل تک نعت کو "مذہبی ادب" قرار دے کر اسے ایک مخصوص حلقے تک محدود کر دیا گیا تھا مگر بفضلِ الٰہی اب حمد و نعت کو بھی تخلیقی ادب کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور ہندوپاک کے بیشتر مقتدر اور اہم معیاری ادبی جریدے حمد و نعت کی شمولیت لازمی سمجھنے لگے ہیں۔ معروف شعرائے کرام بھی تخلیقِ نعت کی جانب متوجہ ہوئے ہیں۔ اور نظم و غزل کے ساتھ نعت کہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ لہٰذا موجودہ عہد میں اس صنف کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے اور حمد و نعت پر مشتمل مجموعے بھی تواتر سے شائع ہونے لگے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ نعت نگاری کے لیے اب لفظ کی نگینوی آب و تاب اور اندازِ بیان کی شگفتگی لازمی قرار دی گئی ہے۔ پہلے اربابِ فن کو یہ شکایت تھی کہ نعت گوئی پر تبصرہ اور تقریظ سے آگے بڑھ کر کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ مگر آج بلوغیتِ شعور و ادراک کے ساتھ نعت نگاری کو بھی نئی نئی جہتوں اور زاویوں سے ہم کنار کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود رفتار بہت دھیمی ہے اور مادّیت پرستی نے زیادہ تر لوگوں کو مذہبی اور تہذیبی قدروں سے دُور کر دیا ہے۔ نئی نسل اپنی مادری زبان سے بے تعلق ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ کچھ زیادہ ہی غور طلب ہوگیا ہے۔ علی شوکت راجا نے لکھا ہے کہ:

مذہبی کتابوں کو جزدانوں میں بند طاقچوں میں رکھنے والوں نے کبھی یہ نہ

سوچا کہ ان کتابوں کے سارے حرف احترام آدمی سکھاتے ہیں۔

یہ بات لائق تحسین ہے کہ اعلیٰ حضرت تاج الفحول اکادمی نے سیمیناروں کے انعقاد اور کتب کی اشاعت کے ذریعے اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے کی سعی بلیغ کی ہے اور ''مظہرِ حق'' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا ہے۔ اس طرح حضرت فقیر قادری کی شعری و نثری تحریریں عوام و خواص تک پہنچنے لگی ہیں اور اردو زبان و ادب کے مطالعے کا ذوق و شوق یقینی طور پر بڑھا ہے۔

شاعری الہامی اور وجدانی کیفیات کے زیراثر وجود میں آتی ہے۔ نعت نبی ﷺ کی تخلیق و تحریر کے وقت شدت جذبات کے باعث بعض شعرا ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو شعری لحاظ سے حد درجہ قابلِ اعتراض ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا ارشاد گرامی ہے کہ ''نعت کا جو طرز ہمارے معاشرے نے اختیار کیا ہے وہ بہت قابلِ اصلاح ہے۔'' حضرت شاہ معین الدین احمد ندوی نے'' ارمغانِ حرم'' کے دیباچے میں تحریر کیا ہے کہ اس راہ میں سب سے بڑی لغزش الوہیت اور نبوت کے حد کو سمجھنے میں ہوتی ہے۔'' حضرت تاج الفحول فقیر قادری نہ صرف عالمِ دین تھے بلکہ زبانِ شعر کے مزاج داں بھی تھے۔ لہٰذا ان کی نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں تھی کہ الوہیت اور نبوت کی سرحدیں الگ الگ ہیں۔ انھیں اس بات کا بھی عرفان تھا کہ محمد الرسول اللہ ﷺ کو خود اللہ تبارک تعالیٰ نے ''یا آدم''، ''یا عیسیٰ''، ''یا زکریا'' وغیرہ کی طرح مخاطب کرنے کی بجائے ان کے احترام کے پیش نظر قرآن شریف میں جگہ جگہ ''یا صدائے عزت''، ''یا ایھا الرسول''، ''یا ایھا المزمل''، ''یا ایھا المدثر'' وغیرہ لفظوں میں مخاطب کیا ہے۔ اس لیے نعت کہتے وقت اللہ کے رسول کی اس عظمت کو پیش نگاہ رکھنا لازمی ہے۔ حضرت فقیر قادری نے ان نکات کو بھی اپنے نعتیہ اشعار میں واضح کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا عزتِ جنابِ رسول کریم ﷺ ہے　　　مداح جن کا خود وہ خدائے علیم ہے

☆

وہ محبوبِ خدا جن کی کہ ذاتِ پاک کا بے شک
خدائے اقدس و اعلیٰ بذاتِ خود ثناخواں ہے

☆

آخر جنابِ حضرت حق نے کیا انھیں　　　مسند نشینِ تختِ معلائے لامکاں

اعلیٰ حضرت تاج الفحول نے ایک طرف ''حقیقۃ الشفاعۃ''، ''شفاء المسائل''، ''تحقیق

D:NaatRang-16
File: Zaheer
1st Proof

المسائل"، "سیف الاسلام"، "احسن الکلام" فی تحقیق عقائد الاسلام اور "مصافحہ کی تحقیق" وغیرہ جیسی اہم کتابیں لکھ کر ملتِ اسلامیہ کی سچی نگہبانی کی تو دوسری طرف نعت و منقبت لکھ کر رسول اکرم ﷺ سے ایسی والہانہ وابستگی کا ثبوت فراہم کیا کہ عاشقِ رسول ﷺ، جید عالم دین اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے آپ کو امام الہدیٰ، صاحبِ اصطفا، نائبِ مصطفےٰ، مظہر ارتضا، وارث الانبیا اور زبدۃ الاتقیا جیسے خطابات سے نوازا ہے اور ان کی شان میں ایک سو پانچ اشعار پر مشتمل قصیدہ "چراغِ انس" تخلیق فرمایا جو عالی جناب فقیر قادری کو عظیم المرتبت کرنے اور مداحِ رسول کی حیثیت سے انفرادی شناخت عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کے توصیفی قصیدہ کے بعد کسی طرح کے اضافہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ان کے یہ اشعار بلاشبہ ان کی حقیقت بیانی اور کشادہ نظری کی بہترین مثال ہیں:

اے امام الہدیٰ محبّ رسول — دین کے مقتدا محبّ رسول
آج قائم ہے دم قدم سے ترے — دین حق کی بنا محبّ رسول
تجھ پہ فضلِ رسول کا سایہ — مجھ پہ سایہ ترا محبّ رسول

حضرت تاج الفحول فقیر قادری کی نعت کیف و کشف کی لامحدودیت، فکر و جذبہ کی صداقت، واقعیت اور گہری روحانی کیفیات کی آئینہ دار ہے جو ادراک و آگہی کی ان منزلوں سے آشنا کراتی ہے جہاں بہر ساعت ایک ہی صدا گونجتی ہے:

ہر طرف صلِ علیٰ کی دھوم ہے، ہاں دھوم ہے...!

پروفیسر شوذب کاظمی۔ ملتان

عرش صدیقی کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر عاصی کرنالی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' کے صفحہ۴۹۹ پر ''ڈاکٹر عرش صدیقی'' کا عنوان درج کر کے یہ تعارفی جملے درج کیے ہیں:

ادیب، شاعر، محقق اور نقاد کی حیثیت سے نامور شخصیت، کئی نثری اور شعری کتابوں کے مصنف ہیں۔ شاعری میں روایتِ جنوں سے منحرف اور رویہ خرد افروزی کے پرچارک۔ کلام میں عصری حسیت اور شعور کی رو۔ جزواً حمد و نعت کہی ہے۔ کملی میں بارات کے نام سے دوہے طبع ہوئے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے کملی میں بارات مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور، طبع اوّل نومبر۱۹۹۱ء سے حمد و نعت کے ضمن میں ان دوہوں کی مثالیں دی ہیں:

حمد:

عادل خلقت شور مچائے ہوا ہوئے سنجوگ
نفرت کے دشمن ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں لوگ
میرے پاس علاج ہے اس کا سنو فقیر کی بات
کالی کملی اوڑھ لو سارے کملی میں بارات
(ص۔۱۰۳)

(مقالے میں پہلے دوہے کے دوسرے مصرعے میں ''نفرت سے دشمن'' درج ہے غلطی

ہے جسے دُور نہیں کیا گیا)

نعت:

عادل میرا فخر محبت، عجز، لحاظ، نیاز
تیرا فخر حقارت، عہدہ، کرسی، کبر مجاز
تیرا فخر وہ عدل ترازو جھوٹے جس کے باٹ
میرا فخر فقیری والی ٹوٹی ہوئی اک کھاٹ
(''میرا فخر محمدؐ''، ص۱۰۴)

اس نعتیہ سلسلۂ خیال کی تکمیل جس تیسرے نعتیہ دوہے پر ہوتی ہے اسے مقالے کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ وہ دوہا یہ ہے:

تیرا فخر عدالت والے بے حس رسم و رواج
میرا فخر محمدؐ عادل، پیر مرا حلاج

اس میں شک نہیں کہ نعت عرش صدیقی کی شاعری کا نسبتاً کم معروف گوشہ سہی لیکن اس کے نقوش اس قدر عدم دستیاب بھی نہیں ہیں کہ انھیں ایک بلند درجے کی تحقیق کے لیے تلاش ہی نہ کیا جاسکتا ہو۔ اس مضمون میں عرش صدیقی کی نعت گوئی کے آغاز و ارتقا سے بحث کرتے ہوئے اُن کی چند نعتوں کے محرکات و موضوعات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور ان نعتوں کی مختلف اشاعتوں کے تقابلی مطالعے کے بعد نعت کی روایت میں عرش صدیقی کے مختلف شعری رویے اور ان کے امکانات کا جائزہ لیا جائے گا۔

''بحضور سرورِ کائنات'' جو ۳۱ مصرعوں پر مشتمل ہے۔

عرش صدیقی پہلی مطبوعہ نعتیہ نظم، غیر مطبوعہ تحریروں کے مجموعے ''لفظ ہمارے'' کے نعت نمبر میں ص۴۵، ۴۶ پر شائع ہوئی۔

جون ۱۹۸۴ء میں منظرِ عام پر آیا یہ نعت نمبر حلقۂ اربابِ ذوقِ لودھراں کی جانب سے مبشر وسیم لودھی نے مرتب کیا۔ ۱۹۸۵ء میں جب عرش کی نظموں کا دوسرا مجموعہ ''محبت لفظ تھا میرا''، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا تو اس میں صفحہ۱۵ سے ۱۷ پر شامل تھی۔ جس میں شاعر حضورﷺ سے براہِ راست مخاطب ہو کر کہتا ہے:

سلگ رہا ہے لبوں پر عذابِ گویائی کہاں سے بات چلائیں کہاں سے لفظ چنیں

کہ یاں بیان کی تفسیر جو بیاں میں نہیں　　　کہ یاں معانیٔ الفاظ جو گماں میں نہیں
کریں اشاروں میں بھی بات ہم تو اہلِ فنا　　　علامتوں کی صلیبوں پہ کھینچ دیں ہم کو
فقیہِ شہر کو چاہیں تو محتسب دشمن　　　جو محتسب سے نبائیں ہیں تو اہلِ دل نالاں
عجیب طرح کے مجرم ہیں ہم کہ جن کے لیے　　　نہ مدعی نہ عدالت نہ فردِ جرم کوئی
عجیب منظرِ غم ہے ہماری آنکھوں میں　　　جدھر بھی دیکھیں ہماری زبان ہے سرِدار
جدھر سے گزریں فقط ایک ہی صدائے بلند　　　گلی گلی یہی عف عف مکاں مکاں یہی شور
یہ بت شکن ہیں انھیں حق ہے آتشِ نمرود　　　یہ حق پرست ہیں ان کو صلیب پر کھینچو
یہ پاسبانِ حرم ہیں انھیں شہید کرو　　　ہے اب بھی تنگ ہمیں کربلا میں حدِ سفر
ہر اک قدم قلعۂ دشمناں کی زد میں ہے　　　نہ کوئی جائے اقامت نہ کوئی راہِ فرار
کہاں کہاں سے نہ گزریں کہاں کہاں سے بچیں　　　کسے رفیق کریں کس سے دوستی نہ کریں
نہیں ہے جاں سے گزرنے کا حوصلہ جو مکاں　　　وہاں بھی ہاتھ پکڑنے کی رسم ہے عنقا
تڑپ اس سے حریت حدیثِ شوق مگر　　　کسے کہیں کہ گراں گوش ہے فصیل ہوا
ہے تیرا نام کلیدِ فراغِ قلب و نظر　　　مثال ابر بہاراں اک مثیل گرمیٔ جاں
زباں پہ قفل بنی ہے مہیب خاموشی　　　سلگ رہا ہے لبوں پر عذابِ گویائی

اس ابتلا سے نکال اے محمد ﷺ عربی

''لفظ ہمارے'' کی اشاعت میں احتیاط نہیں برتی گئی اور نظم کے ساتویں مصرعے میں ''فقیہ شہر'' کا لفظ ''فقیہ شر'' آٹھویں مصرع میں نباہیں کی بجائے ''بنائیں'' چودھویں مصرعے میں شور کو ''شعور'' لکھ دیا گیا اور تراکیب میں اضافتوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان باتوں سے قطع نظر نظم کے لہجے پر نظر دوڑائی جائے تو اس پر فیض کی نظم گوئی کے انداز کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نعتیہ مضامین میں اُس روایت کی روسیع ہے جو اس مشہور نعتیہ مناجات میں:

فریاد ہے اے کشتیِ اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

عرش صدیقی کی یہ پہلی نعتیہ نظم اُن تمام قیاس آرائیوں کی کھلی تردید بھی تھی جو اُن کے بارے میں کی جاتی رہیں اور جسے موضوع بناتے ہوئے عرش صدیقی نے ایک مقام پر یہ واقعہ درج کیا:

D:NaatRang-16
File:Shozib
2nd Proof

اخبارات میں یہ شکایت شائع ہوئی کہ عرش صدیقی یونی ورسٹی کے طالب

علموں میں گم راہی پھیلا رہا ہے... اور بائبل پڑھنے پر مجبور کر رہا ہے...
مائتھالوجی کو خرافات سمجھنے والے علمائے متقدمین اور متاخرین سے اس قسم کے رویے پر مجھے زیادہ حیرانی نہیں ہوئی میں نے اس سلسلے میں طالب علموں اور ان میں سے بعض کے بزرگوں اور چند اہم شہریوں سے مذاکرات کیے اور خدا کا شکر ہے کہ انھیں ہم خیال بنانے میں کامیاب رہا۔ ایک بار چند ایسے حضرات سے میری گفتگو ہوئی جنھوں نے قرآنِ کریم کا سرسری مطالعہ تو کیا تھا لیکن دوسری کسی مذہبی کتاب کو نہیں دیکھا تھا نہ ہی ان مذاہب کے پیشواؤں کی زندگی کی تفصیلات کا انھیں علم تھا۔ میں اصرار کر رہا تھا کہ انھیں دوسرے مذاہب کی کتابوں اور ان کے پیشواؤں کی زندگی کا علم حاصل کرنا چاہیے اور وہ میری بات ماننے کو تیار نہیں تھے۔ جب میں نے اصرار کیا کہ میں ان دوسرے مذاہب کے مطالعے کو اہم سمجھتا ہوں تو انھوں نے مجھ سے کچھ سوال کیے اور جواب مانگے، یوں:

س: کیا آپ قرآنِ حکیم کو عظیم ترین اور مکمل ترین کتاب مانتے ہیں؟

ج: جی ہاں مانتا ہوں۔

س: کیا آپ محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے بڑا پیغمبر مانتے ہیں؟

ج: جی ہاں مانتا ہوں۔

س: بتائیے کہ یہ ماننے کے باوجود کہ قرآن سب سے اہم کتاب اور محمد ﷺ سب سے بڑے پیغمبر ہیں کیا دوسرے مذاہب اور ان کے پیغمبروں کی طرف رجوع کرنا آپ کے ایمان اور عقیدے کی کم زوری کا ثبوت نہیں ہے؟

ج: نہیں! آپ کا خیال غلط ہے میں محض اس لیے مسلمان نہیں ہوں کہ میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا میں محض عقیدے کی بنیاد پر بھی مسلمان نہیں ہوں میں سوچ سمجھ کر شعور کی بنیاد پر مسلمان ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ کس بات کی کیا اہمیت ہے جب کہ آپ نہیں سمجھتے۔

س : کیا ہمارا عقیدہ ہمارے لیے کافی نہیں ہے اور کیا آپ کا ایمان کم زور نہیں ہے؟

ج : جی نہیں! عقیدے کی اپنی اہمیت ہے لیکن عقیدے کو عقل اور سائنس کے حوالے سے بھی ماننا دوسری بات ہے۔ چلیے تھوڑی دیر کو میں مان لیتا ہوں کہ میرا ایمان کم زور ہے اور خاکم بدہن میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم مکمل راہ نما کتاب نہیں ہے یا محمد ﷺ مکمل رہبر نہیں ہیں، یا یوں کہیے کہ آپ تو مانتے ہیں آپ کو اُن کو قائل کرنا ہے جو اسلام کو نہیں جانتے اور رسولِ خدا کو نہیں مانتے۔ آپ ان کو کیوں کر قائل کریں گے کیا آپ کو یہاں دوسرے ادیان سے مقابلہ نہیں کرنا ہوگا۔

میرے اس سوال اور اس دلیل کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے یہ نہ بتا سکے کہ اس عقیدے میں جس کے وہ مقلد ہیں کیا بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ آخر دوسرے لوگ ان کے عقیدے کو کیوں قبول کریں۔

(''ہندو صنمیات'' از ڈاکٹر مہر عبدالحق، بیکن بکس ملتان، اوّل ۱۹۹۳ء، ص۱۳ تا ۱۵)

دراصل عرش صدیقی اپنے عقیدے، ایمان اور اس کے زیرِاثر اپنی نعت گوئی میں بھی تقابلِ ادیان کو اہمیت دیتے ہیں اور اسے شعوری سطح پر قبول کرتے ہیں۔ عرش صدیقی اُس رہبر کے قائل ہیں جو سفرِ زندگی کی اُن تمام راہوں، دشواریوں اور آسانیوں کا کماحقہ علم رکھتا ہو جن سے انسان کا ربطِ خاص ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ وہ ہستی ہیں جنھیں زندگی کے ہر شعبے کا بلاواسطہ اور مکمل تجربہ تھا۔ عرش صدیقی کی نعت گوئی میں حضرت محمد ﷺ کی ہستی اسی طور موضوعِ سخن بنی ہے۔

عرش صدیقی کی نعت گوئی کے مطالعے میں اُن کے اُس سفرِ حجاز کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا جو انھوں نے ۱۹۹۰ء میں اختیار کیا تھا۔ اس سفر سے واپسی پر انھوں نے سنجیدگی سے نعت گوئی کی طرف توجہ کی۔ چناں چہ نومبر ۱۹۹۳ء کے ''ماہِ نو''، ص۳ پر عرش صدیقی کی جو نعت آزاد مصرعوں کے انداز میں شائع ہوئی اور بعد میں ''دائرے''، کراچی مارچ، اپریل ۱۹۹۵ء، ص۶ اور ''مہکتے حرف'' مجموعۂ نعت نمبر۳، مرتبہ رضی الدین رضی، منجانب پریس کلب ملتان، ص۱۸، ۱۹ پر بھی شائع ہوئی۔ اس کا رنگ ہی اور تھا۔ ملاحظہ کیجیے:

D:NaatRang-16
File:Shozib
2nd Proof

اے نبی دُور جو تجھ سے بیٹھا رہا اس کی دنیا نہیں اس کی عقبیٰ نہیں

وہ زمیں کا نہیں آسماں کا نہیں وہ کسی کا نہیں گر وہ ترا نہیں
تری رحمت کا سایہ ہر انسان تک تیری دانش کی رَو حد امکان تک
کون ہے جس نے ترا کہا پڑھ لیا اور پھر ٹوٹ کر تجھ کو چاہا نہیں
ہفت خواں کوئی رستے میں آئے تو کیا آسماں سر پہ بجلی گرائے تو کیا
گر شعورِ وفا رہنما ہے تو پھر دشت قلزم نہیں راہ دریا نہیں
وہ جو حیراں ہے معراج کیا راز تھا طے ہوا کس طرح وقت کا فاصلہ
تیرے اقبال کی کیا خبر ہو اسے جو حرا میں محبت کے اُترا نہیں
ہم جو اس عمر میں خالی دامن لیے ہو کے بے تاب سوئے حرم چل پڑے
سوچا سمجھا ہوا عرش ہے فیصلہ سر میں جاگا ہوا کوئی سودا نہیں

اس نعت کے حوالے سے نعت گوئی کو شعوری سطح پر شعری تجربہ بنانے کا عمل کتنا واضح اور روشن دکھائی دیتا ہے اور عرش کی نعت عقیدے اور عقیدت کے اس روایتی سفر میں اپنے عہد کو نئے ممکنات کا عہد بناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

عرش صدیقی کی وہ نعت جو بطورِ خاص جنوری ۱۹۹۰ء میں مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے کہی گئی، عرش کی نعت گوئی کی تفہیم میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہے اور چند مختلف احساسات و کیفیات کو سامنے لاتی ہے۔ یہ نعت ''گلِ صحرا'' ملتان کے ۱۹۹۶ء کے ایک شمارے میں صفحہ نمبر۹ پر شائع ہوئی، ملاحظہ کیجیے:

صدیوں سے تھے جو دُور ترے آستاں سے ہم — محروم تھے سرودِ غمِ جاوداں سے ہم
تھے کب سے پائمال سرِ دشتِ آرزو — بچھڑے ہوئے تھے جیسے کسی کارواں سے ہم
عشقِ بتاں میں لٹ کے زمانے سے ہار کے — پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم
سوچا تھا جاں پہ گزری ہے جو کہہ سنائیں گے — حیراں کھڑے ہیں بات چلائیں کہاں سے ہم
اک جامِ درد دے کہ زباں کی گرہ کھلے — مشکل میں ہیں اسیرئ عجز بیاں سے ہم
کیا خوش نصیب تھے کہ ترے در پہ آگئے — کیا بدنصیب ہیں کہ چلے ہیں یہاں سے ہم
کس کو وطن میں جا کے کہیں گے کہ کیا ہوا — کیوں لوٹ آئے شہرِ شہِ دوجہاں سے ہم
ہر دم ہمارے حال پہ رکھنا کڑی نظر — ڈر ہے کہ گر نہ جائیں کہیں داستاں سے ہم
مشکل پھر آ پڑی تو اسی در پہ آئیں گے — شکوہ نہیں کریں گے کبھی آسماں سے ہم

آ ہی گئے تھے عرش تو رہ جاتے پھر یہیں
سر پھوڑ مرتے کاش اسی آستاں سے ہم

آپ نے ملاحظہ کیا خود احتسابی کے اس تجزیاتی عمل سے شاعر روضے سے دُوری کے سفر کو صدیوں کا سفر کہتا ہے اور روضۂ رسول کو کائنات اور انسان کا مرکزی نقطہ قرار دیتا ہے۔ عرش کی نعت گوئی میں یہ زاویے اس سفر سے پہلے اُس کی نعت گوئی کا حصہ نہیں بنے تھے۔

اور اب آخر میں عرش صدیقی کی ایک ایسی نعت ملاحظہ کیجیے جو سہ ماہی ''ادبیات'' اسلام آباد کے شمارہ۔۱۶، جلد۷، ''بہار'' ۱۹۹۴ء، کے صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۱۳ پر آزاد مصرعوں کی صورت میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں ''سفینۂ ادب'' ملتان کے گوشہ عرش صدیقی نمبر ۱۹۹۵ء، مرتبہ نسیم شاہد میں ص ۸ اور ''گلِ صحرا'' گولڈن جوبلی نمبر ۱۹۹۷ء میں ص ۱۱ پر پابند نعتیہ نظم کی صورت میں دوبارہ وسہ بارہ چھپی۔ ''سفینہ ادب'' کی اشاعت میں یہ شعر شامل نہیں تھا۔

کیا خبر کس طرح ہم نے مانگی دعا کیا خبر کیسے ہم سرخ رو ہوگئے
کیا خبر کس طرح اک سسکتی نوا آخرِ شب سحر کی اذاں بن گئی

''گلِ صحرا'' کی اشاعت میں اغلاط کی درستی پر توجہ نہیں دی گئی مزید اشعار ملاحظہ کیجیے:

بے اماں بحرِ ظلمات میں اے نبی تری ہستی منارِ اماں بن گئی
گلشنِ جاں میں اک خالی مستول تھا تیرے در کی ہوا بادباں بن گئی
دھوپ نکلی تو ایسی ستم ریز تھی شعلہ بن کر فضا ساری جلنے لگی
کچھ نہ تھا سر پہ جز آسمانِ بلا تری چشمِ کرم سائباں بن گئی
تا اُفق پھیلتے گرم صحراؤں میں کوئی گل تھا نہ سبزے کی مہکار تھی
نام تیرا ہوا نے کچھ ایسے لیا وسعت دشتِ جاں بوستاں بن گئی
اک نیا تو نے دنیا کو چہرہ دیا آتشِ عزم سے اس کو تازہ کیا
جھوم اٹھی تیرے قدموں تلے یہ زمیں، یہ زمیں کب رہی آسماں بن گئی
زندگی کی جو پہلے سے تعبیر تھی باعثِ انتشارِ چمن ہی رہی
تیری تعبیر کے سحر سے مجلسِ دشمناں محفلِ دوستاں بن گئی
وقت مایوس تھا سو گیا تھا مگر تیری آوازِ پا سے وہ پھر جاگ اُٹھا
اس نے کروٹ جو لی وہ نئی زندگی اور نئی روشنی کا نشاں بن گئی

D:NaatRang-16
File:Shozib
2nd Proof

کیا خبر کس طرح مدعا کہہ گئے کیا خبر تو نے کیسے ہمیں سن لیا
حوصلہ بولنے کا کہاں تھا ہمیں خامشی ہی ہماری زباں بن گئی
جانِ عرشِ حزیں جو بدن کی ریاضت کے اک سرد خانے میں محبوس تھی
اک نظر سے تری حبس ٹوٹا تو وہ آسمانوں میں روحِ رواں بن گئی

عرش صدیقی کی نعت گوئی کے ضمن میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ اردو نعت گوئی کے سفر میں اضافہ کرتی ہوئی مثالیں ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ قاری پر ہے لیکن اس مطالعے سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ عقیدے اور یقین کو انسانی حیات میں جو اہمیت حاصل ہے وہ سائنس کی لامحدود ترقی کے باوجود اپنی جگہ قائم ہے۔ عرش اس حقیقت کے غماز تھے کہ حیات اور انسانی ذہن کی ساخت کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لیے انسان عقیدے کے ساتھ ساتھ شعور کو بھی راہنما نہ بنائے تو وحشی جبلتوں اور نفسیاتی الجھنوں کی خوراک بن جانا اس کا مقدر بن جاتا ہے اور پوری سچائی اسی وقت دریافت کی جا سکتی ہے جب ان مسائل پر غور و فکر کی راہ ہموار کی جائے جو زندگی کے دامن سے بندھے ہوئے ہیں۔ چناں چہ اس مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اس حقیقت کے ادراک تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے کہ انسان عقل و شعور اور اقدار کی مکمل ترین صورت اسلامی تعلیمات میں اور ان کا اکمل ترین عمل ظہور آنحضورﷺ کی زندگی میں ہوا ہے۔

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

مقبول نقش کا نقشِ عقیدت

جناب مقبول نقش ہمارے ایک پختہ عمر، پختہ شعور اور پختہ فکر ادیب و شاعر ہیں۔ ان کی شعوری عمر کم و بیش ۶۲/سال ہے۔ انھوں نے زندگی کا حق ادا کیا ہے۔ ان کی زندگی کے دامن میں متنوع اور گوناگوں تجربے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کے ساتھ تعاون اور تعامل کا فریضہ انجام دیا ہے، وہ ایک ایسے دور کے فن کار ہیں جس کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا ہے:

ہیں موڑ پر صدیوں کے دن ایک مہینے کے

انھوں نے دوسری عالمی جنگ دیکھی ہے جب ہر چوبیس گھنٹے میں یورپ کا جغرافیہ بدل جاتا تھا۔ انھوں نے افریقا اور ایشیا کے بیشتر ممالک میں طلوعِ آزادی کا نظارہ کیا۔ انھوں نے دنیا کے سب سے بڑے مسلمان ملک کو دنیا کے نقشے پر اُبھرتے اور اسے دولخت ہوتے دیکھا ہے۔ وہ سانحۂ کشمیر کے شاہد اور مبصر ہیں اور کشمیر ہی اُن کی پہلی شعری کاوش ''جوئے خون'' کا موضوع ہے۔ ۲۷/بند کا یہ مسدس ۱۹۶۸ء میں ڈھاکے سے شائع ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ۲۷/بندوں کا تعین اتفاقی نہیں بلکہ شاعر نے ہندسے کے ذریعے مقتلِ کشمیر کا تعلق مقتلِ کربلا سے قائم کیا ہے۔ کربلا جو مظلومیت کے ساتھ ساتھ مزاحمت، جدوجہد اور ظلم کا مقابلہ کرنے کا استعارہ ہے۔ اردو کے سخت گیر نقاد ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم نے اس نظم کے دیباچے میں مقبول نقش کے شاعرانہ کمال کے پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ یہ کتاب کم یاب نہیں بلکہ نایاب ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شادانی صاحب کی تحریر کا مختصر اقتباس پیش کر دیا جائے۔

نقش صاحب کی یہ نظم اختصار کے باوجود اپنے موضوع کی تمام جزئیات پر حاوی ہے... پوری نظم نہایت رواں دواں اور استوار ہے۔ اس روانی

میں بحر کے مناسب انتخاب کا بڑا دخل ہے۔

مقبول نقش صاحب نے کشمیریوں بلکہ کشمیر کی زبان سے یہ داستان سنائی ہے اور تخاطب سیاحِ کشمیر سے ہے جو شوقِ نظارہ اور تمنائے تفریح کے ساتھ کشمیر آیا ہے۔ مصرعوں کا آہنگ گفتگو اور مکالمے کا سا ہے۔

آؤ دیکھو یہ تاریخ کشمیر ہے زینت ہر ورق خونِ نخچیر ہے
ہم سے پوچھو کہ یہ خطۂ رنگ و بو ملکیت کس کی ہے، کس کی جاگیر ہے
یہ زمین صرف کشمیریوں کی زمیں اور کسی کی نہیں، اور کسی کی نہیں

کشمیر کی تاریخِ آزادی اور جدوجہد اسی لہجے اور انداز میں بڑی تاثیر کے ساتھ نظم کی گئی ہے۔ اس بند میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ تیسرا مصرع ہم قافیہ نہیں، جب کہ مسدس کی فنی روایت کے مطابق ہر بند کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اس انحراف سے شاعر کے فنی شعور اور جدت کا اظہار ہوتا ہے اور اس سے تسلسل میں اضافہ ہوا ہے۔ نظم میں مفید حواشی اور سنین بھی ہیں جن سے نظم کا تاریخی پس منظر روشن تر ہوگیا ہے۔

گزشتہ چونتیس برسوں میں مقبول نقش صاحب کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ کئی اصنافِ سخن میں انھوں نے اظہارِ خیال کی نئی گنجائشیں اور امکانات تلاش کیے ہیں۔ نظم کے مختلف پیکر، غزل، رباعی، قطعہ، ثلاثی، ہائیکو اور ماہیا... تلاثی، ہائیکو اور ماہیا گویا مقبول نقش صاحب کے ذہن میں ثلاثی، ہائیکو اور ماہیا، الگ الگ اور مستقل اصنافِ سخن کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ ان کے درمیان بجا طور پر فرق کرتے ہیں اور اس فرق کو عملی طور پر برتتے ہیں۔

مقبول نقش صاحب کے مختلف شعری مجموعوں میں ان کی زندگی کے گزرے ہوئے ماہ و سال، ہماری گزشتہ صدی کے نقوش، تاثرات اور زندگی و کائنات کی جاوداں اور لافانی حقیقتیں موجود ہیں۔ مشرقی پاکستان کے مناظر، شعر کے پیکر میں ڈھل کر ایک انسانی تجربے کے طور پر محفوظ ہوگئے ہیں اور ان کی غزلوں میں آفاقی موضوعاتی کی نمود ہے اور حدیثِ دل و دنیا سنائی دیتی ہے۔

غنچہ سر شاخ کھل رہا ہے خوش بو کو وجود مل رہا ہے
خواب بھی چھین لیے جائیں تو پھر کیا رہ جائے آدمی اپنے خیالوں میں بھی تنہا رہ جائے
زندگی میں ایسے بھی حادثے گزرتے ہیں روشنی کے دیوانے روشنی سے ڈرتے ہیں

یہ اشعار جدید غزل کے مزاج اور آہنگ کی نمائندہ مثالوں کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جدید غزل جو نئے انسان کی تنہائی، نئے انکشافات، نئی آگہی، بدلتے ہوئے سماجی حالات اور حالات کی کہر میں ڈوبے ہوئے اور کھوئے ہوئے ان خیالات، محسوسات اور کیفیات کی عکاس ہے جو شاعر پر بھی پوری طرح واضح نہیں ہیں اور آج کی غزل میں پچھلے پچاس ساٹھ سال کے وہ واقعات پس منظر کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے ہماری نسل دوچار ہوئی اور مقبول نقش صاحب اسی نسل کے باقیات الصالحات میں سے ہیں۔ آزادی کے حصول کے وقت چراغاں ہوا اور یوں کہ جلتے ہوئے مکانات اور بستیوں کے شعلے آزادی کا چراغاں بن گئے۔

زندگی میں ایسے بھی حادثے گزرتے ہیں
روشنی کے دیوانے روشنی سے ڈرتے ہیں

اور ایسے حادثوں کے بعد حساس لوگ اپنے خوابوں کی دنیا میں پناہ لیتے ہیں لیکن ان خوابوں کا رشتہ حقیقتوں سے ہوتا ہے۔ زندگی کو سجانے کے خواب، تعمیرِ آشیاں کے خواب، زیتون کی ٹہنی اور امن کی فاختہ کے خواب... اور اسی کے ساتھ حسن سے وابستگی... خوش بو کی تجسیم کے لمحوں کو دیکھنے کا منظر۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ شاعر اور تخلیقی فن کار کا رشتہ ابدی، کائناتی اور مابعدالطبیعیاتی حقیقتوں سے بھی ہوتا ہے۔ یہ رشتہ زندگی کے سفر کے ساتھ ساتھ مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ رشتہ ہماری زندگی کی بلند تر سطح کا دوسرا نام ہے اور ہر مذہب و ملت کے شاعر اور فن کار کے ہاں اس رشتے اور تجربے کی نمود ہوتی ہے۔ مسلمان فن کار کے ہاں یہ مابعدالطبیعیاتی تجربہ بھی انسانی اور عملی ہوتا ہے اور یہ رحمۃ للعالمین ﷺ کا کرم ہے۔ اللہ کو ان کے ارشادات اور ان پر نازل ہونے والی کتاب نے ہمارے رگِ جاں سے قریب تر کر دیا۔

مقبول نقش صاحب کے تمام شعری مجموعوں میں حقیقت کا یہ پہلو موجود ہے۔

میں خراب دشت طلب ترا تو میرے قریب رگِ گلو

(حمد: ''حرف مری کائنات'')

ہم کشتۂ وہم و گماں تو رہبرِ راہِ یقیں

(نعت: ''حرف مری کائنات'')

غزلوں میں بھی حقیقت و مجاز کی یہی ہم آغوشی نظر آتی ہے۔ غزل میں نعت اور

حقیقت کی جلوہ گری پر میں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اس لیے اس سے گریز کرتا ہوں اور مقبول نقش صاحب کے چند شعر پیش کرتا ہوں اور اس درخواست کے ساتھ کہ ان کی تہ داری اور پہلوؤں پر غور فرمایئے:

جب ہاتھوں میں پتھر بولتے ہیں تب لوگ پیمبر بولتے ہیں

☆

دوام تجھ کو ہے لیکن ترا سراغ ہوں میں ہوا کے سامنے جلتا ہوا چراغ ہوں میں

☆

مری نظر کو، مری فکر کی رسائی دے کہ مجھ کو چہرۂ آئندہ بھی دکھائی دے

پچاس، ساٹھ سال کی سخن آرائی کے بعد جناب مقبول نقش اپنا حمدیہ نعتیہ مجموعہ ''حرفِ ثبات'' پیش کر رہے ہیں۔ یہ تعارفی تحریر اس جگہ بھی ختم ہوسکتی ہے کہ میں نے اُن کی حمدیہ نعتیہ شاعری کے پس منظر اور ان کے اندازِ نظر سے متعلق کچھ اشارے آپ کی خدمت میں پیش کر دیے اور ان کی شاعری پر اختصار سے کچھ باتیں عرض کر دی ہیں، لیکن جی چاہتا ہے کہ اُن کی حقیقت نما شاعری کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے اور ذکرِ حبیبِ ربّ دوجہاں ﷺ کی سعادت حاصل کی جائے کہ روح کو منور اور معطر کرنے کی ایک قوی، مؤثر اور یقینی صورت یہی ہے۔

اس ہر آن بدلتی ہوئی دنیا میں صرف تغیر کو ثبات ہے اور اس میں اگر حرفِ ثبات، کسی لفظ، کلمہ اور کلام کو کہا جاسکتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسولِ آخرالزماں ﷺ کا ذکر ہے۔ جب ہر نقش مٹ جائے گا تو صرف اللہ کا وجود باقی رہ جائے گا اور روزِ قیامت تک ذکرِ محمد عربی ﷺ لبوں پر جاری رہے گا۔ اس مختصر سے مجموعے میں حرفِ ثبات کے ذریعے انسان اور اس کے کلام کو دوام کی ایک صورت عطا کی گئی ہے۔ مقبول نقش صاحب کے حمدیہ کلام میں اللہ صرف ''نقشِ خیالی'' نہیں بلکہ وہ روحِ حرف و کائنات کی طرح نظر آتا ہے۔ عہدِ حاضر میں نعت نے بے حد ترقی کی ہے لیکن اعلیٰ درجے کی حمدیہ شاعری کم ہی نظر آتی ہے۔ اس کے اسباب میں ایک سبب یہ ہے کہ اللہ کو ہم ایک وجود کے طور پر محسوس نہیں کر پاتے اور اس کے کلام کے ذریعے اس تک رسائی کی کوشش نہیں کرتے اور اس کے رسولِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر میں اللہ کی حیات افروزی اور قدرتِ کاملہ کو نہیں دیکھ پاتے۔ مقبول نقش خوش بخت ہیں کہ احساسِ وجودِ الٰہی کی وہ نعمت انھیں حاصل ہوئی ہے جو ''دید'' کی سرحدوں کو چھو لیتی ہے۔ وہ اپنے معبود سے سرگوشیاں

کرتے ہیں۔ ان کی دعاؤں میں اللہ سے ہم کلامی کی کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس لہجے میں ہمارے کتنے شاعر کلام کرسکتے ہیں؟

جو منزلِ مقصود بنا لیتے ہیں تجھ کو شاید کہ نصیب اُن کو تری ہم سفری ہے

☆

ترا ذکر اور تری گفتگو مری کشتِ جاں کے لیے نمو
مری زندگی بھی تری طلب مری موت بھی تری جستجو

ربِّ ذوالجلال کو مقبول نقش نے اپنے شعور اور اپنے ایمان کی مدد سے اپنی زندگی کے ہر نفس کا حاصل، اپنی ہر نظر کی منزل بنا لیا ہے۔ وہ زندگی کی راہوں کا ایسا مسافر ہے جس کا زادِراہ اس کا خالق ہے۔ وہ ذاتِ باری کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اور اسی فکرِ مسلسل کے دریا میں نعت کے ایسے موتی ہیں جن کی آب و تاب دیدنی ہے۔ فکر کی گہرائی اور اسلوب کی ندرت و جدت اس شعر میں ملاحظہ فرمائیں:

فکر مری شکستہ پا، ذکر ترا کروں تو کیا
واقعہ بعد ازاں بھی تُو، قصہء پیشتر بھی تُو

مقبول نقش کی حمدیہ شاعری میں بیشتر مقامات ہمیں اللہ سے تخاطب کی صورت اور پرایہ نظر آتا ہے۔ نماز کو اللہ کے ساتھ مومن کی سرگوشی قرار دیا گیا اور نماز کا نتیجہ یہ مرتب ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے روز و شب اللہ سے مخاطبہ اور مصاحبہ بن جاتے ہیں۔ یہ قربت اور ادراک خالق، اس کے محبوب اور آخری نبی ﷺ سے محبت اور قرآنِ حکیم کے متعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ آج کا مسلمان دنیوی عیش و عشرت اور دولت کی فراوانی کے بھنور میں پھنس گیا ہے اور عہدِ مصطفوی سے ہر دن دُور تر ہوتا جا رہا ہے، لیکن سرکار دوعالم ﷺ سے وابستگی اس کی شناخت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ آج محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے بعد کم و بیش ۱۴۷۶ھ سال گزر چکے ہیں۔ اس حساب کو پھیلائیے تو معلوم ہوگا کہ آج ہم عہدِ ختم الرسل سے سترہ ہزار سات سو بارہ مہینوں کی مسافت پر ہیں اور اس عہد بابرکت کے بعد پانچ لاکھ اڑتیس ہزار، سات سو چالیس دن گزر چکے ہیں اور ہر دن یہ اعداد و شمار بدل رہے ہیں لیکن ذکرِ خیرالانام ماہ و سال کی ان گردشوں پر غالب ہے۔ دنیا کے ہر گوشے، ہر خطے اور ہر ملک میں اُن کے ذکرِ پاک کا ترفع جاری ہے۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ اٰلِ محمد اور جناب مقبول نقش کا یہ مجموعہء حمد و

نعت اسی بلندیٔ ذکر و اسمِ محمد کا ایک حصہ ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ وہ بھی دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ اس رفعِ ذکر میں شامل ہیں۔

وجہِ نمود کون و مکاں، آپ کا خیال بالائے ہر یقین و گماں، آپ کا خیال
کیا غم اگر ہے تیز بہت زندگی کی دھوپ ہے سایۂ ردائے اماں آپ کا خیال

حرفِ ثبات، کا مطالعہ اس سایۂ ردائے اماں میں قیام کی طرح ہے۔ میں بھی اپنے آپ کو اس منزل پر اُن کے خیال میں گم کرتا ہوں اور آپ بھی ان نعتوں کا مطالعہ کریں جو آپ کو دیارِ محبت میں پہنچا دیں گی۔ میرا یہی جملہ ان نعتوں پر میرا حرفِ نقد ہے۔

تابش دہلوی (کراچی)

غمِ زندگی سے فراغت ملی ہے
مدینہ میں کچھ ایسی راحت ملی ہے

ہمیں دین و دنیا کی دولت ملی ہے
یہ دولت انھی کی بدولت ملی ہے

مدینہ میں اپنا قیام اللہ اللہ
گناہ گار ہوں پھر بھی جنت ملی ہے

زہے گرم بازار عشقِ محمد ﷺ
مجھے آنسوؤں تک کی قیمت ملی ہے

پس انداز اسے بھی کر اے عمرِ باقی
سرِ کوئے طیبہ جو ساعت ملی ہے

ہر ایک نقشِ طیبہ نہ کیوں دل نشیں ہو
مری ہر تمنا کو صورت ملی ہے

نہیں ہے مجھے خوف تردامنی کا
کہ عشقِ نبی ﷺ کی حرارت ملی ہے

دیارِ نبی ﷺ ہو کہ بیت الحرم ہو
ہمیں حاضری کی سعادت ملی ہے

کہیں دل فروزاں کہیں جاں فروزاں
تجلّی بقدر ضرورت ملی ہے

مبارک ہو سرکارِ طیبہ سے تابشؔ
تجھے نعت گوئی کی خدمت ملی ہے

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

منظر ایوبی (کراچی)

خواہشیں ہوں حرف کی صورت بیاں کیوں کر حضورﷺ
ترجمانِ حالِ دل ہے جب یہ چشمِ تر حضورﷺ

خاندانوں اور گروہوں میں بٹی جس روز سے
آپ کی اُمت کی حالت ہوگی، ابتر حضورﷺ

مطمئن ہیں کس قدر یہ سوچ کر ہم ہجرتی
جہل کے ہاتھوں ہوئے تھے آپ بھی بے گھر حضورﷺ

جس کے سائے میں ملی کتنے غلاموں کو اماں
کاش بخشیں مجھ سے عاصی کو بھی وہ چادر حضورﷺ

سرفروشی، حق پرستی کے تقاضے بھول کر
مصلحت کی اوڑھ لی اس قوم نے چادر حضورﷺ

دل کو تڑپاتی ہے اکثر اس حسیں منظرؔ کی یاد
آپ ہیں، بابِ حرم ہے اور میرا سر حضورﷺ

☆

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

کیا اُن کی طرف آئی یہ بہکی ہوئی دنیا
قربِ نفس پاک سے، اُجلی ہوئی دنیا

الفاظ تھے اُن کے کہ اُجالوں کے گجر تھے
پُرنور ہوئی دھند میں ڈوبی ہوئی دنیا

یہ بال و پری اس کی، عنایت ہے انھی کی
اُن کی ہی نوازش ہے یہ اُڑتی ہوئی دنیا

یہ فکر انھی کی ہے کہ ہر فکر ہے گُل رنگ
ہے اُن کے ہی اعجاز سے مہکی ہوئی دنیا

یہ اُن کے قدم تھے کہ بنے باعثِ رحمت
سمٹی ہوئی دنیا ہوئی پھیلی ہوئی دنیا

کیسی تھی نہیں آئے تھے جب تک شہِ والا
وہ آئے تو پھر دیکھیے کیسی ہوئی دنیا

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

رشید وارثی (کراچی)

مدحتِ سلطانِ زمن ﷺ المعروف (مسدسِ وارثی)

مدحِ شہِ لولاک کا اعزاز عطا ہو اللہ! سرِ عرش مری فکر رسا ہو
توصیفِ رسالت ﷺ میں وہی حرف ادا ہو جو دفترِ ایجاب میں پہلے سے لکھا ہو
ہر شعر میں تعظیمِ رسالت ﷺ کے گہر ہوں
لحاتِ ثنا شہ ﷺ کی حضوری میں بسر ہوں

یوں جلوۂ تاثیرِ تمنا نظر آئے مواج ترے لطف کا دریا نظر آئے
سیراب ہر اک دیدۂ شیدا نظر آئے سرکار ﷺ دوعالم کا سراپا نظر آئے
واہب ہے تری ذات وہ معراجِ ہنر دے
جو دامنِ الفاظ کو تاثیر سے بھر دے

اس طور سے مدحت ہو شہِ ارض و سما کی تصویر ہو جو سیرتِ محبوب ﷺ خدا کی
تعبیر ہو جو مژدۂ لولاک ﷺ لما کی تفسیر ہو جو آیۂ لا علم لنا کی
سرکار ﷺ کی توصیف کا مضمون ادق ہے
اے ابرِ کرم! نوکِ قلم، پیاس سے شق ہے

جوش آ گیا رحمت کو مرے سوزِ دعا سے معمور مرا قلب ہوا شہ ﷺ کی وِلا سے
شافع جو ہوئے سرور ﷺ عالم کے نواسےؓ اُمید لگی واہبِ مطلق کی عطا سے
دروازہ کھلا مدحتِ سلطان ﷺ زمن کا
اندازِ کرم ہے یہ خداوندِ سخن کا

کیا صل علیٰ عظمت ممدوحِ خدا ہے ہر آن درود اُن پہ خدا بھیج رہا ہے
منشا جو نبی ﷺ کا ہے وہی حق کی رضا ہے خود نامِ محمد ﷺ بھی تو خالق کی ثنا ہے
قرآں سے عیاں عظمتِ سلطان ﷺ رُسل ہے
واللہ، وہی بعد خدا مولائے کُل ہے

ہیں دل پہ رقم شاہ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ　　کل تک جو شنیدہ تھا وہی اب ہے چشیدہ
ہے بارشِ رحمت سے گُلِ نطق دمیدہ　　اور لب پہ ہے سرکار ﷺ دوعالم کا قصیدہ
وہ آیا تو، توقیر گھٹی آبِ بقا کی
ہے خاکِ قدم گاہ میں تاثیر شفا کی

کونین کا وہ عقدہ کشا، سیّدِ ابرار　　وہ پر تو اخلاق خدا، صاحبِ تلوار
ظالم کے لیے سر تا قدم برق شرر بار　　مظلوم و مساکین کا ہے مونس و غم خوار
جس خاک نے نعلین پیمبر ﷺ کا چھوا ہے
تہذیب کا پودا اُسی مٹی سے اگا ہے

وہ غربت و افلاس میں انساں کا بھرم ہے　　تپتے ہوئے صحراؤں پہ بارانِ کرم ہے
وہ بہرِ مباحات عرب ہے نہ عجم ہے　　وہ ہادیٔ کل، فخرِ رسل، شاہ ﷺ اُمم ہے
مخلوقِ خدا کا ہے وہی حامی و یاور
اللہ کا احسان ہے وہ ساقیٔ کوثر

ہے وسعتِ دارین میں وہ رحمتِ ﷺ عالم　　اللہ کی برہان ہے وہ نورِ مجسم
کل عالم امکان کے زخموں کا ہے مرہم　　ہے ذاتِ الٰہی کا وہی نائبِ اعظم
انبوہ رسل ﷺ کی ہے دعاؤں کا وہ حاصل
اُمت کی وہی کشتیٔ اُمید کا ساحل

دیکھے تو کوئی جلوۂ خورشیدِ رسالت　　اُس مہر کے پرتو سے مٹی دہر کی ظلمت
زیبا اُسے اسمائے الٰہی کی ہے خلعت　　دارین پہ ہے بعدِ خدا جس کو حکومت
یہ آخری منزل ہے مرے حسنِ یقیں کی
سرکار ﷺ سے تزئین بڑھی عرشِ بریں کی

اللہ کی یہ صبحِ ولادت تھی، نوازش　　چھڑکاؤ تھا زم زم کا، تو کوثر کی تھی بارش
نغموں پہ درودوں کے وہ سیار کی گردش　　تھی رحمتِ معبود سوا، مائلِ بخشش
تجسیم میں آمد جو ہوئی نورِ قدم کی
تعظیم بڑھی اور بھی قندیلِ حرم کی

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

سر نامۂ ایجاد کا عنواں ہے محمد ﷺ بندہ ہے مگر سرورِ دوراں ہے محمد ﷺ
انساں ہے مگر صاحبِ قرآں ہے محمد ﷺ مومن ہے مگر حاصلِ ایماں ہے محمد ﷺ

طاعت شہ ﷺ خوباں کی اطاعت ہے خدا کی
وہ عرصۂ جاوید میں رحمت ہے خدا کی

اسریٰ کی حسیں رات بھی کیا نور فزا تھی افلاک پہ جب آمدِ محبوب ﷺ خدا تھی
وہ خلوت قوسین تھی، یا بزمِ دنیٰ تھی اللہ تھا اور ہستی لولاک لما تھی

کس اوج پہ تھے سرورِ ﷺ ذیشاں شبِ معراج
جبریلؑ بھی تھے ششدر و حیراں شبِ معراج

اے ختم رسل! خواجۂ کل، شافعِ محشر ہستی ہے تری لطف و عنایات کی خوگر
رتبہ ہے ترا رحمتِ حق، مالکِ کوثر تابع ہیں ترے ارض و سمٰوات کے لشکر

ہے زم زم و کوثر تری تقدیس کا فیضان
تو جلوۂ رحمٰن ہے، اے صاحبِ ﷺ قرآں

تو قاسمِ نعمت ہے تو ہی قاسمِ جنت قدموں میں ترے ارض و سمٰوات کی دولت
حاصل جو مجھے تیری غلامی کی ہے نسبت ہر شے سے سوا دل ہے تیری ہی محبت

نہ دل میں کوئی آز ہے، نے لب پہ دعا ہے
ورثہ مرے اجداد کا تیری ہی رضا ہے

قمر وارثی (کراچی)

صبح روشن تو شام آئینہ
ہے مدینہ تمام آئینہ

چھو لیا جس نے پائے اقدس کو
ہوگیا وہ مقام آئینہ

سیرتِ مصطفےٰ ﷺ سے ہوتا ہے
زندگی کا نظام آئینہ

اللہ اللہ وہ گھر، جسے کر دے
ذکرِ خیرالانام ﷺ آئینہ

وقف ہوجائیں لب تو ہوتے ہیں
از درود و سلام آئینہ

جس کو نسبت ہے خاکِ طیبہ سے
اس جبیں کا ہے نام آئینہ

راہِ طیبہ نگاہ میں رکھیے
ڈھالیے گام گام آئینہ

کیا قمر ہے ثنائے آقا ﷺ بھی
حرف خوش بو کلام آئینہ

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

ظہیر غازی پوری (بھارت)

بساط بھر ترے لفظ و بیاں سمجھتا ہوں
مگر میں واقعی تجھ کو کہاں سمجھتا ہوں

نصیب جس کو ہوا لمس تیرے قدموں کا
اسے زمیں نہیں میں آسماں سمجھتا ہوں

خیال و فکر پہ میرے ہے سلطنت اس کی
جسے میں سرورِ کون و مکاں سمجھتا ہوں

ملی ہے راحتِ جاں مجھ کو تیری نسبت سے
میں دھوپ تجھے سائباں سمجھتا ہوں

بقدر ظرف تجھے میں نے جانا پہچانا
کہ اپنی ذات کے سود و زیاں سمجھتا ہوں

تصورات میں تو منعکس ہوا جب سے
میں تجھ کو ذہن کا عکسِ رواں سمجھتا ہوں

جو لفظ لفظ ہیں وابستہ نعت و سیرت سے
انھیں میں فکر و نوا کا جہاں سمجھتا ہوں

ظہیرؔ یاد سے اس کی جو کر دے بے پروا
ہر ایسے وقت کو میں رائیگاں سمجھتا ہوں

قیصر نجفی (کراچی)

محمد ﷺ کی کہانی لکھ رہا ہوں
حدیثِ زندگانی لکھ رہا ہوں

تصور میں جو تھا انساں خدا کے
اس انساں کی کہانی لکھ رہا ہوں

کسے معلوم میں لفظوں میں اپنے
کتابِ آسمانی لکھ رہا ہوں

یہ ہے گفتار شہر علم کا ذکر
سمندر کی روانی لکھ رہا ہوں

ہوئی تھی لامکانی کی طرف جو
وہ اک نقلِ مکانی لکھ رہا ہوں

تعجب کیا غلامی کو نبی ﷺ کی
اگر میں حکمرانی لکھ رہا ہوں

بشر نے نور کی معراج پا لی
یہ قرآں کی زبانی لکھ رہا ہوں

حوالے سے ترے اے سنگِ اسود
میں عظمت کی کہانی لکھ رہا ہوں

بنا لو حرزِ جاں قیصؔر اسے تم
میں نقشِ جاودانی لکھ رہا ہوں

☆

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

ظہور الاسلام جاویدؔ (ابوظہبی)

مدینہ دیکھ کر مجھ کو بڑی خوشی ہوگی
یہی خوشی میری معراجِ زندگی ہوگی

حبیبِ حق کے ذریعے سے حق رسی ہوگی
بغیر عشقِ نبی ﷺ کیسے بندگی ہوگی

خوشا وہ شخص مبارک ہے اس کی مرگ و حیات
جسے محبتِ سرکار ﷺ مل گئی ہوگی

اسے سکون ملے گا فقط مدینے میں
جسے ضرورتِ امن و سلامتی ہوگی

کرو دلوں میں ذرا اہتمامِ ذکرِ رسول ﷺ
بجھے بجھے سے چراغوں میں روشنی ہوگی

تمام اُمتِ عاصی کو بخش دے گا خدا
جو بات آپ ﷺ نے فرمائی ہے وہی زندگی

نسیمِ کوئے شہِ دیں سے جس کا ہے ناتا
وہیں وہیں پہ خرد ہوگی آگہی ہوگی

جو منسلک ہے غلامئ شاہِ بطحا ﷺ سے
اسی کے حصے میں جاویدؔ ہر خوشی ہوگی

محمد فیروز شاہ (میانوالی)

سامنے اہلِ محبت کے، مدینہ آیا
اور ہر آنکھ میں ساون کا مہینہ آیا

روشنی ہے یہ فقط آپ ﷺ سے نسبت والی
ورنہ کب آنکھ کو ہے دید قرینہ آیا

آپ ﷺ کے آنے سے یوں سج گئی دنیا ساری
جیسے انگوٹھی میں اَن مول نگینہ آیا

میں تہی دست جو مخلوق میں اشرف ٹھہرا
آپ ﷺ کے دم سے مرے ہاتھ خزینہ آیا

آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کا تبرک لے کر
کامرانی کی طرف زینہ بہ زینہ آیا

دوڑ کر آئی صبا نکہت و خوش بو لینے
میرے آقا ﷺ کو جو فیروزؔ پسینہ آیا

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

عزیز احسن (اسلام آباد)

درکار ہے حضورﷺ نہ دولت نہ عز و جاہ پڑ جائے مجھ پہ صرف عنایت کی اک نگاہ
بے تابیوں کو سونپ نہ دے وقت پھر مجھے درکار ہے حضورﷺ مجھے آپ کی پناہ
بے دین معاشرے کی فضاؤں میں لوٹ کر ہوجائے یہ غلام نہ آقاﷺ کہیں تباہ!
بس جائے میری روح اسی شہر میں حضورﷺ پیشِ نظر ہو گنبدِ اخضر بہر نگاہ
دل کا تو حال آپ پہ روشن ہے سب حضورﷺ پھر بھی یہ اشک آج بنے ہیں مرے گواہ
اعدا ہوئے ہیں در پۂ آزاد یا نبیﷺ اب اُن کے شر سے بچنے کی مل جائے مجھ کو راہ
دیدار آپ کا ہو تو پا جائے کچھ سکوں ورنہ دلِ تباہ رکھے گا مجھے تباہ
میں ہوں میانِ شر و فساد و ظلم حضورﷺ رہ کر عجم میں میرا مقدر ہیں اشک و آہ
نوریں فضا جسے بھی ملی آپﷺ سے ملی مجھ پر بھی اب حضورﷺ عنایت کی اک نگاہ

بیٹھا ہوا ہے آپ کے دربار میں عزیزؔ
اس کے لیے بھی حکمِ حضوری ہو اب تو شاہ

سعدیہ روشن (ابوظبی)

خوش بخت ہوں کہ مجھ کو حضوری کی عطا ہوئی
فرقت کے ہر عذاب سے دُوری عطا ہوئی

جاں تھی مری حصارِ میں اور خوں فشار میں
سب ناصبوریوں کو صبوری عطا ہوئی

شہرِ نبی ﷺ کی ٹھنڈی ہواؤں کے فیض سے
تسکینِ قلب و روح سروری عطا ہوئی

''خضرا'' کے سائے میں کبھی ''جنت کے باغ'' میں
''صفہ'' پر اک نشست عبوری عطا ہوئی

میں خواب دیکھتی تھی حقیقت میں یہ ہوا
مجھ کو بھی ایک چادرِ نوری عطا ہوئی

اب سعدیہ کو ہوگئی معراج یہ نصیب
آقا ﷺ کے در سے فوزِ شعوری عطا ہوئی

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

یعقوب تصور (ابوظہبی)

وحدانیت کی شان بھی، تائید لاالہ بھی
کرنوں سے ان کی مستند، تنویرِ مہر و ماہ بھی

نور مجسمِ حسیں، محبوب ربّ العالمین
ان کے لیے ہی لفظِ کن، تحسین و واہ واہ بھی

ان کی گلی کی رفعتیں اور یہ ادب کی عظمتیں
چلتی ہے ایک شان سے، بادِ سبک پگاہ بھی

چڑیاں پپیہے بلبلیں، نغمہ سرا ہیں دم بدم
توصیف بر زباں ہیں سب، برگ وگل و گیاہ بھی

ان ہی کی تمکنت کی ضو، انھی کے نور کا بھرم
شانِ طلوع آفتاب، حسن کمالِ ماہ بھی

تسبیح رب کے ساتھ ہی ذکر نبی ﷺ میں منہمک
حلقہ بگوش اہل بیت، درویش خانقاہ بھی

محکم یقین دے دیا، وحدانیت کے باب میں
زائل دلوں سے کر دیے، تشکیک و اشتباہ بھی

ان کے درِ عطا سے ہے عالم تمام فیض یاب
جن و ملائکہ سبھی، بندے گدا و شاہ بھی

مال و منال و سیم و زر، عزّ و وقار و فہم و درک
انھی کے در کی ہے عطا حسن و جمال وہ جاہ بھی

جرم و خطا کے باوجود، جو درِ سخا کی انتہا
ہم عاصیانِ دھر کی جانب کرم نگاہ بھی

توبہ جو ان کے در پہ کی رو کر خلوص قلب سے
مژدہ ملا بہشت کا، بخشے گئے گناہ بھی

جالی سے لگ کے قلب تو، مینار نور بن گیا
اشکوں نے پاک کر دیا شیشہ گہ نگاہ بھی

خاکِ درِ رسول پر، سجدوں کا ہے یہ معجزہ
لمحوں میں جگمگا اٹھی، پیشانی سیاہ بھی

تسکین قلب و ذہن و روح پائی تصوؔر آپ نے
یعنی مثالِ خلد ہے، مولا کی بارگاہ بھی

محمد علی صدیقی شیدا بستوی (بھارت)

نبی کا نور ہوا یوں جہاں میں جلوہ گر کہ اس کے روبرو ہر روشنی ہوئی کم تر
تھا جبر و ظلم کے سائے میں نیم جان بشر حضور ایسے میں آئے حیاتِ نو بن کر
جو ان کے زیرِ تصرف رہے ہیں شمس و قمر ہے عقل دنگ تو حیرت میں ہے ہر ایک نظر
وہ لوگ سمجھیں گے کیا رتبۂ شہِ کونین جو وار کرتے ہیں قدرت پہ ان کی رہ رہ کر
زمیں سے تا بہ فلک جو سفر میں گزرا تھا وہ ایک لمحہ تھا دراصل قرن سے بڑھ کر
فلک کو گرچہ سعادت ہے میزبانی کی زمیں کو فخر کہ آقا کو ہے پسند یہ گھر
خوشا کہ شاہ رسولاں جہان میں آئے وہ جن کا ذکر رہا ہر رسول کے لب پر
بیان یوں کیا رب نے رسول کی عظمت انھیں خطاب دیا آخری ہیں پیغمبر
نہ کیوں ہو نشۂ توحید ہر طرف غالب پلانے والے ہیں یہ جام صاحب کوثر

وہی شفیع ہیں خیرالبشر بھی وہ شیدؔا
گناہ گاروں کا دارالامان ان کا در

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

مقصود احمد تبسم (متحدہ عرب امارات)

غارِ حرا

ہم اہلِ وِلا جب بھی گئے غارِ حرا میں
لوٹے تیری خوش بو کے مزے غارِ حرا میں

انوار و تجلّی کا یہ ہے آج بھی مرکز
اسرار یہ ہم پر بھی کھلے غارِ حرا میں

آتے تھے نظر سامنے مینارِ حرم بھی
اللہ کو سجدے بھی کیے غارِ حرا میں

اعلانِ نبوت سے بھی پہلے تھے روابط
دونوں میں حجاب اُٹھتے رہے غارِ حرا میں

طالب ہی کو معلوم ہے کیا چاہیے کیا کیا
مطلوب سے انعام ملے غارِ حرا میں

خلوت کی عبادت نے عجب رنگ دکھایا
جلوت کے حسیں پھول کھلے غارِ حرا میں

تنہائی کے اُن رازوں پہ ہے آج بھی پردہ
محبوب و محبّ ملتے رہے غارِ حرا میں

مغلوب تھی ظلمت سے زمانے کی بصارت
روشن تھے بصیرت کے دیے غارِ حرا میں

قرآن کا آغازِ نزول اُن پہ ہوا جب
جبریل گلے لگ کے ملے غارِ حرا میں

ویسے تو بہاتا ہوں تری یاد میں آنسو
اَن مول تھے جو اشک گرے غارِ حرا میں

میں آپ کے قدموں کے نشاں ڈھونڈ رہا تھا
اُس فرش کے جب بوسے لیے غارِ حرا میں

حسان نے منبر پہ کھڑے ہو کے پڑھی نعت
مقصود نے اشعار پڑھے غارِ حرا میں

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

فراغ روہوی (بھارت)

سر پہ ہے سایہ فگن گنبدِ خضرا تیرا
کیوں کڑی دھوپ سے مرعوب ہو شیدا تیرا

چاندنی، پھول، شفق، ابر، دھنک، موجِ صبا
یہ جہاں کیا ہے، حقیقت میں ہے صدقہ تیرا

حسنِ یوسفؑ بھی بہت خوب ہے تسلیم، مگر
قابلِ رشک ہے نبیوں میں سراپا تیرا

تیرے رتبے کی سند اس سے سوا کیا ہوگی
جا بہ جا درج ہے قرآں میں قصیدہ تیرا

ارض تو ارض ہے افلاک بھی تھے قدموں میں
یاد آتا ہے سرِ عرش پہنچنا تیرا

یاد رکھی ہے صحابہؓ کی گواہی ہم نے
گفتگو سب سے جدا تھی جدا لہجہ تیرا

تیرے اخلاق نے گرویدہ کیا ہے سب کو
"اک جہاں آج بھی بے دیکھے ہے شیدا تیرا"

نعت لکھ لکھ کے فراغؔ اہلِ نظر میں بے شک
معتبر یوں ہے کہ ہے چاہنے والا تیرا

اقبال حیدر (کراچی)

نعتیہ ہائیکو

دھڑکن سینے میں
صرف حرم کا منظر ہے
دل آئینے میں

دھیان مدینے میں
دل میں بیٹھا بیٹھا درد
لطف ہے جینے میں

سبز مہینے میں
گم ہے میری تشنہ روح
زم زم پینے میں

روح مدینے میں
ازل ابد کی آہٹ ہے
وقت کے زینے میں

ابد خزینے میں
اُن ﷺ کی ذات میں ڈھلتا ہے
علم مدینے میں

پاک شبینے میں
گنبدِ خضرا روشن ہے
وقت نگینے میں

مرنے جینے میں
سب پورے ہو جاتے ہیں
خواب مدینے میں

نور ہے سینے میں
دھڑکن دھڑکن کعبہ ہے
دل ہے مدینے میں

خاک دفینے میں
میری مٹی مل جائے
کاش مدینے میں

طارق حسن عسکری (مدینہ منورہ)

میرے مولا کا فضل و کرم دیکھیے
میں بھی پہنچا ہوا ہوں حرم دیکھیے

مجھ گنہ گار کو بھی بلا ہی لیا
ہوگئے دُور سب میرے غم دیکھیے

آگیا اپنے داتا کے گھر مانگنے
سامنے ہے وہ بابِ کرم دیکھیے

میں ہوں نادم کھڑا سر جھکائے ہوئے
میرے آقا ﷺ مری چشمِ نم دیکھیے

ہیں دعاؤں میں مشغول طارقؔ حسن
رو رہے ہیں کھڑے محترم دیکھیے

اطہر عباسی (جدہ)

یارب خیال اُن ﷺ کا ہو، تحریر رفعتیں
وہ ﷺ پیکرِ جمال کے تنویر رفعتیں

اک روشنی سی گھر میں ہو تسخیر رفعتیں
طیبہ کے راستے کروں تعمیر رفعتیں

لکھو تو نعت نعت میں تنویر رفعتیں
سمجھو تو حرف حرف میں تاثیر رفعتیں

ہرسو ہی دیکھتا ہوں مدینے کی رونقیں
آنکھوں میں ہوگئیں ہیں وہ تحریر رفعتیں

ہر ایک لفظ رشکِ قمر نعت کا بنا
والشمس آئینہ ہوئیں تفسیر رفعتیں

ذکرِ نبی ﷺ سے روح کو بالیدگی ملی
قلب و نظر کی ہوگئیں تقدیر رفعتیں

افزائشِ خیال ہو، خوش بو مہک اٹھے
کرلو درودِ پاک ﷺ سے تعمیر رفعتیں

اک خواب ایسا جس میں زیارت ہو آپ ﷺ کی
اُس خواب اور خواب کی تعبیر رفعتیں

میرا وجود خاک ہو طیبہ کی خاک میں
اطہر کچھ ایسے کر سکوں تسخیر رفعتیں

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

مختارؔ علی (جدہ)

مدحِ سرکارﷺ

اک نئی طرز کا معیارِ سخن جاگتا ہے
مدحِ سرکارﷺ سے سویا ہوا من جاگتا ہے

نام لیتا ہوں تو ماحول مہک اُٹھتا ہے
میری آواز میں وہ مشکِ ختن جاگتا ہے

چشمِ حیرت پہ کھلے جب تری سیرت کا طلسم
دل کے صفحات پہ قرآں کا سخن جاگتا ہے

جو بھی ہو جاتا ہے ناموسِ رسالتﷺ پہ شہید
پھول بن کر وہ سرِ باغِ عدن جاگتا ہے

کیسے بے نور ہو اندوہِ زمانہ سے دماغ
دل کے صحرا میں کسی یاد کا بن جاگتا ہے

جب بھی کرتا ہوں رقم نعتِ رسالتﷺ مختارؔ
میرے اشعار میں بے ساختہ پن جاگتا ہے

ظفر مہدی (جدہ)

حرفِ سوال چھوڑیے، سوئے کمال دیکھیے
جن پہ خدا کو ناز ہے اُن ﷺ کا جمال دیکھیے

میرا ہنر تو آپ ﷺ کے در کے گدا کی دین ہے
اس پہ نہ آئے گا کبھی کوئی زوال دیکھیے

خاکِ شفا ہے آپ ﷺ کے قدموں کی خاک بھی مجھے
میرے نصیب کو ملا اوجِ کمال دیکھیے

گنبدِ سبز دیکھ کر کلفتیں دُور ہوگئیں
گویا کہ دشتِ درد میں شاخِ نہال دیکھیے

صدمے بڑے شدید تھے پھر بھی مجھے یقین تھا
اُن کا ہوں معتقد ظفرؔ مجھ کو بحال دیکھیے

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

خمار قریشی (بھارت)

آفتابِ رسالت

شرف سے اپنے زمانے کو تاب دار کیا
وہ آفتابِ رسالت کہ جس کی ضو ہے مدام

ہے اس کے دین کا منشا خدا کی حمد و ثنا
ہے اس کے دین کا مقصد رضائے قربِ الٰہ

ہے اس کے دین کا مطلب عروج سوز بشر
ہے اس کے دین کے معنی مدد غریبوں کی

ہے اس کے دین کے دامن میں صبح و شام قیام
ہے اس کے دین میں صبح گداز، گریہ شب

وہ ماہتابِ مدینہ وہ آفتابِ عرب
وہ کائنات کا اوّل دو عالموں کا سبب

کہ فرش و عرش پہ قائم ہوا ہے جس کا حسب
وہ جس کا نام ہے احمد، قریشی جس کا لقب

شرف سے اپنے زمانے کو تاب دار کیا
وہ آفتابِ رسالت کہ جس کی ضو ہے مدام

فیض رسول فیضانؔ (گوجرانوالہ)

زندگی کی جان کی بنیاد نورِ آنحضورﷺ
زندگی کے حسن کا مخزن ظہورِ آنحضورﷺ

جب تلک ہر اُمتی کی ہو نہ جائے مغفرت
مطمئن کیسے ہو قلبِ ناصبور آنحضورﷺ

کہنے کو اُمی مگر دانائیاں محوِ طواف
دانش و حکمت کا گنجینہ شعورِ آنحضورﷺ

سیّدِ کونین ہیں وہ خواجۂ دارین ہیں
ہر بلندی سرخمیدہ ہے حضورِ آنحضورﷺ

لہلہا اُٹھتے ہیں لب اور جگمگا اُٹھتے ہیں دل
کرتے سنتے وقت ذکرِ پُرسرورِ آنحضورﷺ

شاعری ویسے ہی اُن کی شان کے شایاں نہ تھی
ورنہ کیا مشکل تھا اس فن پر عبورِ آنحضورﷺ

میری معصیت کا قد فیضانؔ کم ہونے لگا
دیکھ کر بے کس نوازی میں وفورِ آنحضورﷺ

D:NaatRang-16
File: Midhat
Final

حافظ نور احمد قادری نوؔر (اسلام آباد)

تقاضائے محبت ہے، اُنھیﷺ کی آرزو کرنا
اُنھیﷺ کی گفتگو کرنا، اُنھیﷺ کی جستجو کرنا

شہِ لولاکﷺ کی مدحت سرائی اک عبادت ہے
مگر اس کے لیے لازم ہے اشکوں سے وضو کرنا

خدا نے خود کہا ہے آپﷺ کے بارے میں بندوں سے
ادب کے ساتھ کرنا، جب بھی اُنﷺ سے گفتگو کرنا

مسافر راہ طیبہ کے، تجھے منزل مبارک ہو
بیاں کچھ حال دل میرا بھی اُنﷺ کے روبرو کرنا

گریباں چاک لے کر پھر رہا ہوں میں زمانے میں
کرم سے آپﷺ کے ممکن ہے اب اس کو رَفو کرنا

مقامِ سیّدِ والاﷺ کسی کو کیا سمجھ آئے
کہ اُنﷺ کا ہے شرف، عرشِ علیٰ پہ گفتگو کرنا

یہاں تو نوؔر، اک اک گام پر محتاط رہنا ہے
کہ صنفِ نعت میں جائز نہیں ہرگز غلو کرنا

پروفیسر شفقت رضوی۔ کراچی

اردو نعت کے جدید رجحانات

(تعارف و تبصرہ)

پچھلے پچیس، تیس سال نعت گوئی کی بہار کے سال رہے ہیں۔ اس زمانے میں کثرت سے نعتیہ کلام سننے میں آیا ہے بے شمار نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ نعتیہ کلام کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کا رواج بھی عام ہوا۔ ان کے علاوہ اہلِ علم حضرات نے نعتیہ ادب کی تفہیم اور تحسین کے معیار اور اصول متعین کرنے اور اپنی تحریروں میں ان کو برتنے کی سعی کی جس کے خوش گوار اثرات اس صورت میں ظاہر ہوئے کہ نعت کو ادب و شاعری کا جزو لازم تسلیم کرلیا گیا اور لکھنے والوں کے ذہن اور قلم پر احتیاط کے پہرے بیٹھ گئے۔ ہم نے بھی اپنی تحریروں کے ذریعے تنقید اور تقریظ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ قارئین کے ذہن سے ہمارا وہ طویل مضمون محو نہ ہوا ہوگا جو ''نعت رنگ'' نمبر۱۰ میں ''اردو نعت کا تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب کا تعارف و تجزیہ'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ ''اردو میں میلاد النبی ﷺ'' (تحقیق، تنقید تاریخ، ''نعت رنگ'' نمبر۸) اور ''اردو حمد و نعت پر فارسی شاعری کے اثرات'' (''نعت رنگ'' نمبر۱۵) اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔

ہماری پُرخلوص مساعی کا مقصد نعت کے حوالے سے تحریروں کا منصفانہ اور غیر جانب دارانہ جائزہ لینا ہے۔ تاحال جن ڈاکٹریٹ کے مقالوں اور دیگر کتابوں پر ہم نے جو اظہارِ خیال کیا ہے ان میں سے کسی بھی فاضل لکھنے والے سے ہمارا شخصی تعارف تک نہیں ہے۔ اس لیے ہماری تحریریں جانب داری یا مخالفانہ رویہ سے بری ہیں۔

ہم نعت کے بارے میں وجود میں آنے والی تحریروں کے تعارف و تجزیہ کے سلسلے کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ بیشتر مطبوعات کے جائزے کے بعد اب غیر مطبوعہ تحریروں کی تلاش ہے۔ ہمارے خیال میں یہ زیادہ ضروری ہے۔ مطبوعہ کتاب کو لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ بھی جاتی ہے

لیکن غیر مطبوعہ کی رسائی کم لوگوں تک ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی جانب خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ایم۔ فل، اور پی ایچ۔ ڈی کے بے شمار مقالے ایسے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے شائع نہ ہوئے انھیں گوشہ گم نامی میں سے نکالنے اور اہلِ علم سے متعارف کروانے کا فرض باقی ہے۔ اس سلسلے میں جامعات کے اساتذۂ کرام سے درخواست بے جا نہیں کہ وہ اپنے اپنے شعبہ ہائے تدریس میں طلبہ اور طالبات سے نعت پر کسی قسم کا کام کردار کو محفوظ کرلیا ہے اسے تعارف اور تجزیے کے ذریعے پیش کریں۔ یہاں اس عمومی غلط فہمی کا ذکر بھی ضروری ہے کہ لوگوں کے خیال میں جو مقالے شائع نہیں ہوئے وہ سعی و سفارش کی بنا پر ڈگری کے مستحق تو قرار پاتے ہیں لیکن حقیقت میں معیار پر پورے نہیں اُترتے اس لیے مقالہ نگار اور ان کے نگران ان کی اشاعت سے پرہیز کرتے ہیں۔ ممکن ہے بعض صورتوں میں یہ خیال درست ہو لیکن اس کا عمومیت سے اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔

پاکستان میں جامعہ سندھ (جامشورو) کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے شعبہ اردو میں ایم اے، ایم فل، اور پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر مقالے لکھوائے جاتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ اکثر طلبہ اور طالبات مقالہ لکھنے سے قبل اور لکھ کر ڈگری لینے کے بعد پھر لکھنے پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ پہلے سے تحریر کی مشق نہ ہونے کی وجہ سے ان کے مقالوں میں ناپختگی کی واضح چھاپ ہوتی ہے۔ ہمارے علم میں یہ بات نہیں کہ مقالہ لکھنے کی اجازت دینے سے قبل ان کی تحریری صلاحیتوں کو جانچا بھی جاتا ہے یا نہیں۔

ہمارے پیش نظر پی ایچ۔ ڈی کا غیر مطبوعہ مقالہ ہے جس کا موضوع ہے ''اردو نعت کے جدید رجحانات'' مقالہ نگار ہیں آنسہ شوکت چغتائی اور ان کے نگران تھے محبّ مکرم ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم، مقالہ ۱۹۹۹ء میں مکمل ہوا اور جامعہ سندھ (جامشورو) میں پیش ہوکر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے موزوں سمجھا گیا۔

مقالہ کا موضوع بالکل نیا ہے۔ سابق میں شائع شدہ کتابوں میں اس پر معلومات برائے نام ہیں۔ مقالہ نگار کو جدید نعتیہ کلام میں خود ہی ''جدید رجحانات'' تلاش کرنے اور ان کا تجزیہ کرنا پڑا۔ اس معاملہ میں مقالہ نگار مایوس نہیں کیا۔ انھوں نے بے شمار حوالوں سے اپنی تحریر کو جان دار بنایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان میں مطالعہ اور اخذ معلومات کا ہنر موجود ہے۔ انھوں نے بیسویں صدی کے ان شعرا کا بالالتزام مطالعہ کیا ہے جو ''درجۂ استادی'' پر فائز ہوکر مقبولیتِ عوام

سے زیادہ قبولیت عام کی سند حاصل کر چکے ہیں اور ان کے کلام سے کماحقہ استفادہ کیا ہے۔

مقالہ ۱۳ حصوں پر مشتمل ہے اور بحالت موجودہ فل اسکیپ سائز کے ٹائپ شدہ ۴۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدا میں ''جدید نعت میں موضوعات کا تنوع'' اور ''سیاسی و تمدنی زندگی سے ہم آہنگ نعتیں'' دو جداگانہ حصے ہیں اگرچہ موضوع کی یکسانیت اور ہم آہنگی کے لحاظ سے ان کو ایک حصہ ہی قرار دیا جاسکتا تھا۔

مقالہ نگار نے نعت میں جدید رجحانات کی تلاش مولانا الطاف حسین حالیؔ سے شروع کی ہے جن کو وہ باضابطہ نعت گو نہیں مانتیں لیکن ان کے کلام کے ایک بڑے حصے پر ذاتِ رسول ﷺ کی عظمت اور ان کے اسوۂ حسنہ کا پرتو اس طرح چھایا ہوا ہے کہ اس کلام کو نعت سے الگ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ مسدس کے حوالہ سے لکھتی ہیں کہ:

> مسدس کا نعتیہ بیان خلوص، محبت، درد، تڑپ اور جذب و شوق میں تو ڈوبا ہوا ہے ہی لیکن اس میں مختلف موضوعات بھی نظر آتے ہیں مثلاً مسلمانوں کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی کے موضوعات کو اٹھایا گیا اور ان کا علاج تعلیماتِ محمدی کو عملی طور پر اختیار کرنے میں تلاش کیا گیا ہے۔ (ص۱۲)
>
> سرسیّد نعت گو شاعر تو نہ تھے ان کی ''علمی تحریک اور برِاعظم میں مسلمانوں کی بعض دوسری تحریکوں نے بھی اردو شعرا کو متاثر کیا۔ اس کے تحت جہاں دوسرے مذہبی موضوعات پر طبع آزمائی ہوئی خصوصاً نعت گوئی کی جانب بھی بڑے شعرا متوجہ ہوئے ہیں وہ رجحان تھا جس کی بنا پر روایتی انداز کی نعت گوئی سے بالکل ہٹ کر نعتیں کہی جانے لگیں۔ (ص۱۳)

ان تمہیدی بیانات سے گزر کر مقالہ نگار نے عہدِ جدید کے شاعروں میں اقبال کا نام سب سے بڑا اور اہم قرار دیا ہے، ''وہ بھی مولانا حالیؔ کی طرح رسمی معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے۔ (ص۱۳) اقبال کے نعتیہ رجحان کے بارے میں مقالہ نگار کے مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ ''اسلامی فکر و فلسفہ کا مکمل خلاصہ ان کی نعتیہ شاعری میں پورے طور پر نمایاں ہے۔ اقبال کی شاعری کا خاص کمال یہ ہے کہ اس میں نعت کے موضوع میں حضورِ اقدس ﷺ کی زندگی اور پیغام

D:NaatRang-16
File: Shafqat
1st Proof

کو فلسفہ کی اساس کے طور پر استعمال کیا ہے۔" (ص۱۴) انھیں اقبال کی تعلیمات کا مرکز رسولِ اکرم ﷺ کی ذات میں نظر آتا ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان حضور ﷺ کے کردار کا نمونہ بن جائے۔

مولانا ظفرعلی خان کا نام بھی نعت گو شاعروں میں ممتاز ہے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے ان کے مذہبی جوشِ طبع کا اظہار ایک طرف خوب صورتی اور دل کشی لیے ہوئے ہے اور اسی جوش و جذبے کے تحت نعتیہ کلام کا حسن اور اثر دوبالا ہوگیا ہے۔

اسی طرح مقالہ نگار نے ماہرالقادری، حفیظ جالندھری، محشر رسول پوری، عبدالعزیز خالد، احسان دانش، مظفروارثی، حفیظ تائب، راجارشید محمود، خالد بزمی، راز کاشمیری، علیم ناصری، راسخ عرفانی اور دیگر شعرا کے کلام کے نمونے پیش کرکے اس میں جدید رنگ کی نشان دہی کی ہے۔ ان تمام شعرا کے نام گنوا کر گزر جانے کے رویہ سے اجتناب کرتے ہوئے ان کی مطبوعات سے استفادہ کیا ہے اور اس کی شواہد پیش کی ہیں۔ مقالہ نگار نے نعتیہ مجموعوں کے علاوہ رسائل کی بھی سیر کی ہے۔ ہمارے زیادہ تر محققین کتابوں سے مواد نقل کرتے اور "معلوم" میں اضافہ کیے بغیر اسے تحقیق شمار کرتے ہیں۔ مقالہ نگار کی دیدہ ریزی کا انداز اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے پچاس سے زائد مجموعہ ہائے نعت کی خواندگی اور اخذ مطالب کی جہد کے ساتھ رسالوں سے بھی مواد حاصل کیا ہے جن میں ماہنامہ "محفل"، ماہنامہ "شام وسحر" (۶ جلدیں) شامل ہیں۔ ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ دورِ جدید کے تمام شاعروں کے ذہن آئے دن کے سماجی، معاشرتی اور سیاسی واقعات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں وہ اپنے تاثرات کو شاعری میں پیش کرتے ہیں۔ نعت کی صنف اس سے خالی نہیں۔ معاشرے کی برائیاں، قوم کے نوجوانوں کی بے راہ روی، بے معنے مغرب پرستی، آشوبِ زمانہ، انسانی قتل و غارت گری، ہمسایہ ممالک سے جنگ اور ان پر ردِّعمل غرض کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جو ذاتِ رسول ﷺ کو حوالہ بنا کر بیان نہ کیا گیا ہو۔ یہ ایک طرح پست و بلند کا موازنہ بن جاتا ہے۔

مقالہ نگار نے تیسرے باب میں "نعت میں ہیئت کے تجربوں" سے بحث کی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اہلِ علم موضوع شاعری اور ہیئت کو ایسی جداگانہ چیزیں سمجھتے ہیں جن کو شاعر زبردستی قریب لاکر بیان کی زنجیروں میں کس دیتا ہے اور عملاً بھی صوتِ حال اس سے مختلف نہیں۔ فطری شاعر ان جھنجھٹوں میں نہیں پڑتا۔ اس کا کلام ترسیل اور اس کے ذریعے

ابلاغ! ذہن کی جو دو معنوں کو متعین کرتی ہے اس سے خود بخود ہیئت متعین ہو جاتی ہے۔ اردو کے جدید لکھنے والے غیر زبانوں کی شاعری کی ہیئت کو جذب نہیں کر سکے ہیں۔ ہیئت پر مشق ان کے تجربے کے ابتدائی درجہ پر ہے۔ جو مضمون سے میل کھائے بغیر ایک اضافی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ فکر، لفظ اور ہیئت میں جو باہمی پیوست کاری ہونی چاہیے نہیں ملتی۔ اس سلسلہ کی دوسری بات ہیئت ماحول و روایت کی مطابقت ہوتی ہے جو ہیئتیں فطری اپج سے نمو پائی ہوئی ہیں وہ اس معاشرہ میں قبول کی جاتی ہیں۔ گویا آب و ہوا انھیں راس آتی ہے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ تجربہ کی خاطر اپنی ہر اچھی سے اچھی چیز کو ترک کرنے اور دوسروں کی خراب سے خراب تمام چیزیں جو یہاں کے ماحول اور مزاج سے مطابقت نہیں رکھتیں لے لینے کو جدت طرازی اور ہیئتی تجربے کہا جاتا ہے۔ ہیئت صرف ارکان کا مجموعہ نہیں، اس کا بھی مزاج ہوتا ہے۔ اس لیے پاکستانی شاعر جب جاپانی شاعری کی ہیئت کو اپناتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مداخلت بے جا کا مرتکب ہو رہا ہے اس لیے لائق مواخذہ ہے۔ مقالہ نگار نے اس بحث سے اجتناب کیا ہے اور مروّجہ ہیئتوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ انھوں نے جن ہیئتوں کا ذکر کیا ہے ان میں نظم، معریٰ نظم، آزاد نظم میں نعت گوئی شامل ہیں۔ محنت کے باوجود مقالہ نگار تمام مروّجہ ہیئتوں کا احاطہ نہ کر سکیں اور یہ بھی واضح نہ کر سکیں کہ ہیئت ابلاغ اور تفہیم میں کس حد تک معاونت کرتی ہے۔ کیا ہیئت کے نت نئے تجربے روایتی ہیئتوں سے زیادہ بہتر تاثر مرتب کرنے میں کامیاب ہیں؟

مقالہ کا چوتھا باب ''نعت اور تاریخِ اسلام'' ہے۔ دکھانا یہ مقصود ہے کہ نعت گو شعرا تاریخِ اسلام سے کماحقہ واقف بھی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو انھوں نے تاریخ کے حوالوں سے کلام کو پُر اثر اور نتیجہ خیز بنایا ہے یا نہیں۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے مقالہ نگار نے احسان دانش کی نظم ''دارین'' اور عبدالعزیز خالد کی نظم ''فارقلیط'' کا ذکر کیا ہے۔ ''فارقلیط'' کے بارے میں مقالہ نگار کی رائے ہے:

> یہ نظم حضورِ اقدس ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی بھی عکاسی کرتی ہے اور اسلامی تاریخ کے ان پہلوؤں کو بھی اُجاگر کرتی ہے جس سے مسلمانوں کی تہذیبی و سیاسی اقدار کا تعلق ہے۔'' (ص ۷۵)
>
> یہی حال عبدالعزیز خالد کی دیگر نظموں کا ہے۔

مقالہ نگار نے طویل نعتیہ نظموں کو نظم سے جداگانہ صنف قرار دے کر اس سے بحث کی

ہے۔ اچھا ہوتا ان کے لیے ''طویل نظم'' کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے قدیم اصطلاح کا احیا ہی کر دیا جاتا اور انھیں ''مثنوی'' کہا جاتا۔ مقالہ نگار نے قمر ہاشمی کی ''مرسل آخر''، مظفر وارثی کی ''بابِ حرم''، بے چین رجپوری کی ''نیرِ حرم'' کے علاوہ محشر بدایونی، صہبا اختر، جعفر طاہر، رحمٰن کیانی، رئیس امروہوی، آثم مرزا کی نظموں میں جدید رجحانات تلاش کیے ہیں جو عصری شعور سے ہم آہنگ ہیں۔

پانچویں باب میں ایسی نعتوں کا ذکر ہے جو درود، مناجات اور سلام کی صورت میں ہیں۔ ان میں خصوصیت سے سلام ہمیشہ مقبول رہے ہیں۔ اکبر میرٹھی کا سلام:

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک

کو شہرت دوام حاصل ہے۔ گھر گھر پڑھا جاتا ہے۔ مردوں میں بھی نہیں عورتوں میں بھی مقبول ہے۔

حفیظ جالندھری کا سلام ''سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی'' کو بھی مقبولیت حاصل رہی۔

عبدالعزیز خالد نے حمد کے انداز میں نعت کے رنگ کو اختیار کیا ہے اور ان کی اس نوعیت کی نعتیہ نظمیں زبان و بیان کی لطافت الفاظ کا اعلیٰ معیار تلمیحات اور تشبیہات کی ندرت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ (ص۹۰)

مظفر وارثی کی نعتیہ شاعری بھی مختلف انداز اور فنی رخ رکھتی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر انھوں نے سلام کی شکل میں حمدیہ روش کو اپنایا ہے۔ (ص۹۱) اسی قبیل میں انور فیروز کی نعت بھی نظر آتی ہے۔ جس میں درود شریف کے انداز میں نعتیہ روش کو اپنانے کی پیش رفت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ہاں سلام کی صورت میں بھی نعت نظر آتی ہے۔ (۹۱)

غرض اس باب میں ایسی نعتوں کا جائزہ لیا گیا ہے جو تینوں اوصاف یعنی درود، مناجات اور سلام کی عکاس ہیں۔ یہ باب مختصر ہونے کے باوجود فکر انگیز ہے۔

ان چند ابواب کی تفصیل سے وہ نہج متعین ہوجاتی ہے جو مقالہ نگار نے اختیار کی ہے اور دیگر ابواب کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں تاکہ مقالہ نگار کی وسعت معلومات اور نعت کے رجحانات کے بارے میں ان کی فکر و تحریر کا اندازہ کیا جاسکے۔

چھٹا باب ایسی نعت جس کا اصل محور حضورِ اقدس کی ذات پاک ہے، ساتواں باب فلسفیانہ انداز کی نعتیں، آٹھواں باب خطابیہ انداز کی نعتیں، نواں باب نعت اور تغزل، دسواں باب قرآن اور حدیث کی روشنی میں سیرتِ نبوی ﷺ کے بیان کے تحت نعتیں، گیارھواں باب نئی نسل کے شاعروں کی نعت گوئی، بارھواں باب دورِ حاضر کے ممتاز نعت گو اور ان کے نعتیہ مجموعے، تیرھواں باب دورِ حاضر کے نعتیہ انتخابات۔

مقالہ نگار نے موضوع کو اتنا پھیلا دیا ہے کہ اسے سمیٹنا ان کے لیے مشکل ہوگیا ہے۔ پھر بھی جن موضوعات پر خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں ان کی اپنی فکر شامل ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ عام مقالوں کی نہج سے ہٹ کر انھوں نے کام کیا ہے۔ ان پونے پانچ سوصفحات میں جہاں کہیں رائے ہے وہ مقالہ نگار کی اپنی ہے ہمہ شمہ کے اقوال بے معنی کو اقتباس کر کے قاری کو مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اور آخر میں جامعات کے شعبہ ہائے تحقیق کے مقتدر حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرتا چلوں کہ مقالہ تحریر کرنے کی اجازت دینے سے قبل یہ دیکھ لینا کافی نہیں کہ سابقہ امتحانات کا ریکارڈ کیا ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ مقالہ نگار کو ''لکھنے'' کا کتنا تجربہ ہے۔ انھوں نے کتنے مضامین لکھے؟ کیا ان کے مضامین ''معیاری رسائل'' میں شائع ہوئے؟ کیا ان کی تحریر میں وہ جاذبیت ہے جو تحقیقی اور تنقیدی مقالوں کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے؟ ہماری نظر سے متعدد مقالے جو ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے لکھے گئے تحریری اعتبار سے ''ناپختہ'' نظر آئے۔ زیرِ نظر مقالہ نگار کے بارے میں یہ لکھتے ہوئے حیرت اور افسوس کا اظہار لازم ہے کہ آنسہ شوکت چغتائی کی دیگر تحریروں کے پڑھنے سے ہم محروم رہے۔ اس مقالہ سے انھوں نے ڈگری تو حاصل کر لی مگر اپنی صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر بنانے کی تحریری مشق سے گریز کیا اور اپنی تحریر کی جادوگری سے قاری کو محروم رکھا۔ بہر حال مقالہ کی تحریر کو ہم ''ناپختہ'' نہیں کہہ سکتے تو اس میں قلم کاری کی جادوگری میں بھی نہیں ملتی۔

D:NaatRang-16
File: Shafqat
1st Proof

پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید۔ فیصل آباد

جدید اردو نعت گوئی اور
"کاروانِ حرم" کا حوالہ جاتی نظام

اردو نعت کے دورِ جدید کا آغاز مولانا حالی سے ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد پھیلتے ہوئے سائنسی و عمرانی علوم اور بدلتے ہوئے سیاسی و معاشرتی حالات کے تحت حضور اکرم ﷺ کے بارے میں اظہار و بیان کے پیرائے اور اسلوب میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ اب نعت میں حضور اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ساتھ ایک انسانِ کامل کے طور پر آپ ﷺ کی بشری خصوصیات اور معاشرت و تمدن میں آپ ﷺ کے انقلاب آفریں اقدامات وغیرہ کے تذکار کو فروغ ملا۔ مولانا حالی کی مسدس میں اس اسلوبِ نعت کے اوّلین نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ حالی کے بعد تخلیقی اپج رکھنے والے معیاری نعت گو شعرا کے ذریعے اس اسلوبِ نعت کو فروغ ملا۔

جدید اسلوبِ نعت میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت و سوانح کو مستند حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلم بند کیا گیا، نیز پیامِ رسالت، مقصدِ رسالت اور تمدن و معاشرت پر آپ کے احسانات اور بنی نوع انسان کے لیے آپ کی تعلیمات پر مبنی ضابطۂ حیات کے تعارف و تذکار کی طرف توجہ دی گئی۔ جدید نعت گو شعرا کے ہاں محبتِ رسول ﷺ کی سرمستی اور آپ ﷺ کی مدح و توصیف کے ساتھ آپ ﷺ کی رسالت و بشریت کا زیادہ گہرے شعور سے مطالعہ نظر آتا ہے۔

اس اسلوبِ بیان میں زبان و بیان کی شائستگی اور فنِ نعت کی پوری نزاکتیں ملتی ہیں۔ موضوعات میں اضافہ کے ساتھ جدید دور میں نعت نئی اصنافِ شعر (آزاد نظم، معریٰ نظم وغیرہ) سے بھی روشناس ہوئی (اور بعض قدیم اصنافِ سخن خصوصاً مسمّط کی مختلف شکلوں کو بھی نعت گوئی

D:NaatRang-16
File: Riyaz-Majeed
Final

کے لیے استعمال کیا گیا)۔ یوں نعت کے ہیئتی دائرے کو بھی وسعت ملی۔ طویل نظموں اور کینٹو (Canto) کو بھی نعت کے موضوع کے بیان و اظہار کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ مختصر یہ کہ نعت کے جدید دور میں حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو عصری حوالوں سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ نعت میں فنی اور ہیئتی وسعت پیدا ہوئی۔

نوعی اعتبار سے ع س مسلّم کی ''کاروانِ حرم'' اس جدید اسلوبِ نعت سے تعلق رکھتی ہے۔ فکری اعتبار سے کاروانِ حرم کے مندرجات حقیقی تاریخی شہادتوں اور مستند حوالہ جات کا درجہ رکھتے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا صحت مند روایات کی روشنی میں بیان جدید دورِ نعت ہی کی عطا ہے جو نعت کو قدیم میلادناموں کے اسلوب سے جدا کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں لکھی جانے والی طویل نعتیہ کتابوں میں ''کاروانِ حرم'' واحد کتاب ہے جس میں اسنادِ روایات اور حوالہ جات کا مبسوط انداز میں خیال رکھا گیا ہے۔

جدید دورِ نعت میں لکھی جانے والی کتابی نعتوں میں ''فخرِ کونین'' (محشرؔ رسول نگری)، ''دارین'' (احسان دانش)، ''رحلِ نظر'' (مہدی نظمی)، ''صلصلۃ الجرس'' (عمیق حنفی)، ''فارقلیط'' اور ''منحمنّا'' (عبدالعزیز خالدؔ) اور اس انداز کی لکھی گئی طویل نعتوں یا یک کتابی نعتوں میں اسناد اور حوالہ جات کا وہ اہتمام نہیں جسے ''کاروانِ حرم'' میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ عبدالعزیز خالدؔ کے ہاں حواشی کی موجودگی متوسط ذہن کے قاری کے لیے زیادہ کارآمد نہیں۔ وہ اپنی نعت کے ذیل میں بعض اہم اشارات و مندرجات کا حوالہ تو دیتے ہیں مگر اردو میں اُس کا ترجمہ نہیں کرتے۔ یوں بیرونی زبانوں کی عبارتیں اردوداں طبقے کو اصل ماخذات تک پہنچنے میں معاون نہیں ہوتیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعد کے ایڈیشنوں میں حوالہ جات کا اہتمام برقرار نہیں رکھا گیا۔ عبدالعزیز خالدؔ کے علاوہ دوسری یک کتابی نعتوں میں اوّل تو حوالہ جات کو ملحوظ ہی نہیں رکھا گیا اور اگر کسی شاعر نے اپنے مندرجات کے ضمن میں حوالہ جات کی نشان دہی کی بھی ہے تو اس میں اختصار سے کام لیا ہے۔ حفیظؔ جالندھری کے ''شاہنامۂ اسلام'' کی طرح کہیں کہیں حاشیے میں قرآنِ کریم کی کسی آیتِ مبارکہ یا احادیث و کتبِ سیَر کا کوئی اہم حوالہ نقل کر دیا ہے، پوری کتاب یا نعتیہ نظم کے حوالہ جات کا تفصیلی گوشوارہ مرتب نہیں کیا اور نہ ہی اردو میں ایسے حوالوں کا ترجمہ کیا ہے۔

''کاروانِ حرم'' کو یہ فوقیت اور تخصص حاصل ہے کہ اس میں اظہار پذیر مضامین و موضوعات کے حوالہ جات کو باقاعدہ سائنٹفک انداز میں ایڈٹ کیا ہے۔ شاعر نے ایک ایک بند یا

مصرع کی نہیں بلکہ اکثر جگہوں پر ایک ایک لفظ کے ماخذ کی نشان دہی کی ہے۔ پھر صرف نشان دہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا حوالہ تلاش کیا ہے اور اسے نقل کرتے ہوئے اس کا ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ شاعر کے مرتبہ گوشوارے کے مطابق ''کاروانِ حرم'' کے دس سو پانچ (۱۰۰۵) اشعار میں تقریباً سولہ سو (۱۶۰۰) بار حوالے استعمال ہوئے ہیں۔ جملہ حوالے مع ذیل شمار چھ سو اڑسٹھ (۶۶۸) کے قریب ہیں۔ جن میں قرآنِ حکیم سے پانچ سو (۵۰۰)، احادیث سے چھیالیس (۴۶)، تاریخ و سیَر سے بیالیس (۴۲) اور دیگر کتب سے اسّی (۸۰) حوالے دیے گئے ہیں۔☆ شاعر نے نعت کے مندرجات کو اور حوالہ جات کی وضاحت کو الگ الگ حصوں میں رکھا ہے۔ اس تقسیم کا خوش گوار پہلو یہ ہے کہ اصل نعتیہ نظم حوالوں اور حواشی سے بوجھل نہیں ہوتی۔ قاری نظم کو اُس کے فطری تخلیقی بہاؤ میں پڑھتا چلا جاتا ہے اور اُسے بار بار حواشی میں اسناد و حوالہ جات ڈھونڈنے کی دقت پیش نہیں آتی۔ مصنف نے تمام حوالہ جات اور اُن کے تراجم کو کتاب کے دوسرے اور آخری حصے میں جمع کر دیا ہے۔ اگر قاری کسی مزید وضاحت کے لیے اُن سے استفادہ کرنا چاہے تو اس حصے سے رجوع کرسکتا ہے۔ ماخذات کے لیے متعلقہ الفاظ اور مصرع و اشعار میں حوالہ شماری کا سلسلہ موجود ہے، جو کتاب کے دوسرے حصے تک رسائی میں قاری کی رہنمائی کرتا ہے۔

''کاروانِ حرم'' میں حوالہ جات کے منضبط نظام کے موجودگی کے ساتھ (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے) استخراج کا اہتمام اس کتاب کی دوسری بڑی خوبی ہے۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے۔

''کاروانِ حرم'' میں ایک دعائیہ مقام پر مسلّم کہتے ہیں:

الٰہی تُو اُس دن مجھے بخش دے

بظاہر یہ ایک سیدھا سا دعائیہ اظہار ہے اور اس کے لیے کسی حوالہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مگر مسلّم اس اظہار کو بھی مستند اور معتبر بنانے کے لیے قرآنِ کریم سے اس دعا کا ماخذ تلاش کرتے ہیں اور سورۂ ابراہیم (۱۴:۴۰) کی متعلقہ آیت ''**ربنا اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب**'' ترجمہ: ''اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین اور اہلِ ایمان کی مغفرت فرما اُس دن کہ جب حساب و کتاب قائم ہو۔'' کا حوالہ دیتے ہیں۔

آپ اس سادہ سی مثالِ دعا سے اس بات کا اندازہ لگائیں کہ اگر انھوں نے اس کے

ذیل میں قرآنِ کریم سے رجوع کیا ہے تو سیرتِ طیبہ کے واقعات اور اسمائے النبی الکریم ﷺ کی وضاحت اور دیگر تاریخی واقعات و مضامین کے ذیل میں کن کن مصادر سے رجوع کیا ہوگا۔ شاعر کے تخلیقی ذہن پر اگرچہ حوالہ جات کی بکثرت نشان دہی اور تفحص و تلاش سے ان کا اندراج بڑا جان لیوا کام ہوتا ہے اور اس کی تخلیقی اپج، تحقیقی گھاٹیوں کی مسافت سے گریز رہتی ہے، مگر ع س مسلّم نے محنت، لگن، توجہ اور تحقیقی ذمہ داری کے ساتھ مابعد تخلیق کی فراغت میں ان حوالہ جات کو جمع کیا ہے اور پھر ایک ذمہ دار مرتب (editor) اور compiler کے طور پر انھیں سلیقے کے ساتھ ترتیب وار مربوط کیا ہے۔

یوں ''کاروانِ حرم'' کے تخلیق کار نے تحقیق و ترتیب کی ذمہ داری بھی بطریق احسن نبھائی ہے۔ ''کاروانِ حرم'' کے حوالوں کے ذیل میں اس امر کی نشان دہی ضروری ہے کہ یہ نہ تو قاری کو مرعوب کرنے کے لیے ہیں اور نہ ہی حوالہ شماری کا نظام، نظم کے فطری بہاؤ میں حارج ہوتا ہے۔ حوالہ جات کی موجودگی کا اہتمام جن دو بنیادی خطوط پر استوار ہے، اُن میں پہلی بات تو اسکالرشپ اور آتھنٹیسٹی (Authenticity) کی کوشش ہے... سرسری نہیں بھرپور کامیاب کوشش... کہ جو بات بھی کہی جائے۔ مستند حوالہ سے کہی جائے اور واقعات و روایات، کوائف، تاریخ اور سیرتِ طیبہ کے احوال و فضائل کے ذیل میں قرآن و احادیث اور کتبِ تاریخ و سیَر کے اصل ماخذات کی نشان دہی کی جائے اور دوسرے یہ کہ قاری کو اگر بعض مندرجات کے مطالعے میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے تو وہ متعلقہ لفظ یا موضوع کی مزید وضاحت اور تفہیم کے لیے اصل مصادر سے رجوع کر سکے۔

حوالہ جات کے لیے یہ دونوں بنیادی باتیں نہ صرف ''کاروانِ حرم'' کے لیے نیک فال اور مبارک ہیں بلکہ جدید اور نعت کے سفر میں بھی ایک اہم، معتبر اور تاریخ ساز موڑ کی نشان دہی کرتی ہیں۔

عصرِ حاضر میں لکھی جانے والی نعت بلاشبہ اپنے لکھنے والے سے حقیقت نگاری کے اسی بنیادی وصف کا تقاضا کرتی ہے جو وسیع مطالعہ، توجہ، لگن اور محنت کی عطا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نعتِ رسولِ اکرم ﷺ کے ذیل میں بے سروپا روایات کے اظہار کے بجائے تفحص و تحقیق، روایات و درایت اور اسناد و حوالہ جات کے معیار کو پیشِ نظر رکھا جائے اور نعت نگاری کے اصل سوتوں یعنی قرآن و احادیثِ رسولِ اکرم ﷺ کو جذبات و احساسات اور واردات و کیفیات کے

اظہار میں بطور مصادر اور منابع کے استعمال کیا جائے۔

واضح ہو کہ فنِ نعت گوئی کے لیے جذبۂ حبِ رسولِ اکرم ﷺ ایک بنیادی جوہر، داعیہ اور بیج کے مانند ہوتا ہے۔ یہ بیج قرآنِ کریم کے مضامین و ارشادات ہی کی زرخیزیوں میں پھوٹتا ہے۔ مستند احادیث اس کی آبیاری کرتی ہیں اور تاریخ و سیر کی معتبر کتابیں نخلِ نعت گوئی کو ہوائے تازہ عطا کرتی ہیں۔ نعت گوئی کی تاریخ کے ہر دور میں حقیقی نعت نگاری انھی شعرائے کرام کی ہے جنھوں نے نعت کہتے ہوئے نعت گوئی کے ان حقیقی منابع اور ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔

اس اعتبار سے ع س مسلّم مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ نعت گوئی کے اصل منابع سے بھرپور استفادہ کیا ہے بلکہ انھیں ایک شائستگی اور خوش سلیقگی سے شاملِ کتاب کرکے اپنے اظہار و بیان کو مستند، وقیع اور معتبر بنایا ہے، مگر یہ سعادت اور محنت ہر شاعر کے بس کی بات نہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ محنت ہی سعادت ہے، مگر بقولِ شاعر:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حاشیہ

☆۔ ''کاروانِ حرم'' کے جدید ایڈیشن مطبوعہ ٢٠٠١ء میں اشعار کی تعداد ١٤٩، ١ ہے۔ کل حوالے ٨١٧ ہیں جن میں سے ٦٢٧ قرآنِ کریم سے اور بقیہ احادیث، تاریخ و سیر، قدیم صحائف اور دیگر کتب سے لیے گئے ہیں۔ کل حوالے تقریباً ٢٢٠٠ بار استعمال ہوئے ہیں۔

D:NaatRang-16
File: Riyaz-Majeed
Final

پروفیسر قیصر نجفی۔ کراچی

''نعت کی تخلیقی سچائیاں''...فکر وفن کا چراغاں

عزیز احسن کی کتاب ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' کو ہم نے فکر وفن کا چراغاں کہا ہے۔ یہ ہم نے بغیر سوچے سمجھے (Indelibrately) نہیں، بلکہ بڑے تفکر کے بعد کہا ہے۔ بظاہر یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو مجلّہ ''نعت رنگ'' اور روزنامہ ''جسارت'' کے صفحات اور کالموں میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں، مگر درحقیقت ایک ایسی ادبی کہکشاں ہے، جس میں علم وفن اور نقد ونظر کے چراغ اس خوش سلیقگی سے روشن کر دیے گئے ہیں کہ چراغاں کا سا سماں پیدا ہوگیا ہے۔ ہمارا عزیز احسن سے تعارف ان کی تحریروں کے ذریعے ہوا ہے۔ جب کہ ان سے بالمشافہ ملاقات اور گفتگو کا ہمیں صرف ایک بار موقع ملا ہے۔ اوّلین ملاقات پر ہی ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ کے حرف میں روشنی ہے اور یہ بات ہم بالاعلان کہنے کو بھی تیار ہیں۔ بحمداللہ! آج ہمیں موقع میسر آیا ہے کہ اپنے قول کی صداقت کا علم بلند کریں اور بالاعلان کہیں کہ عزیز احسن کے حرف میں روشنی ہے۔ روشنی کے لغوی، استعاراتی، اصطلاحی یا سائنسی معانی و مفاہیم جو بھی ہوں، یہ امر مسلّمہ ہے کہ روشنی موجوداتِ عالم کو اس طرح عیاں اور نمایاں کر دیتی ہے کہ ان کی حقیقت و ماہیت سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی۔ اس اصول کا اطلاق جب ہم عزیز احسن کے قلم کی روشنی پر کرتے ہیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے فی زمانہ نعت کے حوالے سے بے خبری، کم علمی، بداعتقادی، کج فکری اور فن ناشناسی کے ظلمت آفرین ماحول میں نعت کی تخلیقی سچائیوں کو اس طرح اجاگر کیا ہے، جیسے گھٹاٹوپ اندھیروں میں جگنو اپنے وجود کا اعلان کرتا ہے۔

D:NaatRang-16
File: Qaisar-2
1st Proof

نعتیہ شاعری کے حوالے سے اپنے نظریۂ شعر کی وضاحت عزیز احسن نے ان الفاظ میں کی ہے، ''نعتیہ شاعری کے لیے میرا وجدان اور نظریۂ شعر، شعریت اور شریعت کے توازن کا

مظہر ہے۔'' شاید نعتیہ شاعری کے لیے اپنے اسی نظریۂ شعر کی بنا پر وہ آئے دن منظرِ عام پر آنے والی نعتیہ شاعری کے معیار سے غیر مطمئن اور نعت گو شعرا کے عمومی فکری رجحان سے شاکی ہیں، بلکہ وہ عام شاعری کو بھی فکری و نظری تصادم کے تناظر میں بے وقعت سمجھتے ہیں۔ وہ نعت کی صنفی، ادبی اور مذہبی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، ''میں نعت کو تنقید سے بالا صنفِ سخن تسلیم کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوں۔ نعت انسانی کوششوں سے وجود میں آتی ہے اور شاعری میں قطعیت کا عنصر کبھی بھی غالب نہیں رہا ہے۔ شاعری تو خیر شاعری ہے، وحیِٔ ربانی سے گریزاں کسی بھی علم کی حیثیت گمان سے زیادہ نہیں ہے۔'' گویا کوئی بھی علم ہو، عزیز احسن کے نزدیک، اگر اس میں قرآنی فکر کی جوت نہیں جگائی گئی ہے تو اس کی حیثیت ظن و تخمین اور گمان و قیاس سے بڑھ کر نہیں ہے۔ وہ علم و فن میں جذباتی رویے کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، یہی وجہ کہ جذبات میں ڈوبی ہوئی نعتوں کی اثر پذیری کے تو قائل ہیں، مگر انھیں معیاری قرار دینے پر ہرگز تیار نہیں ہیں۔ انھوں نے بڑی دردمندی سے نعت گو شعرا سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ حسیاتی، واقعاتی، لمحاتی، کیفیاتی اور وجدانی صداقتوں کو شعری قالب میں ڈھالنے کے عمل کو سہل نہ جائیں، کیوں کہ یہ عمل کوئی ایسا مشغلہ نہیں ہے، جسے من مانے طریقے پر اختیار کر کے جاری رکھا جائے۔

عزیز احسن کھلے ذہن، کشادہ دل اور وسیع ظرف کے قلم کار ہیں۔ علم پر کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ مشرق کی بھی اور نہ ہی وہ مشرقیت کا راگ الاپتے رہنے کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک حکمت خیر کثیر ہے، اسے کہیں سے بھی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ نقد شعر میں ہ بڑی عرق ریزی سے کام لیتے ہیں اور مشرق و مغرب دونوں مکاتب نقد و نظر سے استفادہ کرتے ہیں۔ ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' میں انھوں نے کئی مقامات پر مغربی مفکرین سے استشہاد کیا ہے اور تفہیم شعر کے چراغ روشن کیے ہیں۔

''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' کی دیپ مالا کے پہلے دو چراغ ''معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود'' اور ''نعت کا مقصدِ تخلیق'' ہیں۔ ان چراغوں کے ہالے میں نعت کو اس کے ادبی، لسانی، موضوعاتی، تاریخی، شعری اور شرعی تقاضوں اور مطالبوں کے جلو میں رکھا گیا ہے اور خصوصاً ادب کے دو معروف نظریات ''ادب برائے ادب'' اور ''ادب برائے زندگی'' کے تناظر میں نعت گوئی کا محاکمہ کرنے کی کاوش کی گئی ہے بلکہ نعت کے مقصدِ تخلیق کو علمی و فنی پس منظر کے ساتھ پیش کر کے اصلاحِ احوال کے لیے راستہ ہموار کیا گیا ہے۔ عزیز احسن خالصتاً ادبی ذہن کے مالک ہیں، وہ

بامقصد شاعری کے خوگر ہونے کے باوصف مقصدیت کو شعری حسن کے لیے سم قاتل تسلیم کرتے ہیں تاہم نعت کے حوالے سے مقصدیت پر وہ کسی قسم کا compromise کرنے پر راضی نہیں ہیں۔ ان کے بقول ''عمومی شاعری کے مافیہ، موضوع، نفسِ مضمون کی باریکی پر دھیان دینا اتنا اہم اور ضروری نہیں ہوتا ہے، جتنا نعتیہ شاعری کے مافیہ (content) پر غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے، کیوں کہ یہ شریعت کا معاملہ ہے۔'' بنابریں ان کے ذہن میں نعت کے جو مقاصد ترتیب پاتے ہیں، ان میں تبلیغ پیغامِ رسالت، تفہیم مقامِ رسالت، ترویج حبِ رسالت اور توسیع جذبۂ اخوت بین المسلمین نمایاں ہیں۔ یہ وہ مقاصد جلیلہ ہیں، جن کے ترفع کا ہر ذی علم و صاحبِ ایمان قائل ومعترف ہے۔

عزیزاحسن کے فکر وفن کا تیسرا چراغ ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' کے سرنامہ سے ایک عنواناتی مضمون ہے، جو ہمارے خیال میں گزشتہ دو مضامین کی توسیع ہے۔ اس مضمون میں عزیزاحسن نے بطورِ خاص نعت میں نظم کیے جانے والے تاریخی واقعات کے استناد پر زور دیا ہے۔ اس حوالے سے ان کا خلوصِ نیت اپنی جگہ، لیکن سوال اٹھتا ہے کہ استناد کی کسوٹی کیا ہے۔ کیوں کہ ملتِ اسلامیہ نے اپنی صفوں میں اندرونی طور پر جس نوع کی تفریق، نفاق اور تفرقہ کو در آنے کی اجازت دی ہے، اس کے پیشِ نظر الگ الگ کتبِ تواریخ مرتب وتحریر ہوئی ہیں۔ نتیجتاً ایک تاریخ میں کسی واقعہ کی تفصیل و جزئیات کچھ اور ہیں اور دوسری تاریخ میں اُسی واقعہ کا احوال و بیان کچھ اور ہے۔ البتہ عزیزاحسن کے اس موقف کی ہم بھرپور تائید کرتے ہیں کہ بیش تر نعت گو شعرا کو تاریخی واقعات کا ان کے حقیقی پس منظر کے تحت ادراک کم ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ دراصل وہ شعرا حضورِ اکرم ﷺ سے متعلق تاریخی واقعات کو ویسے نہیں دیکھتے، جیسے وہ ہیں، بلکہ ایسے دیکھتے ہیں، جیسے وہ دیکھنا چاہتے ہیں یا پھر اپنے اپنے عقائد کی عینک لگا کر تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ایسے نعت گو تاریخی واقعات کے استناد کی اہمیت سے نابلد و بے بہرہ ہوتے ہیں۔

''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' کا چوتھا چراغ ''غالب کی اردو شاعری میں مضامین نعت کا فقدان'' کے عنوان سے جگمگا رہا ہے۔ یہ مضمون پڑھنے کے بعد اس حقیقت کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ عزیزاحسن کی تاریخ ادب اردو پر گہری نظر ہے۔ کہیں کہیں تو اردو زبان و ادب کے حوالے سے ان کی آگہی متحیر کن ہے۔ ہمارے خیال میں اگر وہ شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہوتے تو اردو

کے بے بدل استاد ثابت ہوتے۔ ہمیں ان کے تبحرِ علمی پر رشک آتا ہے۔ انھوں نے غالبؔ کی اردو شاعری میں مضامین نعت کے فقدان کا جو نعرہ بلند کیا ہے وہ قرینِ حقیقت ہے۔ غالب کی غزلوں میں حمدِ خدا، نعتِ رسول ﷺ اللہ منقبتِ علی مرتضیٰؓ کا جو ایک آدھ شعر ملتا ہے یا جناب امیر علیہ السلام کی شان میں جو قصائد انھوں نے کہے ہیں، ان کی اساس خالصتاً عقیدت مندی پر رکھی ہے۔ ورنہ غالب مذہبی شاعری کے مردِ میدان نہیں تھے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ احباب کے اصرار وفرمائش پر انھوں نے مرثیے میں بھی طبع آزمائی کی تھی، مگر دو چار بند لکھنے کے بعد انھوں نے مرثیہ نگاری کے بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیا تھا۔ البتہ عزیز احسن کے اس قول پر ہم صاد نہیں کر سکتے کہ ''خالص اردو شاعری کے معاملے میں ذوقؔ، غالبؔ سے بہت آگے تھا۔ دونوں سہروں کو پڑھ کر اس بات کی صداقت پر یقین ہو ہی جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غالبؔ کے لیے خالص اردو میں (ترسیل خیال اور اپنی فکر کے بھرپور ابلاغ کے شعور کے ساتھ) شاعری کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ شاید اس کم زوری کو چھپانے کے لیے اس نے یہ کہا تھا:

فارسی میں تا بہ بینی نقش ہائے رنگارنگ
بگزر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

مزید برآں ان کے اس خیال کی بھی ہم تائید نہیں کر سکتے، جس کا اظہار انھوں نے حواشی میں کہا تھا، ''اس سہرے میں وارد ہونے والی تعلّی کے جواب میں ذوقؔ نے سہرا کہا تھا اور غالبؔ نے وہ مشہور معذرت نامہ لکھا تھا، جس میں یہ شعر تھا:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

عزیز احسن نے غالبؔ کے معذرت نامے کا حوالہ مولانا محمد حسین آزادؔ کی ''آبِ حیات'' سے دیا ہے۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ مولانا آزادؔ اپنی تمام تر زرخیزیٔ ذہن، رفعتِ تخیل اور اعلیٰ پایہ کی انشاپردازی کے باوصف ایک ثقہ ومعتبر تاریخ نویس یا تنقید نگار تسلیم نہیں کیے گئے ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے ''آبِ حیات'' میں بیش تر واقعات کسی تحقیقی کاوش و استناد کے بغیر درج کیے ہیں اور سنی سنائی باتوں پر زیادہ اکتفا کیا ہے، بلکہ اکثر مقامات پر صریحاً جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ خصوصاً غالبؔ اور ذوقؔ کے معاملے میں انھوں نے ناانصافی سے کام لیا ہے اور اپنے استاد اور والد کے دوست ذوقؔ کو غالبؔ سے بہتر شاعر ثابت کرنے کی سعیٔ موہوم کی ہے۔

انھوں نے غالبؔ کی جس غزل کو معذرت نامہ قرار دیا ہے وہ درحقیقت اس شکایت کا جواب ہے، جو ذوقؔ نے بہادر شاہ ظفرؔ کے حضور کی تھی اور الزام لگایا تھا کہ سہرے کے مقطع میں غالبؔ نے ان پر چوٹ کی ہے۔ غالبؔ چوں کہ ذوقؔ کی طرح شاعری ہی کو باعثِ اعزاز و افتخار نہیں سمجھتے تھے، لہٰذا اس الزام کو پہلے تو یہ کہہ کر رد کیا کہ:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

پھر یہ شعر لکھ کر واضح کر دیا کہ مقطع میں محض ایک سخن گسترانہ بات ہے اور روئے سخن کسی کی طرف نہیں ہے:

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

ہمارے خیال میں غالبؔ کی یہ غزل نہ تو معذرت نامہ ہے اور نہ ہی اس کے کسی شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے سہرے کے مقابلے میں ذوقؔ کے سہرے کو بہتر تسلیم کیا ہے۔ یاد رہے کہ ذوقؔ معاصرانہ چشمک کا اس حد تک برا مناتے تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر غالبؔ کی بہادر شاہ ظفر سے شکایت کر دیتے تھے۔

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا

والے واقعے سے بھی اہلِ علم واقف ہوں گے۔

عزیز احسن نے مولانا آزادؔ کے اتباع میں غالبؔ کو صرف ذوقؔ سے کم تر اردو شاعر قرار نہیں دیا ہے بلکہ اردو شاعری کو ان کی بساط سے باہر کہا ہے۔ جہاں تک غالبؔ بحیثیت ایک اردو شاعر اور غالب بحیثیت ایک فارسی شاعر کی بحث کا تعلق ہے تو یہ ایک طویل مدت سے اہلِ علم کے درمیان جاری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ غالبؔ اپنی فارسی شاعری کو مقابلتاً بہتر تصور کرتے تھے:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگارنگ
بگزر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

اس بات کی ہم بھی تائید کرتے ہیں، اس شعر میں غالبؔ بمقابلہ غالبؔ ہے۔ لیکن جہاں تک دوسرے شعرا کا تعلق ہے تو انھوں نے صرف میر تقی میر کو، وہ بھی اپنے برابر کا استاد تسلیم کیا:

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

البتہ دیگر شعرا بالخصوص اپنے معاصرین کے مقابلے میں غالبؔ خود کو نہ صرف بہتر بلکہ منفرد شاعر قرار دیتے ہیں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

اہلِ علم یہ بھی جانتے ہیں کہ زبان کے شاعر کی نسبت فکر کے شاعر کی ہمیشہ زیادہ پذیرائی ہوئی ہے۔ علامہ اقبال، زبان کے ایک بڑے شاعر مرزا داغ دہلوی کے شاگرد تھے، مگر جو شہرت و عظمت اقبال کو نصیب ہوئی ہے اس کا عشرِ عشیر بھی داغؔ کے حصے میں نہیں آیا ہے۔ جب کہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ اقبالؔ کی شعری زبان کو اہلِ زبان اردو تسلیم کرنے میں متامل ہیں۔ بلاشبہ غالبؔ کی مفرس اردو نے ابتدا میں ان کے کلام کو مبہم اور دور از کار بنا دیا تھا، مگر بعد کے کلام میں انھوں نے آسان زبان استعمال کر کے ابلاغ و ترسیلِ افکار کو اس قدر سہل کر دیا کہ وہ اپنی مثال آپ ٹھہرا۔

عزیز احسن کے فکری و فنی چراغاں کا پانچواں چراغ ''ردیفوں کے مثبت استعمال کی تحریک'' کے عنوان سے جگ مگ جگ مگ کر رہا ہے۔ اس مضمون کا آغاز ردیف کے حوالے سے معنی آفرین بحث سے کیا گیا ہے۔ یہ بحث اپنے دائرے میں تحقیقی و تنقیدی ہر دو مزاجوں سے ہم آہنگ ہے اور ردیف سے متعلق فنی معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ زیرِ تبصرہ مضمون میں دبستانِ وارثیہ ''ندرت ردیف'' کی روایت کے احیا کی تحریک کو بجا طور پر سراہا گیا ہے، جسے معروف نعت گو شاعر قمر وارثی گزشتہ تقریباً ایک دہائی سے فروغِ نعت کے سلسلے میں بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں۔

چھٹا چراغ ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی کے نعتیہ مجموعے ''نسبت'' کے رنگ و نور سے معمور ہے۔ ''نسبت'' کو عزیز احسن نے لطیف جذبات و احساسات کا مرقع قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک ''نسبت'' کشفی صاحب کے جذبات و احساسات کا ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے ایمان و ایقان کی بھی تفسیر و تعبیر کرتا ہے۔ جناب کشفی رسولِ مقبول ﷺ کے عاشقِ صادق ہیں، مگر ان کا عشق اپنی انتہاؤں پر بھی عشق ہی رہتا ہے، کسی قسم کی جنوں خیزی پر منتج نہیں ہوتا۔ وہ بہ قائمیِ ہوش و حواس جذب و کیف کے مراحل طے کرتے ہیں اور فنا فی الرسول ﷺ ہونے کے بعد صدق و صفا، اندازِ حیا، حرفِ دعا، انوار و ضیا، فکرِ رسا اور نورِ خدا کے اسرار و رموز کھولتے چلے جاتے

ہیں۔ ان کا کلام ''با محمد ﷺ ہوشیار'' کی مکمل اور جامع تفسیر ہے۔ ''نسبت'' کے حوالے سے شاعر کے بارے میں ہم عزیز احسن کی اس رائے پر صاد کرتے ہیں۔ ''نسبت کی شاعری پڑھ کر ایک تمنا جنم پاتی ہے کہ کاش! شاعر بالقصد شعر کہنے کی طرف مائل ہوتا! ایسا کرنے سے وہ شاعری کی دنیا میں اس سے کہیں زیادہ معروف ہوتا جتنا معروف وہ اپنی مختلف الجہات خدمات کے حوالے سے آج ہے۔''

ساتواں چراغ ''ثنائے محمد ﷺ'' اور آٹھواں چراغ ''ارمغانِ حافظ... ایک جائزہ'' کے عنوانات سے روشن ہیں۔ ''ثنائے محمد ﷺ'' ایاز صدیقی کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ جس میں شامل سب کی سب نعتیں غالبؔ کی منتخب غزلوں کی زمینوں میں ہیں۔ تمہیدی کلمات کے بعد عزیز احسن نے نعت کے تخلیقی سرمائے پر بڑا صائب تبصرہ رقم کیا ہے اور بجا طور پر یہ کہا ہے کہ ''بیشتر شعرا عام شاعری میں جو اسلوب (style) اپنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ وہ حمد و نعت میں اپنے اس تخلیقی رویے کو برقرار نہیں رکھ پاتے۔'' عزیز احسن کا یہ کہنا کہ نعت کے حوالے سے تخلیقی کم مائیگی کا احساس غالبؔ کو بھی تھا، بے حد قرینِ قیاس ہے۔ بے شک بقولِ عزیز احسن ایاز صدیقی کو غالبؔ کی شعری کائنات کا عرفان ہے اور انھوں نے نعت کے لوازم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے موضوع و معروض کی ہم آہنگی سے فن اور عقیدت کی ایک ساتھ جوت جگائی ہے۔

کلاسیکی روایت کے امین حافظ عبدالغفار حافظ کے نعتیہ کلام پر عزیز احسن نے ایک سیر حاصل مگر نہایت پُر مغز مضمون سپردِ قلم کیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے حافظ کی نعت گوئی کی تمام تر جہات کا فنی بصیرت کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ حافظ کی اساتذہ کی زمینوں پر نعتیں، سہلِ ممتنع میں اشعار اور تضمینیں قابلِ تعریف ہیں، جن کا عزیز احسن نے دقتِ نظر سے جائزہ لیا ہے۔

عزیز احسن کا نواں چراغ ہمہ رُخ روشن و مستنیر ہے اور اپنے موضوع ''نعتِ نبی ﷺ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں'' کے گرد روشنی کے ہالے کی طرح محیط ہے۔ ہر چند یہ موضوع ہر دور اور ہر زمانے میں اہم متصور ہوا ہے۔ مگر سچ پوچھیے تو گزشتہ دہائی کے دوران میں اسے درخور اعتنا سمجھا گیا ہے۔ خصوصاً ''نعت رنگ'' نے اس موضوع کی اہمیت کا احساس پوری قوت سے اجاگر کیا ہے، بلکہ نعت پر باقاعدہ تنقید کا شعور بیدار کیا ہے۔ ''نعت رنگ'' کی تحریک پر نقدِ نعت کی طرف جو اہلِ قلم متوجہ ہوئے، عزیز احسن ان قلم کاروں کے ہراول دستے میں شامل ہیں۔ عزیز احسن کی نعت فہمی قابلِ رشک ہے۔ انھوں نے نعت کے تخلیقی تقاضوں، فنی مطالبوں اور لسانی

D:NaatRang-16
File: Qaisar-2
1st Proof

ضرورتوں پر جس فکری گہرائی اور علمی وسعت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں۔ عزیزاحسن خالصتاً علمی و ادبی انسان ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں اعتقادی اختلافات و تفرقات کو در آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک نعت جزو ایمان ہونے کے باوصف ایک صنفِ سخن ہے اور جس کی جانچ اور پرکھ ادبی کسوٹی پر کی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ البتہ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنے کے وہ سخت مخالف ہیں۔ انھوں نے زیرِنظر مضمون میں عالمانہ انداز میں محلِ نظر نعتیہ اشعار کی گرفت کی ہے اور ایک ماہر لسانیات کی طرح الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معانی و مفاہیم سے بحث کی ہے اور درست طور پر تسامحات کی نشان دہی کی ہے۔ ان کا یہ مضمون وقت کی ایک اہم ضرورت کے طور پر سامنے آیا ہے۔

عزیزاحسن کا دسواں اور آخری چراغ دراصل ایک مقالہ ہے، جس میں پاکستان میں اردو نعت کے نصف صدی کا سفر اپنے تمام تر پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ نظرنواز ہوا ہے۔ یہ ایک مختصر لیکن جامع تذکرہ ہے، جو گزشتہ نصف صدی کے دوران میں ادبی افق پر ابھرنے والے نعت گوشعرا کا فنی تعارف پیش کرتا ہے۔ اس مقالے میں عزیزاحسن کی تحقیقی استعداد و صلاحیت اور تنقیدی درک و قابلیت عروج پر ہے۔ تذکرہ نگاری کا ایسا بے لاگ انداز بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' کا حاصلِ مطالعہ اجمالی طور پر ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ عزیزاحسن کو نعت اور نعتیہ ادب سے فطری مناسبت ہے، تنقید ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے، تحقیق ان کی طبعی افتاد اور مطالعہ ان کی فطرتِ ثانی ہے۔ زیرِنظر کتاب نعت کے میدان میں ان کی تحقیقی، تنقیدی اور علمی استعداد کا نقشِ ثانی ہے، جو نقشِ اوّل کی طرح ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

پروفیسر قیصر نجفی۔ کراچی

''نعت اور آدابِ نعت'' پر ایک نظر

''نعت رنگ'' نعتیہ ادب کا ایک ایسا کتابی سلسلہ ہے، جسے اہلِ علم و دانش کے لیے ہم ایک نعمت غیر مترقبہ تصور کرتے ہیں۔ خصوصاً نعت پر اعلیٰ سطح کے تحقیقی و تنقیدی کام کا باقاعدہ آغاز کرکے اس کتابی سلسلے نے ایک ایسا انقلاب آفرین کارنامہ سرانجام دیا ہے، جس کی جتنی تحسین کی جائے کم ہے۔ بحمداللہ! اس امر کا اب قوی امکان ہے کہ ''نعت رنگ'' جس وافر کمیت و اعلیٰ کیفیت کا نعتیہ ادب پیش کر رہا ہے، اس کی بدولت جلد نعت کے سر پر ایک باقاعدہ صنفِ سخن کا تاج رکھ دیا جائے گا۔ ہم ''نعت رنگ'' کو اس کامیابی و سرخ روئی پر پیشگی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

''نعت رنگ'' کے تاحال ۱۵ شمارے زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکے ہیں، جو اپنی علمی و ادبی، مذہبی و تاریخی اور تحقیقی و تنقیدی اہمیت و افادیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں اور جناب صبیح رحمانی مرتب ''نعت رنگ'' کی نعتِ رسولِ مقبول ﷺ سے والہانہ عقیدت اور دیوانہ وار وابستگی کے کاشف ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے مستقل لکھاری عقائد و نظریات میں بعد کے باوجود ایک ہی خاندان کے افراد کی شکل اختیار کرچکے ہیں۔ وہ سب کے سب اپنے اپنے مقام پر نہ صرف ''نعت رنگ'' سے ایک خصوصی نوعیت کا تعلق و رشتہ رکھتے ہیں، بلکہ ''نعت رنگ'' کے صفحات کے ذریعے ایک دوسرے سے بھی ربط قائم کیے ہوئے ہیں۔ اس ربط و انسلاک کی بہترین مثال وہ مکتوبات ہیں، جو ہر شمارے میں شاملِ اشاعت ہوتے ہیں اور جن میں مکتوب نگار شماروں کے مشمولات پر نہایت ذوق و شوق سے تبصرہ آرائی کرتے ہیں۔ ان مکتوب نگاروں میں سرِفہرست علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی ہیں۔ علامہ موصوف ایک عالمِ بے بدل اور فاضلِ اجل ہیں۔ ان کے

تبحرِ علمی کا اندازہ لگانے کے لیے ذہن و نگاہ میں بحر کی سی وسعت اور گہرائی درکار ہے۔ وہ ایک بے نظیر صاحبِ قلم اور بے عدیل خطیب ہیں۔ جب لکھتے ہیں تو موتی جڑتے ہیں، بولتے ہیں تو پھول جھڑتے ہیں۔ فی زمانہ تحریر و تقریر میں ان جیسا یکتائے روزگار خال خال دیکھنے کو ملتا ہے۔ بلاشبہ ان کے مکتوبات نے ''نعت رنگ'' کے معیار و وقار میں معتدبہ اضافہ کیا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے مکتوبات ''نعت رنگ'' کے Saliant Features میں سے ایک ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کسی خالص مذہبی شخصیت سے دین سے متعلق افکار و اذکار کی کماحقہ تفہیم و بصیرت کی توقع تو کی جاسکتی ہے، لیکن دیگر دنیوی علوم و فنون پر مکمل دسترس کی اس سے اُمید کم ہوتی ہے۔ مگر علامہ کوکب نورانی اس حوالے سے ایک استثنا کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔ ان کا دینی علم متحیر کن ہے اور دیگر علوم خصوصاً تحقیق، نقد و نظر، تاریخ، لسانیات، منطق، شعر و ادب وغیرہ پر ان کا عبور قابلِ رشک ہے۔ ان کے مکتوبات علم و آگہی کے ایسے سوتے ہیں، جو جب پھوٹتے ہیں تو ذہنوں کو تر و تازہ اور روحوں کو شاداب کر دیتے ہیں۔ ان کے قلم میں سیلِ رواں کی روانی اور فکر میں اسپ اصیل کی جولانی ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذات والا صفات سے ان کی محبت وعقیدت مثالی ہے۔ ایسا شیدائے رسول ﷺ آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا ہے۔ ان کا تمام تر علم و عمل سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کی معرفت سے عبارت ہے۔ انھوں نے اپنے قلب و ذہن و روح کی عشقِ نبی ﷺ سے تہذیب کی ہے۔ یہ عشق ایسی جنوں خیزی کا مظہر ہے، جس پر تعقل و خردمندی بصد عجز و نیاز نثار ہونے کو مضطرب و بے تاب رہتی ہے۔ حضرت علامہ کے ہاتھ میں قلم کی صورت میں چراغِ مصطفوی ﷺ ہے اور چراغِ مصطفوی ﷺ ازل سے تا امروز شرارِ بولہبی سے ستیزہ کار رہاہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ مولانا سنِ شعور سے لحۂ موجود تک تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ میں ہم تن و ہمہ وقت مصروفِ عمل ہیں۔ گستاخانِ رسول ﷺ سے پیکار ان کا نصب العین حیات ہے۔ شاتمِ رسول ﷺ کو ہر روپ اور ہر بہروپ میں پہچان لینا ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ ہمیں اطمینان ہے کہ جب تک قبلہ نورانی اوکاڑوی جیسے عاشقانِ محمدِ عربی ﷺ موجود ہیں، کوئی تسلیمہ یا سلمان رشدی اپنی سانسیں بحال نہیں رکھ سکتا۔

علامہ کوکب نورانی کی ''نعت رنگ'' سے وابستگی تقریباً اتنے ہی سن و سال سے ہے، جتنے سن و سال کا ''نعت رنگ'' ہے۔ ان کا پہلا مکتوب ١٩٩٥ء میں ''نعت رنگ'' کے دوسرے شمارے کی زینت بنا۔ جو صبیح رحمانی صاحب مرتب ''نعت رنگ'' کی گزارشات کا ایک کرم گسترانہ

جواب تھا۔ تب سے اب تک کرم گستری کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جاری و ساری رہے گا۔ ''نعت اور آدابِ نعت'' میں ان مکتوبات کو یک جا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ یہ مکتوبات ''نعت رنگ'' کے غالباً تیرہ شماروں کے مشمولات کے حوالے سے یکے بعد دیگرے رقم کیے گئے ہیں۔ ان مکتوبات میں علامہ صاحب نے علمی موشگافیوں، ادبی نکتہ سنجیوں، فقہی دقیقہ رسیوں، اعتقادی نزاکتوں بالخصوص قرآن فہمی اور حدیث آگاہی کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا ہے کہ حق شناس قاری عش عش کر اٹھتا ہے۔ بظاہر حضرت مولانا کا ہر مکتوب نعت اور آدابِ نعت کے حوالے سے مباحث پر مبنی ہے، مگر درحقیقت ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے، جس میں حضورِ اکرم ﷺ کی نورانیت و بشریت، شانِ بعثت، مقامِ رسالت، ان کی حیات بعدالموت، اقسامِ حدیث و اصول حدیث، علم القرآن، صرف ونحو، الفاظ کے مخرج و معانی (خاص کر لفظ خدا کے بارے میں کافی و شافی تحقیق)، حمد، نعت، منقبت کے آداب اور نقدِ نعت کے حوالے سے مواد براہین و شواہد کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ اوکاڑوی صاحب کے طرزِ نگارش اور اندازِ بیان کی نمایاں خوبی فلسفیانہ تجزیہ اور منطقی استدلال ہے۔ بقول ان کے ''اختلاف برائے اختلاف سے مجھے بحمداللہ کوئی علاقہ نہیں۔'' ہم ان کے اس قول پر صاد کرتے ہیں اور بطورِ مثال مکتوبِ ہشتم سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ظہیر غازی پوری نے ص۱۲۵، ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۱ میں جو شعر اس حوالے سے نقل کیا ہے، اس بارے میں انھوں نے علمائے دین کے جوابات شاید ملاحظہ نہیں فرمائے۔ علامہ اقبالؔ کے شعر پر انھوں نے ڈاکٹر محمد حسن کے تحریر کردہ اعتراض کو نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں، علامہ اقبال کا یہ شعر:
>
> غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
> نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ
>
> اُن کے بدعقیدہ ہونے کی کھلی علامت ہے۔ کیوں کہ انھوں نے حسین ابن علیؓ کا نام پیغمبر ﷺ کے ساتھ لیا اور دونوں کو برابر مقام دیا ہے۔
>
> (بحوالہ ماہنامہ ''شاعر'' اقبال نمبر، ص۱۰۱)

ڈاکٹر محمد حسن صاحب کو خود اپنا نام یاد نہیں رہا، ان کے والد نے بھی لفظ ''حسن'' معناً

D:NaatRang-16
File: Qaisar-1
Final

نہیں نسبتاً ہی رکھا گیا۔ یوں ان کے اپنے نام میں بھی پیغمبر ﷺ کے نام کے ساتھ ہی حضرت سیّدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا نام موجود ہے۔ اس بارے میں وہ کیا فرمائیں گے۔

علامہ اقبال نے تو یہ بھی فرمایا ہے:

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید

ایں دو قوت از حیات آید پدید

اس بارے میں ڈاکٹر محمد حسن صاحب کیا فرمائیں گے؟ علم و فہم میں نقص یا عدم توازن ہو تو اعتراض ہوتا ہے۔ برابر مقام محض ڈاکٹر صاحب کی ذہنی اختراع ہے۔ ورنہ برابری واضح فرمائیں۔

مکتوب نہم میں افراد و اعمال سے استعانت و استمداد کے حوالے سے پروفیسر اقبال صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مولانا نے علم و آگہی و دلائل و براہین کے جو دریا بہائے ہیں، ان سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ موضوع کی مناسبت سے قرآن و حدیث کے حوالہ جات کے بعد انھوں نے حضرت شیخ سفیان ثوریؒ اور دیگر علما کی جن آرا کا ذکر کیا ہے، وہ قابلِ توجہ ہیں۔

> مولانا نورانی صاحب کے مکتوبات کے مطالعے کے دوران میں ہم پر اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ وہ یہ مکتوبات قلم برداشتہ لکھتے رہے ہیں۔ شاید ایک تو عدیم الفرصتی دوسرے کوئی ٹھوس نوعیت کام کرنے کا خیال ہمیشہ ان کی مکتوب نگاری کے آڑے آیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنے ایک حبیب مکرم پیرزادہ علامہ اقبال احمد صاحب کے مشورے کا ذکر بھی کیا ہے۔ ''وہ مجھے فرماتے ہیں کہ ان تحریروں کی اہمیت اپنی جگہ، تم نے مستقل کتابیں جو شروع کر رکھی ہیں، ان پر زیادہ توجہ دیا کرو۔''

ہمارے خیال میں اوکاڑوی صاحب ''نعت رنگ'' کو لکھے گئے مکتوبات کے ذریعے جو علمی، ادبی اور دینی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ کسی مستقل کتاب کی اہمیت و افادیت سے کسی طرح کم درجے کی نہیں ہے۔ خدانخواستہ اگر انھوں نے کسی وجہ سے یہ در فیض بند کر دیا تو قارئین ''نعت رنگ'' کی انتہائی بدقسمتی ہوگی۔

ہمارے علم کے مطابق ''نعت رنگ'' کا اجرا کسی مخصوص مسلک کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا کسی قلم کار کا بالاعلان اپنے مسلک کی حقانیت پر اصرار کرنا ''نعت رنگ''

کے اساسی اصولوں کے خلاف ہے۔ بلکہ مرتب کی غیرجانب داری کو متنازع فیہ بنانے کے مترادف ہے۔ حضرت مولانا کوکب نورانی کے بعض ایسے جملے بھی ہمارے مطالعے میں آئے ہیں، جو''نعت رنگ'' اور اس کے مرتب کی Neutrality کو مجروح کرتے ہیں۔ ان کی اپنے مسلک کے حوالے سے خوش اعتقادی سر آنکھوں پر، لیکن غیرارادی طور پر بھی اسے مسلط کرنے کی کاوش قابلِ رشک نہیں ہے۔ بلاشبہ مولانا صاحب کو اپنا موقف بیان کرنے کا سلیقہ ہے۔ مگر موقف کی اصابت و صلابت کا یک طرفہ اعلان ہمارے نزدیک محلِ نظر ہے۔

D:NaatRang-16
File: Qaisar-1
Final

عزیز احسن۔ اسلام آباد

''سفیرِ نعت'' کا محسن کاکوروی نمبر

نعتیہ شعری تخلیقات تو اردو کی پیدائش کے وقت سے ہی اس زبان کے ادب کا حصہ بنتی رہی ہیں لیکن نعتیہ شاعری کا تنقیدی، تحقیقی اور تاریخی جائزہ لینے کا خیال اہلِ علم و تحقیق اور صاحبانِ نقد و نظر کو چودھویں صدی ہجری کے آخری عشرے میں یعنی بیسویں صدی عیسوی کی تین چوتھائیاں گزرنے کے بعد آیا۔

نعتیہ ادب کے افق پر تنقید کا ستارہ طلوع ہوئے تو ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔ تاہم یہ بات قابل اطمینان ہے کہ ''نعت رنگ'' کے اجرا سے نقد و نظر کے دروازے کھلے تو اس موضوع پر کتابیں بھی منصۂ شہود پر آنے لگیں اور نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کی ترویج و اشاعت کے لیے کتابی سلسلے بھی جاری ہونے لگے۔

''سفیرِ نعت'' بھی ایک ایسا ہی کتابی سلسلہ ہے جو نعتیہ موضوعات پر قابلِ قدر مضامین کی اشاعت کا ذریعہ بن رہا ہے۔ ''سفیرِ نعت'' کا یہ چوتھا شمارہ ہے جسے کتابی سلسلے کی مناسبت سے چوتھی کتاب کہا گیا ہے۔ اس کتاب کے مرتب ''آنکھ بنی کشکول'' کے شاعر اور ''منہاج العقائد'' کے مصنف جناب آفتاب کریمی ہیں۔ آنکھ بنی کشکول چوں کہ کریمی صاحب کا نعتیہ مجموعۂ کلام ہے اس لیے نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت کی سعادت ''سفیرِ نعت'' کی اشاعت کی صورت میں بھی انھیں کے حصے میں آئی ہے۔

''سفیرِ نعت'' کی یہ چوتھی کتاب نعت کے پہلے فن شناس اور ادب آگاہ شاعر محسن کاکوروی کے شاعرانہ مرتبے کے تعین اور ان کی نعتیہ تخلیقات کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے پر مبنی مضامین پر مشتمل ہے۔

''سفیرِ نعت'' کے محسن کاکوروی نمبر میں اکیس مضامین ہیں جن میں اکثر مختلف کتب یا رسائل سے منتخب کرکے اور چند لکھوا کر یک جا کردیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں محسن کاکوروی کے فن، شعری اسلوب، طرزِ ادا، نعت کے موضوعات کا استنادی درجہ اور محسن کی والہانہ عقیدت اور جذبے کی صداقت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

لکھنے والوں میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، محمد حسن عسکری، صلاح الدین، مولانا عبداللہ عباس ندوی، کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر سیّد یحیٰ احمد ہاشمی، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر نورالحسن، ڈاکٹر سیّد محمد عقیل، معین الدین حسن کاکوروی، محمد عبدالمقیت شاکر علیمی، حکیم عبدالقوی دریاآبادی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر ریاض مجید، پروفیسر خالد بزمی، راجا رشید محمود، اقبال صدیقی، اخلاق حسین عارف اور سردار اختر بانو کے نام شامل ہیں۔

مضامین چوں کہ بیش تر محسن کے فن اور نکاتِ سخن سے متعلق موضوعات پر ہیں اس لیے بعض جگہ تکرار اور توارد کا تو احساس ہوتا ہے لیکن لکھنے والوں کی نکتہ آفرینیوں کے باعث ان مطالعات کی گہرائی اور گیرائی دل موہ لیتی ہے اور تکرار معنوی ایک حسنِ معنوی سے مملو نظر آتی ہے۔ تقریباً تمام مضمون نگار اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ لکھنوی دبستانِ شاعری کی ٹھٹھول بازی کو معنوی حسن اور دینی تقدس دے کر محسن نے رعایتِ لفظی، صنعت نگاری اور انبساط آمیز طرزِ شاعری کو بھی ایک اعلیٰ سنجیدگی سے ہم کنار کردیا ہے اور اس طرح ان کا اسلوب خود انھوں نے اتنے بلند مقام پر پہنچادیا ہے کہ اس سے بلند سطح پر جانا کسی اور شاعر کے لیے ممکن نہیں رہا۔

''سفیرِ نعت'' میں شامل تمام ہی مضامین بڑے اہم ہیں۔ تاہم حوالوں کی کمی بڑی کھٹکتی ہے۔ کاش ان مضامین کے ساتھ مآخذ بھی درج کردیے جاتے!

محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری، ان کے عہد، ان کے زمانے کی لکھنوی شاعری کے اسلوب اور اس اسلوب اور طرزِ ادا کی مصنوعیت کے پس منظر میں ان کی انفرادیت جاننے کے لیے اس کتابی سلسلے کا مطالعہ از بس ناگزیر ہے۔

اوصافِ احمد۔ جدہ، سعودی عرب

میثاق... عقیدت و حبِ رسول ﷺ کا نیا عہد نامہ

مشرق زبانوں میں نعتِ رسول ﷺ اس روایت کا سلسلہ ہے جس کا آغاز صبحِ اسلام میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کے کلام کے ذریعے ہوئے۔ عربی، فارسی اور ترکی جیسی ممتاز اور توانا زبانوں میں یہ روایت پروان چڑھی، ان زبانوں میں، زمانی اعتبار سے، سب سے کم سن ہونے کے باوجود، اردو نے اس روشن روایت کو اپنے جسم و جان کا پیرہن بنایا۔ چناں چہ اردو میں بھی اس روایت کی روشنی اور تابانی ان دوسری زبانوں سے کی طرح کم نہیں بلکہ اردو میں نعتیہ شاعری کی تاریخ خود اردو کی تاریخ سے کسی طرح کم نہیں کہ اردو شاعری کے بیشتر اوّلیں نمونوں میں حمد و نعت کے نمونے بھی مل جاتے ہیں۔ غالباً ایک مختصر سے دور کے استثنا کے ساتھ، جو اردو میں ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے سے وابستہ ہے، اردو شعر کی تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جب اپنے زمانے کے نہایت مشہور، ممتاز اور مستند شعرا اس تاریخی روایت سے وابستہ نہ رہے ہوں اور انھوں نے حمد، نعت اور منقبت کو اپنی عقیدتوں کے اظہار کا وسیلہ نہ بنایا ہو۔

سرشار صدیقی کا مجموعہ شعر عقیدت میثاق (سن اشاعت ۲۰۰۲ء) اسی زندہ و تابندہ روایت کی توسیع ہے۔ یہاں لفظ ''توسیع'' کا استعمال جان بوجھ کر کیا گیا ہے اور اس سے میری مراد یہ ہے کہ سرشار صدیقی نہ صرف اس روایت کے مقلد اور امین رہے ہیں بلکہ انھوں نے اس میں صوری اور معنوی دونوں پہلوؤں سے نئے ابعاد کا اضافہ کیا ہے۔

غالباً یہ امر تو متفق علیہ ہو کہ نعت اپنی جگہ کوئی مستقل صنفِ سخن نہیں ہے۔ نعت کی تعریف و تخصیص اس کے موضوع کی بنیاد پر کی جاتی ہے جب کہ صنفِ سخن کی نوعیت کا تعین اس

کی ہیئت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حمد اور منقبت بھی اپنے اپنے موضوعات کے باعث ہی ممتاز ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ حمد، نعت اور منقبت موضوعاتی شاعری کے اقسام ہیں جن کے پیرایۂ اظہار کے لیے کسی بھی صنفِ سخن کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ روایتی طور پر نعت کے لیے غزل کا اسلوب اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ حالاں کہ نعتیں قطعات، ترکیب بند، رباعی، مخمس اور مسدس وغیرہ کے اسالیب میں بھی لکھی جاتی رہی ہیں، مثلاً حالی کے مسدس ''مدوجزر اسلام'' کے وہ بند جن میں آفتابِ رسالت ﷺ کے طلوع ہونے اور مدحتِ رسول ﷺ کا ذکر ہے:

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت کہ طالع ہوا ماہ برج سعادت
نہ چٹکی مگر چاندنی ایک مدت کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت
یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

حالی کی نظم عرض حال بجناب سرورِ کائنات افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات ﷺ جس کا مطلع زباں زدِ خاص و عام ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری وقت عجب آکے پڑا ہے

پابند نظم کے طور پر لکھی گئی۔ اقبال نے اپنا ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' مسدس کی شکل میں لکھا کہ انیس کے زیرِاثر مسدس کا بیانیہ اسلوب مذہبی اور نعتیہ شاعری کے لیے مناسب ترین خیال کیا جاتا تھا۔ اسلوب کی حد تک حالی اور اقبال دونوں نے انیس کی ہی پیروی کی ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں محسن کاکوروی نے البتہ اپنا مشہور نعتیہ لامیہ قصیدہ (سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل) مثنوی کی شکل میں لکھا لیکن بیسویں صدی کے وسط تک آتے آتے مثنوی کا چلن جاتا رہا اور انگریزی ادب کے زیرِاثر پابند نظمیں لکھی جانے لگیں۔

چناں چہ اقبالؔ کے یہاں جنھوں نے باقاعدہ جدید تعلیم حاصل کی تھی، پابند نظموں کا تناسب کسی دوسری صنف کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے۔ تاہم شاعروں کی ایک بڑی تعداد نے نعتیہ شاعری کے لیے غزل کا اسلوب ہی اختیار کیا۔ پابند نظم کی پابندیاں اسی وقت گوارا کی گئیں جب کسی ایک مرکزی خیال کا اظہار مقصود رہا ہو۔

سرشار صدیقی کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کے لیے جدید اصنافِ سخن کا انتخاب کیا ہے۔ ان اصناف میں بھی آزاد نظم کو بالخصوص بڑے حسن اور سلیقے سے برتا گیا ہے گو کہ انھوں نے ہائیکو تک میں حمد و نعت لکھی ہے۔ یہاں یہ کہنا مقصود نہیں ہے کہ سرشارؔ حمد و نعت کے روایتی اسالیب سے گریزاں ہیں۔ اس کے برعکس ایک اچھے غزل گو ہونے کی حیثیت سے انھوں نے غزل کے اسلوب میں بھی حمد و نعت کے مضامین نبھائے ہیں اور ایمان کی بات یہ ہے کہ خوب نبھائے ہیں:

نعتوں میں برتتے ہیں آداب عبادت کے
ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

☆

یہ اُسی ذاتِ گرامی کا کرم ہے سرشار
جگمگا اُٹھا مری نعت سے ایوانِ غزل

غالبؔ نے اپنے ایک خط میں شاعری کی روح ''معنی آفرینی'' کو قرار دیا ہے۔ میثاق کے حوالے سے سرشار صدیقی کی نعتیہ شاعری میں معنی آفرینی کے پرتو دیکھیے:

اُن کی یادوں سے نہیں ہے کوئی ساعت محروم
ہم تو ہر لحہ مدینے میں بسر کرتے ہیں

☆

حمد حرم میں بیٹھ کے لکھی، نعت حضور کے قدموں میں
روح وہاں سیراب ہوئی تھی، قلب یہاں معمور ہوا
دُور سے گنبدِ خضریٰ دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سناٹے میں جیسے شورِ نشور ہوا
میں نے بھی آج اپنے رب سے اپنے دل کی باتیں کیں
دامنِ کوہِ صفا، تُو مجھ کو وادیِ کوہِ طور ہوا

مجھ پر ترے عشق کی آیتیں نازل ہوئیں
صحنِ حرم بھی مجھے غارِ حرا ہوگیا

☆

ہجوم کر مرے رستے میں اپنے جلووں کا
کہ میں اکیلے چلوں اور قافلہ ہوجاؤں

یہ معنی آفرینی ہی ہے جسے لوگ عام طو پر تغزل اور کیفیت وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ سرشار صدیقی کی نعتیہ غزلیں روایتی رنگ میں ہوتے ہوئے بھی عشقِ رسول ﷺ سے شرابور ہیں۔ ان کے تخلص کی رعایت سے سرشاری کی ایک کیفیت بھی ان میں موجود ہے۔ اب رہی معنی آفرینی، تو وہ صرف نعتیہ غزلوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کی نعتیہ شاعری کے دوسرے اسالیب، بالخصوص نظموں اور ہائیکو میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ نظموں کے حوالے سے اس تجزیہ کو ذرا تفصیل درکار ہوگی اس لیے ہم پہلے ہائیکو کی طرف آتے ہیں۔

ہائیکو کا آرٹ مختصرنویسی کا آرٹ ہے جہاں موئے قلم کی چند جنبشوں سے ہی تصویر مکمل ہوجائے اور چند لفظوں کے استعمال سے ہی ایک جہانِ معنی آباد ہوجائے۔ یہ چاول پر قل ھواللہ لکھنے کے مماثل ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ مختصر ترین الفاظ میں کثیر مطالب کی ادائیگی کے آرٹ سے ہمارا فنِ شعر خالی رہا ہو۔ غزل کے دو مصرعے اور رُباعی کے چار مصرعے بھی مطالب کی ادائیگی کے لیے فن کار کا امتحان ہی ہیں جن سے تنگ آکر غالبؔ جیسے بڑے فن کار نے بھی تنگ نائے غزل میں وسعت کی آرزو کر دی تھی۔ تاہم ہائیکو کے رواج نے اردو شاعروں کے لیے ایک نئے جہانِ معنی کے دروازے کھول دیے ہیں۔

سرشار صدیقی نے حمدیہ اور نعتیہ دونوں طرح کے ہائیکو لکھے ہیں۔ گو کہ تعداد میں یہ کم ہیں لیکن کمیت کی کمی کو کیفیت کی زیادتی نے پورا کر دیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اے مرے معبود
حرفِ ثنا محدود مرا
تو ہے لامحدود!

شب کا سفر تنہا
میں نے اپنے سینے پر
بس ''یااللہ'' لکھا

شعر لکھ یا نثر
لیکن اپنے سامنے رکھ
آیات والعصر!

دیکھا فکر کا ظرف
نعت کی نیت ہی کی تھی
چھوٹے پڑ گئے حرف!

سبحان اللہ! جو کچھ کہا تو ترا حسن ہوگیا محدود!

یہ سب کچھ اپنی جگہ درست، لیکن ذاتی طور پر میں سرشار صدیقی کا بڑا کارنامہ ان کی آزاد نظموں کو مانتا ہوں جن سے ان کی عقیدتوں کا میثاق مزین ہے۔ ان نظموں میں جذبۂ عقیدت کی گہرائی نے وہ خاصیت پیدا کر دی ہے کہ شاعرانہ حسن کاری زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہوگئی ہے۔ چند مثالوں سے یہ بات واضح ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ:

میثاق کئی اجزا پر مشتمل ہے۔ باب تمجید جس میں حمد و ثنا کی نظمیں ہیں۔ نسخۂ کیمیا جس میں قرآن پاک سے متعلق نظمیں ہیں۔ "ان کا ذکر وظیفہ میرا" میں نعتیہ کلام ہے۔ "چراغ و مسجد و محراب و منبر" میں خلفائے راشدین پر لکھی گئی نظمیں ہیں۔

دائرہ (محورِ فکر) اور پس غبار (آئینۂ ذات) کے عنوان سے آخری دو اجزا میں ایسی نظمیں شامل کی گئی ہیں جو یا تو شاعر کے فکری کمالات کی آئینہ دار ہیں یا ان میں اس کے ذاتی تجربات کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ ان تمام نظموں کا تجزیہ تو یہاں ممکن نہیں لیکن بعض اہم نظموں کا تذکرہ ضروری معلوم پڑتا ہے۔

میثاق کے پہلے جزو میں ایک نظم ہے "وظیفۂ گردش لہو" جس میں عبادت کے مروّجہ اور ظاہر بیں ابعاد کو ایسی وسعت عطا کی گئی ہے کہ مومن کی ساری زندگی مناجات کا ایک ترانہ بن گیا ہے:

خاموشی خود ایک زباں ہے
جس میں آوازوں کی کوئی گونج نہیں ہے

جس میں لفظوں کی کوئی تشکیل نہیں ہے
اپنے رب کی حمد وثنا میں
دھڑکن کا مدھم آہنگ ہو
یا سانسوں کے زیر و بم کا
اک بے نام تسلسل
کیا ہے
گر یہ تسبیح وتہلیل نہیں ہے؟
عرش انا سے واپس آکر
ذات کی خاک بسر رفعت پر
اپنے یقیں کی محرابوں میں
آنکھوں کی پیشانی بن کر
فرش زمیں کو بوسہ دینا
کیا ہے
گر روح کے سجدہ کرنے کی تمثیل نہیں ہے؟

اسی طرح یثاق میں ایک اور نظم ہے ''فانی۔ لافانی'' جو تہ در تہ مختلف ابعاد کی حامل ہے۔ انسان کا جسم فانی ہے لیکن اس کا جذبۂ عشقِ رسول ﷺ لافانی ہے کہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے:

صبحِ ازل
میرے معبود نے میرے خمیر میں
جب تخلیق کا جوہر رکھا
اک چٹکی بھر خاک مدینہ بھی رکھ دی تھی
وہی تو میری شریانوں میں
لہو کی صورت
کیمیا بننے کی حسرت میں دوڑ رہی ہے

اسی زندگی کی تشکیل متضاد اور مخالف عناصر سے مل کر ہوئی ہے۔ اس میں مکانی اور لامکانی، فانی اور غیر فانی، مقامی اور غیر مقامی، مادّی اور غیر مادّی، انفرادی اور اجتماعی سب ہی طرح کے اجزا کی

کارفرمائی نظر آتی ہے جو کچھ مکانی، مقامی، ماڈی اور انفرادی ہے وہ بالآخر فنا ہوجانے والا ہے اور جو کچھ غیر ماڈی اور لامکانی ہے وہ باقی رہے گا۔

یہ مٹھی بھر مٹی
خاک میں مل جائے گی
لیکن وہ چٹکی بھر خاک
جو صبحِ ازل میرے معبود نے
میرے خمیر میں شامل کی تھی
شامِ ابد تک
شہرِ نبی ﷺ کا طواف کرے گی۔

میثاق میں خلفائے راشدین کے بارے میں ''چراغ و مسجد و محراب و منبر'' نامی جزو میں جو نظمیں شامل ہیں ان میں ''قتل بے قصاص'' (حضرت عثمانؓ)، ''بندۂ مومن کا ہاتھ'' (حضرت علیؓ) اور ''حرفِ جلی'' (حضرت علیؓ) بڑی کامیاب نظمیں ہیں۔ ''وابستگانِ رسول میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حلیمہ سعدیہؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ وغیرہم پر سرشار صدیقی نے جو نظمیں لکھی ہیں ان کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اردو کی موضوعاتی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے بلکہ عشقِ رسول ﷺ کے نئے پہلو بھی اُجاگر ہوئے ہیں جس کا اظہار اس سے قبل اردو شاعری میں کم ہوا ہے۔

D:NaatRang-16
File: Riyaz-Majeed-1
Final

پروفیسر غفور شاہ قاسم۔ میانوالی

''رب آشنا'' ایک تجزیہ ایک تأثر

نعت نگاری اردو شاعری کی ایک مقبول اور اہم صنف بن چکی ہے۔ وادیٔ شعر وسخن کے ہر مسافر کی یہ قلبی آرزو ہوتی ہے کہ محسنِ انسانیت ﷺ سے عقیدت و ارادت کے اظہار کے لیے نعت لکھنے کی سعادت حاصل کرے لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک دل میں حضور ﷺ سے محبت کا سمندر موجزن نہ ہو دل آویز اور روح پرور نعت تخلیق نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ پڑھنے والوں میں حاضری اور حضوری کی کیفیت پیدا کرسکتی ہے۔ غزل کے مستند شاعر قیصر نجفی جنھیں نظم گوئی اور نقدِ سخن پر کامل دسترس حاصل ہے نعت کے بھی بہت عمدہ شاعر ہیں۔ یہ بات اُن کے لیے باعثِ اعزاز و استحصاص ہے کہ نعتیہ ادب میں اُن کی لکھی نعت ایک وقیع اور گراں قدر اضافہ ہے۔ اُن کے نعتیہ مجموعۂ ''رب آشنا'' میں غزل اور آزاد نظم کی ہیئت میں لکھی نعتوں کے علاوہ چار حمدیں شامل ہیں۔

نعت کی تاریخ، ارتقا اور اس حساس صنفِ سخن میں رواج پانے والی غیر مصدقہ روایات کا جائزہ لیتے ہوئے قیصر نجفی نے کتاب کے حرفِ آغاز میں اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ہمارے خیال میں سرکارِ رسالت ﷺ کی ذاتِ اقدس اور منصبِ رسالت کا حقیقی عرفان ہی وہ کلید ہے جو درِ نعت گوئی کا قفل بھی وا کرتی ہے اور فکری گم رہی اور شعری بے راہ روی کے دروازوں کو مقفل بھی کرتی ہے۔

''رب آشنا'' کا مطالعہ کرتے ہے ہر قاری کے اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ شاعر نے صنفِ نعت کے حوالے سے اپنے وضع کردہ اصول سے سرِ مو انحراف نہیں کیا ہے۔ ممدوحِ

کائنات ﷺ کی مدح کرتے ہوئے انھوں نے کسی مقام پر بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ انھوں نے ہر قدم پر عقیدے اور عقیدت کے درمیان توازن برقرار کیا ہے۔ یوں ہر نعت میں انھوں نے سیرتِ نبوی ﷺ اور مقامِ رسالت کے ذکر میں ادب و احترام اور اتباعِ رسول کی اساسی اہمیت کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ وہ ایسی عقیدت و محبت کو بدنصیبی اور کج فہمی تصور کرتے ہیں جو آقائے دوجہاں ﷺ کی مکمل اطاعت اور تعمیلِ احکام سے تہی دامن ہو۔ قیصر نجفی کی نعت درحقیقت انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ جمیل ہے۔ جب وہ نعت کہتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے مدینہ اپنی آنکھوں کے سامنے سجا رکھا ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

مری آنکھوں میں روح و جان و دل میں
مدینہ ہی مدینہ جاگزیں ہے

☆

یاد میں سرکار کی مت پوچھ دل کیا ہوگیا
گاہے بطحا ہوگیا گاہے مدینہ ہوگیا
کیا کہوں میلا تھا کتنا میرا ملبوسِ حیات
مس ہوا خاکِ مدینہ سے تو اُجلا ہوگیا

حضورِ اکرم ﷺ کا اسمِ گرامی اپنے اندر مدح و ثنا کے تمام آفاق اور موضوعات سمیٹے ہوئے ہے۔ ممدوحِ کائنات کی ذات سے لے کر صفات تک کردار سے لے کر افکار تک صنفِ نعت کا موضوع بنتے رہے ہیں۔ قیصر نجفی کی لکھی نعت ان تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ انھوں نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شخصیت کے ہر پہلو کو حسبِ توفیق نعت کا موضوع بنانے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی لکھی نعتیں محض مصرع تراشی یا ترکیب سازی نہیں، اُن کی نوکِ قلم پر آنے والے الفاظ شبنم، چاندنی اور نکہتِ گل کی قبا پہن کر آتے ہیں اور یقیناً:

یہ حرفِ نعت ہے روحِ سخن ہے
یہی فن ہے یہی معراجِ فن ہے

انھوں نے نعت میں حضور ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کے نقوش اخلاص، عقیدت اور دردمندی سے اُتارے ہیں۔ ہر نعت میں شاعر کی کوشش اور آرزو یہ معلوم ہوتی ہے کہ محبت کا ہر جذبہ مدح و وصف کا ہر طریقۂ اظہار اور ہر پیرایۂ سخن سرورِ کائنات کے قدموں میں ڈال دیا جائے۔ وصف کے

ہزار رنگ پھول آپ ﷺ پر نچھاور کر دیے جائیں۔ اظہارِ عقیدت کا یہ انداز ملاحظہ فرمائیے:

مری کشتِ تمنا کیوں کسی برسات کو ترسے
گھٹا جب تیری رحمت کی سدا چھائے سدا برسے
عقیدت کی جبیں کیوں کر اٹھائے وہ ترے در سے
پتا جس کو ملا ہے لامکاں کا بھی ترے گھر سے

ملتِ اسلامیہ جب جذباتی کرب میں مبتلا ہوتی ہے اُسے کربلا کی یاد آتی ہے۔ جب تہذیبی زوال کا شکار ہوتی ہے اُسے اندلس کی یاد ستاتی ہے اور جب اُسے روحانی آشوب درپیش ہوتا ہے اُسے مدینہ کی یاد رُلاتی ہے۔ قیصر نجفی کی نعت میں استغاثے اور التماس کا رنگ عصرِ حاضر کی روحانی آشوب اور عصری کرب کا آئینہ دار ہے۔

یہ کیسی قیامت ہے نمازی سرِ مسجد
ہیں خون میں غلطان خبر لیجیے آقا ﷺ
جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اب گھر میں خدا کے
مسجد ہوئی ویران خبر لیجیے آقا ﷺ

اپنی آزاد نظموں ''فریاد'' ''یہ کیا غضب ہے'' اور ''اعتراف'' میں بھی انھوں نے ملتِ اسلامیہ کے افتراق و انتشار کا نقشہ نہایت عمدگی سے کھینچا ہے۔ نظم ''اعتراف'' کی ان لائنوں کے آئینے میں مسلم معاشرے کی موجودہ دگرگوں صورتِ حال کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔

خدا کے گھر کو بھی ہم نے مقتل بنا دیا ہے
حسین کے خانۂ عزا میں
بھی خون کا دریا بہا دیا ہے
نمازیوں کی صفوں پہ بوچھاڑ گولیوں کی
بھی ہم نے کی ہے
حسین کے سوگواروں کی جاں
بھی ہم نے لی ہے
ہماری وحشت کی سب کی سب ہیں
یہ داستانیں

پولیس کے پہرے میں لوگ پڑھتے ہیں اب نمازیں
پولیس کے پہرے میں لوگ دیتے ہیں اب اذانیں
یہ کھیل اندھے شعور کے ہیں
یہ قصے جرم وقصور کے ہیں
خدا ہے شاہد خدا سے زیادہ
ہم آج مجرم حضور ﷺ کے ہیں

دورِ حاضر کی نعتیہ شاعری کی اہمیت اور معنویت ہی یہی احساسِ کرب ہے۔ جس کا اظہار اوپر کی لائنوں میں کیا گیا ہے۔

''رب آشنا'' نعتیہ ادب کا ایسا قیمتی اثاثہ ہے جس کے مطالعہ سے ایمان اور آگہی کو نئی زندگی ہی نہیں ملتی فکر وعمل کی تیرگیاں بھی کافور ہونے لگتی ہیں۔ روحِ عصر سے ہم آہنگ اس مجموعے کی ہر نعت تغزل، غنائیت اور تخلیقی وفور سے معمور ہے۔

مشقِ سخن اور صنفِ سخن میں عمریں بتانے والے بہت سے سخن وروں کے قلم نعت لکھنے کی آرزو کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ توفیقات پر ہر قلم کار کے نصیب میں کہاں۔ یہ عطائے ربی جن خوش نصیبوں کو میسر آتی ہے انھیں لوح وقلم کے مالک سامنے پھر سرِ نیاز نے جھکا دینا چاہیے۔ قیصر نجفی کے بجا طور پر اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ:

کرم ہے یہ مجھ پر رسولِ خدا کا
کہ عرفان ہے مجھ کو حرفِ ثنا کا

☆

حرفِ مدحت میں نے لکھا معتبر تُو نے کیا
دل کو میں نے صاف رکھا اور گھر تُو نے کیا

☆

کھلا یہ قلزمِ نعتِ محمد ﷺ میں فنا ہوکر
کہ ملتا ہے کسی قطرے کو کیا کچھ اس سمندر سے

بلاشبہ نعت نہ تو صرف قدرتِ سخن ہے اور نہ ہی محض طبع آزمائی بلکہ یہ ایک روح پرور تخلیقی مرحلہ ہے۔ جو قلب ونظر کو روشن اور مشامِ جاں کو معطر کر دیتا ہے۔ قیصر نجفی نے اس مجموعے کی صورت

نہ صرف فنِ نعت کو نئی جہت اور نئی خوش بو سے روشناس کرایا ہے بلکہ اُن کی نعت اپنے رنگ، آہنگ اور فرہنگ کے اعتبار سے بھی جدید ہے۔ شیریں لفظیات، والہانہ پیرایۂ اظہار اور مضمون آفرینی کے حوالے سے ''رب آشنا'' یقیناً نعتیہ ادب میں شان دار اضافہ تصور ہوگی۔ کتاب کے پبلشر نے اس مجموعے کے حوالے سے نہایت مناسب اور برمحل رائے کا اظہار کیا ہے کہ:

> ان شاء اللہ مجموعۂ نعت ''رب آشنا'' نعتیہ ادب میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگا۔ اس مجموعۂ نعت میں علمیت بھی ہے، تفکر بھی، تنوع بھی اور تازہ کاری بھی۔

ہماری قلبی آرزو اور دلی تمنا یہ ہے کہ نعت لکھنے کا یہ موسم قیصر نجفی کے لیے ہمیشہ سازگار اور برقرار رہے۔

قلم اسمِ محمد ﷺ لکھ رہا ہے
لبِ قرطاس پہ صلِ علیٰ ہے
نہ ہو مدحِ نبی ﷺ کا ختم موسم
کہ یہ موسم مجھے راس آگیا ہے

D:NaatRang-16
File: Ghafoor
1st Proof

حاصلِ مطالعہ

تبصرہ نگار: پروفیسر قیصر نجفی

انتخابِ مناجات/ طاہر سلطانی

حمد و نعت ہماری تاریخی، مذہبی اور تہذیبی اقدار ہیں۔ دونوں کا اوّلین نمونہ وہ کتاب آگہی ہے، جسے اللہ کا کلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ گویا کلامِ الٰہی حمد و نعت دونوں اصنافِ سخن کا نقطۂ آغاز ہے۔ اگر اس حقیقت کے تناظر میں سوچا جائے تو حمد نگاری و نعت گوئی بہ یک وقت افعال و اقوال ربی کے اتباع کی دو صورتیں قرار دی جاسکتی ہیں۔ جو بندگانِ رب حمد و نعت کے فروغ و اشاعت کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ وہ بلاشبہ اُس کارِ احسن و مستحسن کو رواج دینے میں کوشاں ہیں، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس حوالے سے ''جہانِ حمد''، ''نعت رنگ'' اور ''سفیرِ نعت'' کے کتابی سلسلوں کے مدیران حضرات خصوصی داد کے مستحق ہیں، جو اپنے اپنے میدانِ عمل میں نہ صرف اپنی اور قارئین کی روحانی تہذیب کا سامان کرتے ہیں، بلکہ بعض تاریخی نوعیت کے کارنامے بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

''انتخابِ مناجات'' کتابی سلسلہ ''جہانِ حمد'' کا ایک یادگار تحقیقی کام ہے جو حال ہی میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ ''جہانِ حمد'' کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس کتابی سلسلے نے نہایت قلیل عرصے میں کم مایگی اور بے بضاعتی کے باوجود حمد کے حوالے سے ایسے ہمالے سر کیے ہیں، جن کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس موقع پر ان کا ذکر بے محل نہ ہوگا:

☆ ''خزینہ حمد'' (۴۰۴ شعرائے کرام کا حمدیہ انتخاب)

☆ ''اذانِ دیر'' (غیر مسلم شعرا کا حمدیہ انتخاب)

☆ ''حریمِ ناز میں صدائے اللہ اکبر'' (٩٩ حمد گو شاعرات کا اوّلین تذکرہ و انتخاب)

☆ ''اردو میں حمد گوئی'' (نثری کتاب)

مناجات کے لغوی معنی دعا، التجا، عرض یا سرگوشی کے ہیں۔ مناجات اس نظم کو کہتے ہیں، جس میں خدا کی حمد بیان کر کے دعا مانگی جائے۔ دعا کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے۔ چوں کہ انسان ایک مجبور محض مخلوق ہے، اس لیے نفسیاتی طور پر وہ کسی مافوق الفطرت طاقت یا ماورائی قوت کی نصرت و استمداد کا ہمیشہ سے متمنی رہا ہے، چوں کہ اسلام عین فطرتِ انسانی کے مطابق ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ نے انسان کی اس نفسیاتی احتیاج کے پیشِ نظر کئی مقامات پر اپنے کلام میں دعا کی تاکید فرمائی ہے۔

''ادعوا ربکم تضرعا و خفیة'' (الاعراف، آیت ٥٥)

ترجمہ: اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔

ایک دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا ہے:

''ادعونی استجب لکم'' (المومن، آیت ٦٠)

ترجمہ: مجھے پکارو میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔

دعا کی اہمیت و افادیت احادیثِ نبوی سے بھی عیاں ہے۔ ترمذی، مسند احمد میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا بیان ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا:

''ان الدعاء ینفع مما نزل و مما لم ینزل فعلیکم عباداللّٰہ بالدعا''

ترجمہ: یعنی دعا ہر حال نافع ہے ان بلاؤں کے معاملے میں جو نازل ہو چکی ہیں اور ان کے معاملے میں بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ پس اے بندگانِ خدا تم ضرور دعا مانگا کرو۔

رسولِ اکرمﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ''دعا عین عبادت ہے'' آپﷺ کی ساری عبادات مناجات سے عبارت ہیں۔ حضرت علیؓ کی ''نہج البلاغہ'' میں اور حضرت زین العابدینؒ کی ''صحیفۂ کاملہ'' میں مناجات قابلِ ذکر ہیں۔

پیشِ نظر ''انتخابِ مناجات'' بلاشبہ ایک قابلِ صد تحسین و آفرین کاوش ہے۔ اس میں کم و بیش ٣٠٠ قدیم و جدید اور معروف و غیر معروف شعرا و شاعرات کی مناجاتی شاعری کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ ہر چند اس انتخاب میں بہت سے نام ور شعرا خصوصاً

خدائے سخن میر انیسؔ اور ناخدائے سخن مرزا دبیرؔ کا مناجاتی کلام شاملِ اشاعت نہیں ہے، تاہم اس کی افادیت سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے خیال میں اردو حمد و مناجات پر پہلا باقاعدہ تحقیقی و تنقیدی کام ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط نے کیا ہے۔ اس کے بعد منظرِ عام پر آنے والا ہر کام (مناجات کے حوالے سے) قابلِ قدر ہی، لیکن ''انتخابِ مناجات'' کی صورت میں طاہر سلطانی صاحب کی مساعیِ جمیلہ لائقِ داد و تحسین کے علاوہ تاریخی اہمیت کی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

کتاب کے صفحات ۳۹۹ ہیں، قیمت ۲۰۰ر روپے ہے اور اسے جہانِ حمد پبلی کیشنز کراچی نے شائع کیا ہے۔

الصلوٰۃ والسلام (نعتیہ مجموعہ) / محمد علی صدیقی شیداؔ

حمد، نعت، مرثیہ اور سلام نے انسانی جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ شعرا کی سوچ اور فکر کی جس طرح تہذیب کی ہے، کسی دوسری صنفِ سخن نے شاید ہی اس طرح کی ہو۔ آج اظہار و بیاں میں سنجیدگی کا جو رجحان فروغ پانے لگا ہے، وہ انھی اصنافِ شعر کی دین ہے۔ بحمداللہ! مادّیت پرستی کے اس روح فرسا دور میں بھی آج کا شاعر ہجویات، ہزلیات اور خرافات سے توبہ کی حد تک کنارہ کش ہے۔ گمان غالب ہے کہ نعت گوئی نے ہر طرح کی لغو نویسی اور بیہودہ گوئی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ گزشتہ تین دہائیوں سے جس مقدار اور رفتار سے نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آرہے ہیں۔ اس کی بنا پر ہم یہ پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اردو شعرا نے اپنا قبلہ درست کرلیا ہے۔ چند استثنائی مثالوں سے قطع نظر اب غزل اور نظم میں بھی حمدیہ، نعتیہ اور رثائی مضامین راہ پانے لگے ہیں۔ ہم تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ جلد ہی نعت سے مذہبی شاعری کی چھاپ ہٹ جائے گی اور عالمِ انسانیت، معلمِ انسانیت کے آفاق گیر کردار و عمل کا ادراک کرلے گا اور ہر انسان کا سرکارِ دوعالم ﷺ سے محبت اور اپنائیت کا ایک اٹوٹ رشتہ استوار ہوجائے گا:

قیصرؔ وہ دن اب دُور نہیں جب یہ کہے گا
ہر دور کا انسان ہمارے ہیں محمد ﷺ

لاکھوں درود و سلام ہوں اس انسانِ کامل پر، جس پر خود خالقِ اکبر درود و سلام بھیجتا ہے۔ نعتیہ مجموعہ

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

''الصلوٰۃ والسلام'' اسی ذاتِ مقدس و اعلیٰ مدح و ثنا کا پرچم اٹھائے ۲۰۰۲ء میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ محمد علی صدیقی شیدا کا حضور پُرنور ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں یہ نذرانۂ عقیدت و محبت سادگی و برجستگیٔ زبان و بیان کی ایک خوب صورت مثال ہے۔ ابلاغِ فکر کے حوالے سے اس لائقِ تحسین مجموعے کے بعض اشعار اور مصرعے اس قدر سہل، رواں اور مترنم ہیں کہ پڑھتے ہوئے روح و دل جھوم اٹھتے ہیں:

تعریف اس کی لفظوں میں کرنا محال ہے
حسنِ رسول ﷺ آپ ہی اپنی مثال ہے

جھک جاتے ہیں سر از خود سجدہ نہ کہو اس کو
قابو میں نہیں رہتے جذبات مدینے میں

کیوں کر نہ ہو جاں پرور ہر بات مدینے میں
انوار کی بارش ہے دن رات مدینے میں

نظر آئے سبز گنبد تو بلائیں لوں میں اس کی
کبھی آنکھ کو اٹھا کر، کبھی آنکھ کو جھکا کر

یارب دلِ شیدا کو اس نور سے چمکا دے
جس نور کے صدقے میں عالم کو سجایا ہے

سب سے بڑا یہ وصف ہے میرے نصیب کا
میں اُمتی ہوں ربّ جہاں کے حبیب کا

محمد علی صدیقی شیدا کو نعت کہنے کا سلیقہ ہے۔ ان کے ہاں مدح و ثنائے رسول ﷺ میں نہ کہیں افراط و تفریط کا عنصر در آیا ہے اور نہ کہیں سرکار ﷺ کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے تنقیص کا پہلو پیدا ہوا ہے۔ فکر خیال میں توازن اور اظہار و بیان میں اعتدال کی بنیاد پر شیدا صاحب کو ایک کامیاب نعت گو قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ انھوں نے مضامین میں تنوع پیدا کرنے کی کاوش نہیں کی ہے اور بعض مقامات پر زبان و بیان کی بے احتیاطیاں بھی ان سے سرزد ہوئی ہیں۔

تیری بندگی کریں فرشتے، شجر، حجر، انسان
تری بڑائی، تیری عظمت کرتے سبھی بیان

''بندگی'' کی ''د'' بالفتح ہے۔ جسے ساکن باندھا گیا ہے۔ شعر بے وزن ہوگیا ہے۔

جو زبانی دعوۂ عشق ہو تو نہ معتبر نہ ہی مستجب
تو حبیبِ رب ہے تو فرض ہے کہ بنائیں ہم تجھے جانِ جاں

''دعوۂ'' کی املا غلط ہے۔ درست املا ''دعویٰ'' ہے۔ ''مستجب'' کوئی لفظ نہیں ہے۔ ممکن ہے شاعر نے ''مستجب'' لکھا ہے۔ شاید یہ لفظ کمپوزنگ کے تیر کا نشانہ بنا ہے۔

نور احمد سے ہیں معمور جو سینے والے
دنوں عالم میں ہیں توقیر سے جینے والے

''آنکھوں والے'' سننے میں آیا ہے۔ ''سینے والے'' مرکب لفظی نہ سننے میں آیا ہے،

پڑھنے میں...

رموزِ ہستی بتائے جس نے، بنایا درس قرآں کے لائق
اسی کی طاعت سے بن سکے ہم شہودِ ربِّ جہاں کے لائق

''قرآں'' بروزن ''نازاں'' ہے۔ جب کہ اس شعر میں ''گماں'' کے وزن پر باندھا گیا ہے۔شعر خارج از بحر ہے۔

اہلِ عرفان کے واسطے تو مشعل
اہلِ عالم کا تُو ہی تو ہے ماحصل

''مشعل'' بروزن ''بے کل'' ہے۔ جب کہ یہاں بروزن ''نکل'' استعمال ہوا ہے۔ جس سے شعر وزن سے باہر ہوگیا ہے۔

دیکھا جنھوں نے ایک جھلک بھی حضورﷺ کی
وہ لوگ زہد و تقویٰ کے سانچے میں ڈھل گئے

لفظ ''دیکھا'' کے بجائے لفظ ''دیکھی'' استعمال ہونا چاہیے تھا۔

ذکرِ رسولﷺ کرتے ہیں اصحاب اس طرح
قرآن ہی قرآن ہے خیرالوریٰ کا رنگ

دوسری بار ''قرآن'' بروزنِ ''گمان'' استعمال ہوا ہے۔ جو غلط ہے۔ شعر خارج از بحر ہے۔

یہ ایک معلوم بات ہے کہ حضورﷺ کے نام کے ساتھ تحریر و تقریر دونوں میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنا اور بولنا محبت و احترام کا تقاضا ہے۔ شیدا صاحب نے اپنے نعتیہ مجموعے میں اس امر کا کہیں بھی اہتمام نہیں کیا ہے۔ اگر عمومی روش اختیار کرتے ہوئے وہ رسولِ کریمﷺ کے نام پر صرف ''ؐ'' لکھ دیتے تو شاید ہم اتنے آزردہ نہ ہوتے، جتنے اب ہوئے ہیں۔

کتاب کے صفحات ۱۲۴، قیمت ۱۰۰/ روپے ہے اور اس خوب صورت کتاب کو مکتبہ دین و ادب لکھنؤ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ریاضِ مدحت (نعتیہ مجموعہ) / سیّد ریاض حسین زیدی

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

''ریاضِ مدحت'' سیّد ریاض حسین زیدی کا اوّلین نعتیہ مجموعہ ہے، جو ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔ اردو ادب کے مایہ ناز تنقید نگار ڈاکٹر وزیرآغا کے فلیپ، صاحبِ طرز نعت گو

سیّد نصیرالدین نصیر (گولڑہ شریف) کے پیش لفظ، حمد و نعت کے ممتاز محقق و نقاد ڈاکٹر عاصی کرنالی کی رائے کے ساتھ منظرِعام پر آنے والے اس نعتیہ مجموعے میں کم و بیش دس دیگر صاحبانِ فکر و نظر کی آرا بھی شاملِ اشاعت ہیں، جو تقریباً پچاس صفحات پر محیط ہیں۔ ''ریاضِ مدحت'' میں شاعر نے سرکارِ رسالت ﷺ سے اپنی قلبی، روحانی اور نسبی نسبت و تعلق کا بے حد والہانہ انداز میں اظہار کیا ہے اور ان کیفیات کو زبان دینے کی کاوش ہے، جو حبیب ﷺ ربّ سے دُوری و مہجوری یا ان کی حضوری کے دوران میں ان کے دل و دماغ پر وارد ہوئی ہیں۔ ہمارے یہاں نعت گوئی کا عمومی اسلوب بھی یہی ہے۔ دراصل حضورِ سرورِ کائنات ﷺ سے محبت ہمارا سرمایۂ حیات ہے، یہی وہ نقدِ زندگی ہے، جو ہر دو جہاں میں ذہنی آسودگی اور روحانی بالیدگی کا ضامن ہے۔ سیّد ریاض حسین زیدی حیات و کائنات کے اس رمز سے بخوبی آگاہ ہیں۔ بنابریں انھوں نے اپنی نعت گوئی کی بنیاد جذبۂ حبِ رسولِ مقبول ﷺ پر رکھی ہے۔ تاکہ وہ اس جہاں میں بھی کامیاب رہیں اور دوسرے جہاں میں بھی سرخ رُو ٹھہریں۔ ان کی شاعری کا محرک سرکار ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ اس امر کا انھوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے:

میں خوشہ چین ازل سے حضور! ﷺ آپ کا ہوں
ریاض! نعت مرا وصفِ اکتسابی ہے

بعض دیگر شعرا کے لیے نعت کے علاوہ اصنافِ سخن بھی باعثِ حظ و انبساط ہوسکتی ہے۔ مگر ریاضؔ کو نعت گوئی ہی میں لطف اظہار و بیان نصب ہوا ہے:

زباں کو لذتِ اظہار کا مزا آئے
جب اس سے وصف، نبی ﷺ کا بیان ہوجائے

البتہ ممدوحِ خدا، انسانِ کامل، فوق البشر، معلمِ انسانیت، ہادیِ برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے شکل و شمائل کی نقش گری میں دیگر انسانوں کی طرح زیدی صاحب بھی اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں:

آپ ﷺ کے حسنِ مجسم کو کہاں تک سوچے
نقش گر اس کے خدوخال بنائے کیسے

''ریاضِ مدحت'' نعتیہ شاعری میں فکری اخلاص، جذباتی صداقت اور جذب دروں کا ایک عمدہ نمونہ ہونے کے باوصف زبان و بیان کی غلطیوں اور عروضی وفنی بے احتیاطیوں سے خالی نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں ریاض صاحب نے کسی استادِفن کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا

ہے اور موزونیٔ طبع ہی پر اکتفا کیا ہے:

ظلمتوں کی یورش پیہم پہ سکتہ آ گیا

''سکتہ آنا'' محاورہ نہیں ہے۔ درست محاورہ ''سکتے میں آنا'' ہے۔

مردہ دلوں کی داد رسائی ہے آپ سے

''دادرسائی'' کی ترکیب محلِ نظر ہے۔ درست ترکیب ''دادرسی'' یا ''دادبخشی'' ہے۔

پھر سے ہوائے شہرِ مدینہ دکھائی دے

''ہوائے'' کے بجائے ''فضائے'' ہونا چاہیے تھا۔

تو جد ہے مری تو بھی نہ دیکھے تو غضب ہے

''جد'' عربی زبان کا لفظ ہے اور مذکر ہے۔ شاعر نے مونث باندھا ہے۔

رسم اپنایت چلی ہے آپ سے

''اپنایت'' کی املا غلط ہے۔ دست املا ''اپنائیت'' ہے۔ یہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ مصرع خارج از بحر ہے۔ نیز ''رسم'' عربی کا لفظ ہے۔ عربی اور ہندی کے لفظ میں اضافت کا استعمال جائز نہیں ہے۔

منظر ہیں وہی روح میں آئینہ نصب سے

مصرع خارج از بحر ہے۔ لب، سب، غضب، عرب وغیرہ کے ساتھ ''نصب'' کو بطورِ قافیہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ ''نصب'' ص بالجزم ہے، بالفتح نہیں ہے۔

یہ کائنات مطیع اک عرب کے شاہ کی ہے

مصرع وزن سے باہر ہے ''مطیع'' کی ع گر رہی ہے۔

گر آنکھ سے تو دیکھ لے شہرہ حضور ﷺ کا

شہرہ سنا جاتا ہے، دیکھا نہیں جاتا۔

صدقِ صفا سے آئینۂ دل ہوا جلا

دل جلا نہیں ہوتا بلکہ مجلّا ہوتا ہے۔ زبان و محاورہ کی غلطی ہے۔

سرِ مژگاں ستارہ کھل رہا ہے

ستارہ چمکتا ہے۔ کھلتا نہیں ہے۔

ریاضِ نعت کا ہر پھول پاکیزہ، نویلا ہے

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

سجیلا، جلیلہ، حیلہ وغیرہ کے ساتھ ''نویلا'' کا قافیہ درست نہیں ہے۔

روزِ ازل سے ثبت ہے دل پر حرمت مسجدِ نبوی کی

''نبوی'' کی ''ب'' بالفتح ہے۔ مصرع میں ساکن باندھی گئی ہے۔

طوالت کے خوف سے چند دیگر تسامحات کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ اُمید کی جاسکتی ہے کہ ریاض زیدی صاحب ایسی فروگزاشتوں (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) سے احتراز کریں گے۔

کتاب کے صفحات ۲۵۶، قیمت ۱۵۰؍ روپے ہے اور اس کو ادب سرائے ساہیوال نے شائع کیا ہے۔

آبرو (نعتیہ مجموعہ) / محمد حنیف نازشؔ

اگر بیسویں صدی کے ربع آخر کو بقول حافظ لدھیانوی ''نعت کا زمانہ'' اور بقول حفیظ تائب ''بہارِ نعت'' سے تعبیر کیا جائے تو اکیسویں صدی کے اوائل کے زمانے کو ''پرچم کشائے نعت'' کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ گزشتہ تین برسوں میں عوام وخواص میں نعت کی مقبولیت کا گراف جس تیزی سے اوپر گیا ہے، اس کے تناظر میں ہم پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکیسویں صدی نعت کا پرچم اٹھائے آگے بڑھ رہی ہے۔ آج شعرا جس وارفتگی، والہانہ پن اور فرطِ شوق سے نعت گوئی کر رہے ہیں، اس کی پہلے مثال نہیں ملتی۔ اس پر مستزاد میلاد کی محافل، مولود کی مجالس اور نعت خوانی کے جلسے جس عاشقانہ سرشاری و سرمستی کے ساتھ کثرت سے منعقد ہو رہے ہیں۔ اس کی بنا پر بہ آسانی پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ شعر و ادب کے حوالے سے اکیسویں صدی نعت کی صدی ہے۔ ہمارے خیال میں ناقدینِ فن بھی اب نعت سے بحیثیت ایک صنفِ سخن صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ گزشتہ دہائی سے نعتیہ ادب میں تخلیق، تنقید اور تحقیق کا جو سیلِ رواں دیکھنے میں آیا ہے، اس کے آگے بند باندھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس امر کی محض روحانی ہی نہیں، عقلی اور منطقی تاویل بھی یہ ہے کہ ذکر کا پرچم اللہ نے بلند کیا ہو، وہ کبھی سرنگوں نہیں ہوسکتا۔

آج ہمارے سامنے اس رفیع الشان ذکر کی بشری کاوش کا ایک عمدہ نمونہ ''آبروؔ'' کے نام سے موجود ہے۔ جسے حفیظ تائب، ریاض مجید، ڈاکٹر عاصی کرنالی اور افتخار عارف جیسے اہلِ فکر و

فن نے تحسین کی نظروں سے دیکھا ہے۔ محمد حنیف نازش کی نعت ان کے دل بینا کا استعارہ، جذب دروں کی علامت اور حسنِ مشترک کی طہارت کی ترجمان بن کر سامنے آئی ہے۔ ان کا سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے جو رشتہ ہے، اس کی بنا ان کی جبلت و فطرت سے اٹھائی گئی ہے۔ وہ بہ یک وقت نعت خواں بھی ہیں اور نعت گو بھی۔ گویا نعت خوانی ان کا وظیفۂ جاں اور نعت گوئی حرزِ جاں ہے۔

''آبرو'' نازش صاحب کا دوسرا نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے ''سخن سخن خوشبو'' کے نام سے ان کا ایک نعتیہ مجموعہ منظرِ عام پر آچکا ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں کے لب و لہجہ میں عوامیت بھی ہے اور ادبیت بھی۔ ''آبرو'' میں نازش صاحب نے قرآن فہمی اور حدیث شناسی کے شواہد بھی پیش کیے ہیں۔ ان کے بعض اشعار قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیثِ نبوی کی تعبیر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے نعت کے مانوس مضامین پر بھی اپنے انداز سے طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی مضمون آفرینی اور زبان و بیان کی چاشنی اور اثر پذیری کا یہ عالم ہے کہ ان کی دو نعتیں مختلف اوقات میں ملکی سطح کے مقابلوں میں ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں۔ محمد حنیف نازش کے نعتیہ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

جیسے جی چاہے، جہاں میں گھوم پھر — یہ مدینہ ہے، یہاں آہستہ چل
در پہ آیا ہوں بڑی مدت کے بعد — اے مری عمر رواں آہستہ چل
آج بھی دیکھیے جا کر جو قبا کا ماحول — طلع البدر علینا کی صدا آتی ہے
سینۂ پاک ہے مصداق الم نشرح کا — اور والفجر ہے آئینۂ رخسار کی بات
دروازہ بوترابؓ ہیں، آقا ﷺ ہیں شہرِ علم — وہ مرتضیٰؓ کی شان ہے، یہ مصطفےٰ ﷺ کی شان
کرگئی دل میں مرے گھر ایک زائر کی یہ بات — سر پہ مکہ کے سجی ہے خوب دستار حرا
دشمن جاں بھی اعتراف کرے — اس قدر خوش خصال ہیں سرکار ﷺ
نوعِ بشر پہ حق کی عنایت کی حد نہیں — نوعِ بشر کو خیر بشر دے دیا گیا

کتاب کے صفحات ۱۶۰، قیمت ۱۸۰/ روپے ہے اور اسے قادری پلازہ منڈی ایریا کامونکی ضلع گوجرانوالہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

باریابی (نعتیہ مجموعہ) / صدیق شاہد

صدیق شاہد ایک غزل گو کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے اب تک غزلوں

کے تین مجموعے ''صحرا میں سمندر''، ''رنجِ سفر'' اور ''اک سفر'' کے ناموں سے منظرِعام پر آچکے ہیں۔ ''باریابی'' صدیق شاہد کا نعتیہ مجموعہ ہے، جو ۲۰۰۱ء کو شائع ہوا ہے۔ فی زمانہ منصۂ شہود پر آنے والے نعتیہ مجموعوں میں یہ ایک قدر مشترک ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر مجموعوں کی نعتیں غزل کی ہیئت (form) میں کہی گئی ہیں۔ ''باریابی'' کو یہ تخصیص حاصل ہے کہ اس میں شاملِ اشاعت نعتوں میں تغزل کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ غزل میں تغزل کی جوت جگانا ایک ایسا دشوار عمل ہے کہ دانتوں پسینہ آجاتا ہے، چہ جائے کہ نعت میں اس کا التزام کرنا... لیکن صدیق شاہد کارِ دشوار بڑی کام گاری سے کرگزرے ہیں۔ درحقیقت صدیق شاہد کی شاعری کی تہذیب غزل کی ہے۔ بنابریں انھوں نے نعت گوئی میں بھی غزل کا قرینہ اپنایا ہے۔ حتیٰ کہ مضمون آفرینی، خیال آرائی اور اظہار و بیان میں بھی غزل کے کلاسیکی رنگ و آہنگ کو ملحوظ رکھا ہے۔ ان کی لفظیات غزل کے لغت سے مستعار ہیں۔ انھوں نے ہماری نعت میں زیادہ تر مستعمل الفاظ اور تراکیب و مرکبات لفظی کے استعمال سے اجتناب برتنے کی شاید شعوری کاوش کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی نعت میں شعری جمالیات کی جلوہ گری ہے:

کٹی نہیں ہے مری نارسائی کی زنجیر　　حرم کو قافلے اب کے برس بھی جانے لگے

دل شکستہ دیارِ حبیب ﷺ کی جانب　　گرہ میں اشک ندامت لیے روانہ ہوا

بدلے بدلے سے نظر آتے ہیں احساس و خیال　　میں نہ ایسا تھا مری کس نے یہ حالت کر دی

ہماری کوئی ادا تو انھیں پسند آئے　　تمام عمر یہ سودا ہمارے سر میں رہا

وہ جاں نواز تبسم، وہ مہرباں لہجہ　　جدھر بھی جائیں دلوں کو لبھائے پھرتے ہیں

نعت کے آئینے میں ایک ایسی عدیم المثال ہستی کی سیرت وشخصیت کے خط و خال کا عکس اجاگر ہوتا ہے، جو ز سر تا پا اللہ کی شناخت ہے۔ اس ذاتِ محمود کو حق نما کہا گیا ہے۔ ان کے قول وفعل کو اللہ نے اپنا قول وفعل قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ اس ذاتِ باری نے اپنے کئی ایک صفائی نام ان کے نام کر دیے ہیں۔ صدیق شاہد ان تمام امور کی رمز سے واقف و آگاہ ہیں۔ اس حوالے سے انھوں نے ایک عجب شعر کہا ہے، جو ہمارے خیال میں اس بحث کا باب بند کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو حضور ﷺ کی ذات و صفات کی تفسیر وتعبیر اور ان کے خصائص و فضائل اظہار و بیان کے تناظر میں چھڑے ہوئے ہیں:

قرآن نے رؤف و رحیم آپ ﷺ کو کہا
ہم کون ہیں جو شانِ نبی ﷺ اس سے کم کریں

صدیق شاہد نے نعت کے مخصوص اور عمومی ہر نوع کے موضوعات و مضامین پر اشعار کہے ہیں۔ ان کے یہاں سیرت و شخصیت نگاری بھی ہے اور مدح و ثنا بھی۔ فریاد و استغاثہ بھی ہے اور ندامت و شرمندگی کا اظہار بھی۔ دوری و مجبوری کا درد بھی ہے اور حضوری کی حسرت و آرزو بھی۔ گناہوں کا تاسف بھی ہے اور عجز بیانی کا اعتراف بھی۔ البتہ ہر جگہ انھوں نے اپنا لب و لہجہ برقرار رکھا ہے:

کمال و فضل کے ہر نقطۂ نہایت پر — وہ تاج دار نبوت زمانے بھر میں رہا
کشادہ دست کرم اس قدر کہ یومِ وصال — دیا جلانے کو شاہدؔ نہ تیل گھر میں رہا
یہ دُور ہم پہ بہت شاق ہے مرے آقا ﷺ — گو ابتلا کے کئی دور ہم پہ گزرے ہیں
رنگ آقا ﷺ کی اک جھلک بھی نہیں — جی تو ہم بھی رہے ہیں جینے کو
شاہدؔ اب صل علیٰ کہہ کے سخن ختم کرو — دم نکلتا ہے یہاں قوتِ گویائی کا

ہم صدیق شاہد سے گزارش کریں گے کہ وہ اس شعر پر نظر ثانی کریں۔ ہمارے خیال میں لذتِ گناہ میں ڈوبا ہوا شخص آقا ﷺ کی پناہ میں نہیں ہوتا۔ البتہ وہ پناہ کی تمنا کرسکتا ہے:

اگرچہ ڈوبا ہوا لذتِ گناہ میں ہوں
طمانیت ہے کہ آقا ﷺ کی میں پناہ میں ہوں

اگر یہ شعر یوں ہوتا تو مناسب تھا:

اگرچہ صبح و مسا دیدۂ گناہ میں ہوں
طمانیت ہے کہ آقا ﷺ کی میں پناہ میں ہوں

کتاب کے صفحات ۱٦۰ اور قیمت ۱۲۰؍ روپے ہے اور اس کو خزینہ علم و ادب اردو بازار، لاہور نے شائع کیا ہے۔

اُجالوں کا سفر (نعتیہ مجموعہ) / سیّد شاہ نصیرالدین بسملؔ ابوالعلائی

سیّد شاہ نصیرالدین بسملؔ ابوالعلائی کا شمار حیدرآباد (انڈیا) کے معروف شعرا میں ہوتا ہے۔ شاعری میں انھیں سرمد دکن حضرت امجد حیدرآبادی، سیف الکلام حضرت سیف حموی الجیلانی اور رئیس الشعرا حضرت علامہ قدر عریضی سے شرفِ تلمذ نصیب رہا ہے۔ قبل ازیں ان کے چار مجموعہ ہائے کلام ''پلکوں کی دستک'' (نعتیہ)، ''آواز کے بوسے'' (منقبتی)، ''کشکول میں سورج''

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

(غزلیں) اور ''بوند بوند سمندر'' (رباعیات، قطعات، تواریخ) کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ''اجالوں کا سفر'' ان کا پانچواں شعری مجموعہ ہے، جسے انھوں نے دیوان قرار دیا ہے۔ یہ ایک نہایت ضخیم دیوان ہے، جو کم و بیش ۵۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں حمد، نعت، منقبت، سلام، رباعیات، قطعات تواریخ وغیرہ جیسی اصنافِ سخن کی جلوہ گری ہے۔ اس دیوان کی اساس سادہ بیانی پر رکھی گئی ہے۔ سلاست بیان و بیان نے جہاں ابلاغ و ترسیل فکر کو آسان بنا دیا ہے، وہاں کلام میں ''از دل خیزد و بردل ریزد'' والی کیفیت بھی پیدا کر دی ہے۔ ہر مصرع اور ہر شعر شاعری کے جذبۂ صادق کا ترجمان ہے۔ اور حضور ﷺ کی ذات و صفات سے ان کی عشق کی حد تک جذباتی وابستگی کی تفسیر بیان کرتا ہے:

تمام عمر کے سجدوں کا لطف آیا ہے		جب آستانِ محمد ﷺ پہ سر جھکایا ہے
سرکار ﷺ کو اس آنکھ سے دیکھا نہ کسی نے		جس آنکھ سے دیکھا ہے اویس قرنیؓ نے
بے قراری ہی بنی وجہِ قرارِ دل و جاں		یہ ہے وہ درد کے نام اس کا دوا رکھا ہے
محویت ایسی ہے جلووں میں شہ خوباں کی		میں نے خود کو نہیں عالم کو بھلا رکھا ہے
کعبہ کی تو بنیاد خلیلؑ آپ نے رکھی		اور کعبۂ دل کے مرے سرکار ﷺ ہیں معمار

''اُجالوں کا سفر'' کی جس خوبی نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، وہ ہے سرکار ﷺ کی سیرت نگاری... جس پر بسملؔ صاحب نے بطورِ خاص توجہ دی ہے۔ ہمیں بصد افسوس اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ فی زمانہ شائع ہونے والے اکثر نعتیہ مجموعے اس انسانِ کامل و اکمل کے کردار و عمل کے بیان سے عاری و تہی ہوتے ہیں، جن کی نعت کا مطلب و مفہوم اور بنیادی تقاضا ہی سیرت نگاری ہے۔ ''اُجالوں کا سفر'' میں بسملؔ صاحب نے کئی مقامات پر حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا ذکرِ جمیل کیا ہے اور اس کے اتباع کی تلقین کی ہے:

عجب ان کا اندازِ لطف و کرم ہے		عدو کو بھی ہیں وہ دعا دینے والے
انسان پہ احسان کیا یوں نہ کسی نے		انسان کو انسان بنایا ہے نبی ﷺ نے
کارہائے دنیوی ہوں یا فلاحِ اُخروی		ان کے نقشِ پا کی حاجت ہم کو ہر منزل پہ ہے
سیرت کو جو سمجھا تو سمجھ میں یہی آیا		قرآن ہی قرآن ہیں سرکارِ دوعالم ﷺ
جو تھے ناآشنائے حق انھیں حق آگہی بخشی		سراپا حق نما بن کر رسول ﷺ دوسرا آئے

نعت غیر متوازن اظہارِ بیان کی متحمل نہیں ہے۔ اس نہایت اہم فنی نکتے کی معرفت کتنے نعت گو

شعرا کو حاصل ہے۔ یہ بھی ایک لحۂ فکریہ ہے۔ بحمداللہ! بسمل صاحب نے اپنے کلام میں توازن و اعتدال کا دامن تھامے رکھا ہے اور کہیں بھی سرکارِ رسالت ﷺ کے مقام و مرتبہ یا شخصیت و کردارنگاری میں افراط وتفریط یا تنقیص کا پہلو پیدا نہیں ہونے دیا ہے:

روکتیں نہ زنجیریں گر مجھے شریعت کی		ان صفات پر تم کو کیا سے کیا سمجھ لیتا

حقیقت میں خدا کو علم ہے ان کی حقیقت کا		ہر انساں نے بقدرِ ظرف سمجھا ہے محمد ﷺ کو

ہم جانتے ہیں محرم اسرار ہیں سرکار ﷺ		اور اس کے سوا کیا ہیں خدا ہی کو خبر ہے

حق کے عرفان سے ہے آپ ﷺ کا عرفاں مشکل		حق سے واصل بھی ہیں مخلوق میں شامل بھی ہیں

بسمؔل صاحب نے بھی زیادہ تر نعت کے انھی مضامین و موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ جو عمومی طور پر نعت گو شعرا کے ہاں ملتے ہیں۔ ''اُجالوں کا سفر'' میں مضمون آفرینی کے حوالے سے انھوں نے کوئی فکری اُپج نہیں دکھائی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انھوں نے کئی ایک مضامین و موضوعات کا بار بار اعادہ کرکے اپنے کلام میں ایک نوع کی یکسانیت پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا مضمون وموضوع اور فکر و خیال کے تنوع سے کلام میں جو جاذبیت پیدا ہوتی ہے ''اجالوں کا سفر'' اس سے محروم رہ گیا ہے۔ بسمؔل صاحب نے اپنی بعض تخلیقات کو ''ملی جلی نعت پاک و منقبت شریف'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اردو شاعری میں اس نام کی کوئی صنفِ سخن نہیں ہے۔ ایسی تخلیقات نہ تو نعت کے زمرے میں آتی ہیں اور نہ ہی انھیں منقبت قرار دیا جاسکتا ہے۔ بنابریں نعت گو شعرا سے ہم استدعا کرتے ہیں کہ نعت کو نعت اور منقبت کو منقبت رہنے دیا جائے۔ ورنہ اس روش سے دونوں کے ایک باقاعدہ صنفِ سخن بننے کے استحقاق کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے... مزید برآں زود و بسیار گوئی سے تسامحات کے سرزد ہونے کا جو امکان ہوتا ہے، اس کی ایک آدھ مثال ''اجالوں کا سفر'' میں بھی موجود ہے۔

کتاب کے صفحات ۵۲۹ ہیں، قیمت ۱۵۰/ روپے اور معارفِ اسلامیہ ٹرسٹ، حیدرآباد دکن سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سرمایۂ نجات (حمدیہ ونعتیہ مجموعہ) / ڈاکٹر محبوب راہؔی

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

ڈاکٹر محبوب راہؔی ایک ہمہ جہت قلم کار ہیں۔ نظم و نثر دونوں اصنافِ ادب میں انھوں نے تخلیقی کاوشیں کی ہیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک غزل گو ہیں۔ تاہم ایک کام گار نظم نگار کی

حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ خصوصاً بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی نظموں کو بہت پسند کیا گیا ہے۔ نقد و نظر سے بھی شغف رکھتے ہیں اور شگفتہ نگاری کی طرف بھی مائل ہیں۔ ان کی مزاحیہ تحریریں ادبی رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر محبوب راہی کی شعری و نثری تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ ثبات
۲۔ تردید
۳۔ بازیافت
۴۔ پیش رفت (چاروں مجموعہ ہائے غزلیات)
۵۔ رنگارنگ
۶۔ گل بوئے (دونوں بچوں کی نظمیں)
۷۔ مظفر حنفی حیات، شخصیت اور کارنامے (تحقیقی مقالہ)
۸۔ تری آواز مکے اور مدینے (پابند نظمیں)
۹۔ غزل رنگ (دیوناگری رسم الخط میں)

''سرمایۂ نجات'' ڈاکٹر محبوب راہی کی دسویں تصنیف ہے۔ یہ ان کی مذہبی شاعری کا نقش ثانی ہے۔ اس سے پیش تر وہ ''تری آواز مکے اور مدینے'' میں اخلاقی، اصلاحی اور نعتیہ رنگ کی شاعری پیش کر چکے ہیں۔ ''سرمایۂ نجات'' میں حمد و مناجات اور نعت و منقبت کے حوالے سے کلام ملتا ہے۔ علاوہ ازیں چند دوہے اور رباعیات بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ البتہ وہ بھی حمدیہ و نعتیہ مضامین سے مملو ہیں۔ ڈاکٹر محبوب راہی کی تمام تر تخلیقی کاوشیں مذہبیات و اخلاقیات کے افکار و خیالات سے عبارت ہیں۔ وہ روایات کے پاسدار، ملتِ اسلامیہ کی اصلاح کے خوگر اور اتحاد بین المسلمین کے نقیب ہیں۔ درج ذیل اشعار سے ان کی تعمیری سوچ، مذہبی رجحان اور مقصدیت پسندی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

یہ لوگ کس لب و لہجہ میں بات کرتے ہیں — یہ کس طرح کا ہے اندازِ گفتگو اللہ
کارواں سے جو تعلق تھا کبھی راہی کا — مدتیں گزریں کہ وہ ٹوٹ چکا ہے یارب
دست مسلم سے عزائم کی نہ چھوٹے پتوار — جب بھی گرداب میں ملت کا سفینہ آئے
سخاوت، شجاعت، صداقت، عدالت — یہ ہیں دینِ حق کی بلندی کے زینے

رُباعیات:

یہ فرق عقائد کا یہ مسلک کے تضاد ہیں کچھ یہی باتیں سبب بغض و عناد
سوچو کہ اک عالم ہے تمھارا دشمن اور تم، کہ ہو آپس میں ہی مائل بہ فساد

ہر قوت باطل کو کچل سکتے ہیں ادبار کے پنجوں سے نکل سکتے ہیں
اسلام پہ گر متحد ہوجائیں تو ہم آج بھی دنیا کو بدل سکتے ہیں

ڈاکٹر محبوب کی حمد ہو یا نعت، ان کے دلی جذبات کی عکاس ہے۔ ان کے لہجے میں صداقت اور اندازِ بیان میں سوز و دردمندی ہے۔ انھوں نے سیدھے سادے الفاظ میں اپنی درونی واردات و کیفیات کو زبان دینے کی لائقِ تحسین سعی کی ہے اور کہیں بھی تکلف یا تصنع کو در آنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

ترے جب بلاوے کا پیغام آئے کہ جب زیست کی آخری شام آئے
خدایا لبوں پر ترا نام آئے یہی نام اس دم مرے کام آئے

نہیں میں کچھ اس کے سوا چاہتا ہوں
خدایا ترا آسرا چاہتا ہوں

☆

تمنا ہے درِ اقدس پہ نکلے میرا دم شاہا ﷺ
نہ کچھ اس سے زیادہ ہو نہ ہو کچھ اس سے کم شاہا ﷺ

☆

لوں نہ اک ذرّہ خاک درِ احمد ﷺ کے عوض
لے کے قارون بھی جو اپنا خزینہ آئے

ہر چند ڈاکٹر محبوب راہی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، مگر انھوں نے ''سرمایۂ حیات'' میں زبان و بیان کے حوالے سے خاصی بے احتیاطیاں کی ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کی نشان دہی پر اکتفا کرتے ہیں:

بصیرت تو ہی بے بصیروں کی ہے
ہر اک بے زباں کے اشاروں میں تو

قواعد زبان کی رو سے ''بے بصیروں'' کی ترکیبِ لفظی غلط ہے۔

یلغار ہول ناک بلاؤں کی ہے پیہم
ہے خوف کی شدت سے بدن شل مرے اللہ

''ہول ناک'' کی ''و'' بفتح استعمال ہوئی ہے، جو غلط ہے۔''و'' ساکن پڑھنے سے شعر بے وزن ہوجاتا ہے۔

کچھ نہ کر پایا میں اپنے دین و ملت کے لیے
تھی مری جدوجہد بس مال و دولت کے لیے

شعر خارج از بحر ہے۔''جدوجہد'' باندھنا چاہیے تھا۔مگر بحر کو قائم رکھتے ہوئے۔

جانتا ہوں میں عبادت تری مجھ پہ فرض ہے
کچھ نہیں بس اک مجھے ناکارہ پن کا مرض ہے

''مرض'' کی ''ر'' بفتح استعمال ہوتی ہے۔

ہر گھڑی زیرِ تسلط میں رہا شیطان کے
پرخچے میں نے اُڑائے اپنے ہی ایمان کے

''پرخچے'' کی ''پ'' اور ''ر'' دونوں بفتح استعمال ہوتے ہیں۔

تو رحیم ہے تو کریم ہے مجھے اپنے کرم سے نواز دے
مرے ذہن کو کربِ شعور دے مرے دل کو سوز و گداز دے

شعر خارج از بحر ہے۔

وقار مجسم محمد ﷺ محمد ﷺ، محترم معظم محمد ﷺ محمد ﷺ
ہے بعد از خدا اک وہی ذاتِ اقدس، معزز محترم محمد ﷺ محمد ﷺ

دونوں اشعار بے وزن ہیں۔

کتاب کے صفحات ۲۵۲، قیمت ۱۲۵؍ روپے اور اسے مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

خلق مجسم (مجموعہ حمد و نعت و منقبت) / سیّد محمد حنیف اخگر ملیح آبادی

گزشتہ ربع صدی میں مشرقِ وسطیٰ، یورپ، امریکا اور کینیڈا میں آباد اردو کی نئی بستیوں

سے شعر و ادب کے حوالے سے تخلیقی کام جس مقدار و معیار سے سامنے آیا ہے، وہ ایک نیا دبستان تشکیل دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس دبستان کی تخلیقی کاوشوں پر تحقیقی و تنقیدی کام کے ساتھ ساتھ ان افراد کی پذیرائی بھی از بس ضروری ہے، جنھوں نے اردو زبان و ادب کے فروغ کو اپنے فرائضِ منصبی کی طرح اہمیت دی ہے اور جسے مقبولِ عام بنانے میں وہ آج بھی دامے درمے سخنے کوشاں نظر آتے ہیں۔ سیّد محمد حنیف اخگر ملیح آبادی کا شمار ایسے محسنین اردو میں ہوتا ہے۔ وہ اردو کے قلم کار کی حیثیت سے زیادہ اہم ہیں یا پرستار کی حیثیت سے، ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ تاہم قلم کار و پرستار دونوں حیثیتوں میں ہم انھیں تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اخگر صاحب اعلیٰ خاندانی روایات کے حامل ہیں۔ ان کی ذہنی وفکری تربیت گھر پر اور شعری تہذیب ملیح آباد اور لکھنؤ جیسے ادب نواز خطوں میں ہوئی ہے۔ شعر وسخن سے ان کی وابستگی فطری ہے۔ البتہ دردِ ہجرت کی کسک نے ان کے شعری ورک و شعور کو صیقل کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ شاعری کا آغاز انھوں نے غزل گوئی سے کیا ہے۔ گو اخگر صاحب نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، تاہم مختلف اساتذۂ فن کے کلام سے کسب فیض کا اعتراف وہ بصد افتخار کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کی غزلوں کے دو مجموعے ''چراغاں'' اور ''خیاباں'' کے ناموں سے شائع ہوچکے ہیں۔ ''خلق مجسم'' ان کا مجموعہ حمد ونعت ومنقبت ہے، جو حال ہی میں منظرعام پر آیا ہے۔ اس مجموعے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، پروفیسر محسن احسان، ڈاکٹر پیرزادہ قاسم اور ڈاکٹر عروج اختر زیدی جیسے اہم و معتبر قلم کاروں کی توصیفی آرا شاملِ اشاعت ہیں۔

سیّد صاحب ایک خوش الحان شاعر ہیں۔ وہ نعت خواں بھی ہیں اور نعت گو بھی۔ بنابریں ان کی غزل ہو یا حمد، نعت ہو یا منقبت، اس میں غنائیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ ان کی خوش الحانی خالصتاً شاعرانہ ہے، جو مسحورکن حد تک اثرانگیز ہے۔ وہ مشاعرے کے ایک کامیاب ترین شاعر متصور ہوتے ہیں۔ بلاشبہ انھیں شعر کہنے کا بھی سلیقہ ہے۔ غزل کے ساتھ ساتھ وہ حمد و نعت و منقبت کے آداب سے بھی کماحقہ واقف و آگاہ ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خوبی جذبہ و خیال کی یک جائی ہے۔ جس کا انھوں نے ''خلق مجسم'' میں بھرپور مظاہر کیا ہے۔ ہمیں نعت و منقبت میں ان کے توازن و اعتدالِ فکر نے بطورِ خاص متاثر کیا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

بلا کے عرش پہ پردا اٹھا دیا تُو نے ۔۔۔ خود اپنے جلوے کو جلوہ دکھا دیا تُو نے

تمام عمر میں نعت و سلام لکھتا رہوں		تمام عمر اسی میں تمام ہوجائے
ہر گھڑی چشمِ تصور سے مدینہ دیکھوں		کاش! آ جائے مجھے یوں بھی نظارا کرنا

میں تو چند سجدے گزار آیا ہوں سر زمین حجاز میں
ابھی بے حساب تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

سنتا ہوں جب روایت شق القمر کہیں		پاتا ہوں اپنے سینے میں رشکِ قمر کو میں
پتا خدا کا خدا کے نبی ﷺ سے ملتا ہے		کہ روشنی کا پتا روشنی سے ملتا ہے
لو اٹھ گیا حائل تھا جو پردہ مرے آگے		ہر وقت ہے اب منظر طیبہ مرے آگے
وہ جس کے حکم سے عیسیٰ ہوئے تھے بے پدر پیدا		ابوطالبؓ کا کعبے میں ہوا نورِ نظر پیدا
ہوئے نام خدا پیدا خدا کے گھر میں تو گویا		''خدائی جگمگا اٹھی ہوا ایسا قمر پیدا''

کتاب کے صفحات ۲۲۴ ہیں، قیمت ۲۵۰ ر روپے ہیں اور اسے دبستانِ وارثیہ کراچی نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

ارمغانِ حافظ (نعتیہ مجموعہ) / حافظ عبدالغفار حافظؔ

فی زمانہ نعت گوئی کے رجحان میں جو ارزانی ہے، وہ بہر زاویۂ نگاہ باعثِ طمانیت ہے۔ ربع صدی سے پہلے تک شعرا کے دواوین میں ایک آدھ نعت بطورِ تبرک شاملِ اشاعت ہوتی تھی۔ آج شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو، جس کا نعتیہ مجموعہ شائع نہ ہوا ہو یا وہ شائع کرنے کا متمنی نہ ہو۔ بعض شعرا نے خود کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا ہے، بلکہ وہ غزل گوئی اور نظم نگاری سے تائب ہوگئے ہیں۔ نعت کے حوالے سے اس خوش گوار و خوش آئند صورتِ حال پر جس قدر مسرت کا اظہار کیا جائے، وہ کم ہے۔ بایں ہمہ اربابِ علم و دانش اور اہلِ نقد و نظر کے لیے یہ امر ذہنی خلجان کا باعث ہے کہ آئے دن شائع ہونے والے نعتیہ مجموعوں میں سے اکثر سیرت و سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کے اظہار و بیان سے عاری ہیں۔ حالاں کہ نعت کا بنیادی تقاضا ہی حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت نگاری ہے۔ نعت کے لغوی معنی مدح و ثنا یا تعریف و توصیف کے ہیں۔ جب تک مدح و ثنا یا تعریف و توصیف کا کوئی منطقی جواز پیش نہ کیا جائے، وہ قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ ایک ایسی ذات والا صفات جو نوعِ انسانی کے لیے کردار و عمل کا ایک بہترین بلکہ حتمی نمونہ ہو، ان کے اسوۂ حسنہ کے ذکر سے پہلوتہی کرنا قابلِ رشک عمل نہیں ہے۔ نعت کہتے ہوئے محبوبِ خدا کی ذات و

شخصیت سے صرف جذباتی لگاؤ کا اظہار ہزار مستحسن سہی لیکن نعت کی تعریف پر کماحقہ پورا نہیں اُترتا... بہرطور ہم یہ اعتراف کرنے میں بھی متامل نہیں ہیں کہ کبھی کبھی ایسے نعتیہ مجموعے بھی نظر نواز ہوتے ہیں، جو نعت کے حقیقی معانی و مطالب کی تفہیم کراتے ہیں۔ حافظ عبدالغفار حافظؔ کا نعتیہ مجموعہ ''ارمغانِ حافظ'' ایسے ہی نعتیہ مجموعوں میں سے ایک ہے۔

''ارمغانِ حافظ'' پہلی بار ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ ہمارے پیشِ نظر ترمیم و اضافہ شدہ نسخہ ہے، جس کی اشاعت ۲۰۰۲ء میں ہوئی ہے۔ حافظ عبدالغفار حافظؔ ایک فطری شاعر ہیں، مگر ان کا شعری وجدان نعتیہ فکر سے عبارت ہے۔ انھوں نے اپنے ممدوح کو ان کی سیرت و کردار کے آئینے میں دیکھا ہے، صرف دیکھا ہی ہیں ہے، بلکہ جانا، پہچانا اور سمجھا بھی ہے۔ حافظؔ صاحب محمد ﷺ شناسی کی قابلِ رشک منزل پر ہیں۔ ان کا ذہن روشن، قلب مصفّا اور روح دنیوی لوث سے پاک ہے۔ ایسے ذہن، قلب اور روح کے منزہ آئینوں میں کسی تقدس مآب صنفِ سخن کا نور ہی منعکس ہوسکتا تھا:

حافظؔ مری حیات کا اصل اصول ہے — نعتِ رسول ﷺ، حمد خدائے غفور کی
کہتا کس طرح میں غزل حافظؔ — نعت گوئی مرا مقدر تھا

فی زمانہ جدت نگاری کو روایتی اسلوب بیان پر اہمیت و فوقیت دی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں جدت نگاری بجائے خود ایک قابلِ تحسین عمل ہے۔ لیکن اس کی آڑ میں دُور ازکار خیالات و افکار پیش کرنا اور ابہام انگیز اسلوبِ بیان اپنانا شعری خودکشی کے مترادف ہے۔ ہماری نظروں سے بزعمِ خویش جدید رنگ و آہنگ کی کئی ایسی نعتیں گزری ہیں، جن کے کسی لفظ، ترکیب، مصرع یا شعر سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ نعتیہ فکر کی مظہر ہیں۔ اس منظرنامے میں ان نعت گوشعرا کی اہمیت اور ان کے کلام کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ جو روایت کے پاس دار ثابت ہوئے ہیں۔ حافظ عبدالغفار حافظؔ ایک روایت پسند نعت گو ہیں اور نعت کے حوالے سے وضع کردار روایتی اصول وقواعد کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ البتہ مضمون آفرینی میں انھوں نے اپنی فکری اپج کا مظاہرہ کیا ہے اور لکیر کا فقیر ہونے کے الزام سے خود کو بچا لیا ہے۔ نعت کے چند مروّج مضامین میں انھوں نے کسی مہارت سے نئے نئے فکری و فنی زاویے پیدا کیے ہیں، ملاحظہ ہوں:

کوئی کہیں سے چھیڑے افسانہ زندگی کا — ہے اسوۂ محمد ﷺ پیمانہ زندگی کا
اسوۂ احمد مختار ﷺ پہ چلیے ورنہ — ٹوٹ کر شیشۂ کردار بکھر جائے گا

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

دل مدحِ پیمبر ﷺ میں ہے مصروف ازل سے پر نطق ابھی حرفِ ثنا ڈھونڈ رہا ہے
مدینہ ایسی بستی ہے نگاہِ عشق و مستی میں اگر پہنچیں تو جی اٹھیں، اگر لوٹیں تو دم نکلے
گلشنِ کائنات میں سب سے بڑے وہی تو ہیں بعد خدا حضور ﷺ کو دل جو کہے قرار دو

کلاسیکی روایت اپنی ایک مخصوص لسانی تہذیب رکھتی ہے۔ اس تہذیب کو اپنا کر اظہار و بیان قدامت پسندی کا جامہ بھی نہیں سکتا ہے۔ اور اعلا شعری روایات کی امانت داری و تحفظ کی دستارِ فضیلت بھی باندھ سکتا ہے۔ کیوں کہ یہی وہ تہذیب ہے جو ہمارے شعری تشخص کی اساس ہی نہیں، پہچان بھی ہے۔ حافظ عبدالغفار کی نعتیہ شاعری کی قد و قامت پر اس اساسی تہذیب کے لوازم کا ملبوس چست بیٹھتا ہے۔ جسے انھوں نے اساتذہ کی زمینوں میں طبع آزمائی کے رنگ سے مزید دل کش بنا دیا ہے۔ ان کی ولی دکنی کی زمین میں کہی ہوئی نعت کلاسیکی روایت کی لسانی تہذیب کی نہایت عمدگی سے نمائندگی کرتی ہے۔

دعوئ عشقِ محمد ﷺ اس کا باطل جانیے شرع کے احکام میں جو شخص من مانی کرے
رفعتِ محبوبِ رب کی جب کوئی حد ہی نہیں کس طرح اس کا احاطہ عقلِ انسانی کرے
ہے سوائے مصطفےٰ ﷺ ایسا کوئی فرماں روا بیٹھ کر جو فرش خاکی پر جہاں بانی کرے

بے شک ''ارمغانِ حجاز'' نعت کے حوالے سے ایک تحفہ ہے۔

کتاب کے صفحات ۱۴۴ ہیں اور قیمت ۱۰۰ روپے اس کتاب کو اقلیمِ نعت کراچی نے شائع کیا ہے۔

روشنی ہی روشنی/ ماجد خلیل

ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ نعتیہ مجموعہ ''روشنی ہی روشنی'' فکر و فن اور عقیدت و ارادت مندی کا ایک ایسا شہکار ہے جو کم از کم ہمیں ایک زمانے کے بعد دیکھنے کو ملا ہے۔ فی زمانہ جس سرعت و کثرت سے شاعری ہو رہی ہے، اُسی نسبت سے شعری معیار بھی رو بہ زوال ہے۔ خصوصاً غیر معیاری نعتیہ مجموعوں کی یلغار نے ایک لمحۂ فکریہ کی صورت پیدا کر دی ہے۔ ہمارے خیال میں غزل و نظم کے مقابلے میں نعت کے آبگینے زیادہ نازک اور حساس ہیں۔ طرفہ ستم یہ ہے کہ ہر تک بند اور قافیہ پیما شاعر اسی صنفِ سخن پر مشق بیداد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ہماری نظروں سے متعدد ایسے نعتیہ مجموعے گزرے ہیں، جو نہ صرف فکر و فن کے اعتبار سے قلاش

ہوتے ہیں، بلکہ جنھیں پڑھ کر ایمان غارت اور ایقان کافور ہوجاتا ہے۔ ہمارے بس میں ہوتا تو ہم شاعری خاص کر نعت گوئی کے لیے Eligibility Certificate کے حصول کو ناگزیر ٹھہراتے۔

''روشنی ہی روشنی'' معروف نعت گو ماجد خلیل کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے، جو ۲۰۰۱ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اس مجموعے کی ہر نعت اظہار و بیان کا ایک عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ بالخصوص درج ذیل دو نعتیں، جن میں سے ایک ایوارڈ یافتہ ہے، نعت گوئی کا ایک نیا معیار قائم کرتی ہیں۔ ان نعتوں میں آدابِ نعت کا جس مہارت سے خیال رکھا گیا ہے، اس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں۔ بلاشبہ ماجد خلیل مقامِ رسالت اور ذات و صفات سرکارِ رسالت ﷺ کے نورِ عرفان سے سرشار و مستنیر ہیں۔ جذبہ، خیال اور لفظیات کی نیرنگی و جدت سے متصف یہ نعتیں نعتیہ ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں:

صحنِ حرم سے دیکھ رہا ہوں، حدِ نظر سے آگے بھی
دست دعا ہے بابِ اثر تک، باب اثر سے آگے بھی

سوچو تو معراجِ نبی ﷺ نے، یہ بھی اک احسان کیا
فہمِ بشر کو وسعت دے دی، فہمِ بشر سے آگے بھی

اہلِ ہنر نے نعتِ نبی ﷺ سے، کیا کیا فیض اٹھائے ہیں
کسبِ ہنر سے عرضِ ہنر تک، عرضِ ہنر سے آگے بھی

لازم تھا قوسین کا پردہ، ورنہ تکلف کیا معنی
آئینہ کیا جاسکتا تھا، آئینہ گر سے آگے بھی

قسمت ماؔجد اوّل و آخر، آپ ﷺ کی چوکھٹ آپ ﷺ کا در
آپ ﷺ کی چوکھٹ سے پہلے بھی، آپ ﷺ کے در سے آگے بھی

☆

میں بہک سکوں یہ مجال کیا مرا رہنما کوئی اور ہے
مجھے خوب جان لیں منزلیں یہ شکستہ پا کوئی اور ہے

مری التجا ہے یہ دوستو کبھی تم جو سوئے حرم چلو
تو بنا کے سر کو قدم چلو کہ یہ راستہ کوئی اور ہے

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

بہ جز ان کے رحمت دوجہاں بہ جز ان کے عرش کا میہماں
یہ ملا جواب کوئی نہیں، یہ سوال تھا کوئی اور ہے؟
جو تمھاری جالی سے متصل ہے ستوں کے پیچھے خجل خجل
نہیں میں نہیں وہ مریضِ دل نہ مرے سوا کوئی اور ہے

ماجد خلیل نعت گوئی کی جس مسندِ جلیلہ پر متمکن ہیں، اس کے اوج کا اندازہ لگانے کے لیے دستار تھامنا پڑتی ہے۔ آغاز سے تمت تک شعری حسن کا ایک سا معیار رکھنا بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ خدا جانے یہ دودھ کی نہر نکالنے کے لیے ماجد خلیل کو ریاضت و مجاہدے کے کتنے بے ستون کاٹنے پڑتے ہیں۔ ہر چند ماجد خلیل نے روایت کی زنجیر پائے سخن میں رکھی ہے اور نعت کے مانوس مضامین پر طبع آزمائی کرنے میں عار محسوس نہیں کی ہے، تاہم یہ کہے بنا چارہ نہیں ہے کہ انھوں نے منفرد اور اثرانگیز اندازِ بیان اور سلیقہ شعر سے پامال مضامین میں بھی نئی معنویت اور نیا لطف پیدا کر دیا ہے:

مسئلہ بھی حل کیا، درسِ اخوت بھی دیا سنگ کی تنصیب حسبِ شانِ پیغمبر ﷺ ہوئی
پیغمبروں میں صاحبِ اسریٰ کوئی نہیں اچھے سبھی ہیں آپ ﷺ سے اچھا کوئی نہیں
ویسے تو بے شمار ہیں ماجدؔ مرے گناہ آقا ﷺ نہ بخشوا سکیں ایسا کوئی نہیں
اعمال کی رو سے ہے بہت ضعف یقیناً لیکن مری ہر نعت سہارے کی چھڑی ہے
صرف توصیف ہی نہیں کافی ان کی تقلید بھی ضروری ہے

روایت کی پاسداری ایک اچھی بات ہے، لیکن روایت کا اسیر بن کر رہ جانا قابلِ رشک عمل نہیں ہے۔ ماجد خلیل کی نعت گوئی نعت کے روایتی اسلوب کو بھی آگے بڑھاتی ہے۔ اور فکر و خیال کی تازہ کاری بلکہ نادرہ کاری کا مظاہرہ بھی کرتی ہے۔ ہمارے مطالعے کے مطابق انھوں نے بعض نعتیہ اشعار میں ایسے مضامین نظم کیے ہیں، جو ان کی فکر و تخیل کی originality کی شہادت دیتے ہیں۔ مضمون آفرینی کی ایک نئی جوت جگا کر ماجد خلیل نے خود کو ایک genuine شاعر ثابت کیا ہے:

ان کی خاکِ پا کے ذرّوں میں ہے اب میرا شمار یعنی ماجدؔ خاکساری کی مہم بھی سر ہوئی
ایک وہ دن تھا کہ ہونا پڑا دہلیز بدر ایک یہ دن ہے کہ دنیا تری دہلیز پہ ہے
جز محمد ﷺ اور قرآں کوئی بھی عکس پورا ہے نہ پورا آئینہ

جو محمد ﷺ کی شریعت کی کماں سے نکلیں کاش! ہوجائیں وہ سب تیر ترازو دل میں
سو بار ہوئی سجدہ کناں بھی اسی در پر سو بار یہی عقل ہے جو دل سے لڑی ہے

غزل میں نعت کا رنگ لانا ایک سہل عمل ہے، مگر نعت میں تغزل پیدا کرنا ایک کٹھن کام ہے۔ ماجد خلیل بنیادی طور پر ایک غزل گو ہیں۔ ان کی غزلیں تو ہمارے مطالعے میں نہیں آئی ہیں، البتہ نعت میں انھوں نے جس چابک دستی سے حسنِ تغزل کا اہتمام کیا ہے، اس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں غزل کہنے کا سلیقہ ہے۔ نعت کو غزل رنگ بنانا ہر کہ و مہ کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ محبوب سے متعلق جذبات و احساسات ظاہر کرتے ہوئے تقدس سے لبریز اظہار و بیان کو ٹھیس پہنچنے کا ہمہ وقت اندیشہ رہتا ہے، جب کہ آنحضور ﷺ کی محبت سے لبریز اشعار کبھی کبھی عام محبوب کے لیے کہے گئے محسوس ہوتے ہیں۔ ماجد خلیل اس فنی رمز سے مکمل طور پر آگاہ ہیں۔ انھوں نے سرکار مدینہ ﷺ سے اپنے دیوانہ وار لگاؤ اور وابستگی کے والہانہ اظہار میں کمال احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے عاشقانہ اشعار محبوبِ خدا ہی سے عشق کی تعبیر کرتے ہیں:

سفر میں ہر قدم پر جلوۂ منزل تھا آنکھوں میں مگر منزل پہ جب پہنچے تو تنہا دل تھا آنکھوں میں
دل پہنچ جاتا ہے پہلے جسم اپنے وقت پر اک معجّل حاضری ہے اک موجل حاضری
بن کے رہتی ہے نبی ﷺ کے شہر میں دن کا راجہ رات کی رانی بہار
سنا ہے آنکھ میں آنسو، گلے کا رندھ جانا اشارے ہیں جو دعا میں اثر کے دیکھتے ہیں
یوں تو اک بھیڑ کا عالم ہے تری چوکھٹ پر ورنہ ہر شخص اکیلا تری دہلیز پہ ہے

غم دُوری میں تڑپاتی ہیں کیف قرب کی یادیں
ہیں اب طوفاں طلب آنکھیں کبھی ساحل تھا آنکھوں میں

کسی نے لکھا ہے کہ ماجد خلیل نعت دماغ سے نہیں دل سے لکھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں نعت گوئی میں ان کے دل و دماغ دونوں شامل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور ﷺ سے ان کی محبت کسی انتہا تک محدود نہیں ہے، لیکن کسی بھی انتہا سے گزرتے ہوئے وہ ''با محمد ہوشیار'' کا قرینہ ترک نہیں کرتے۔ اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ انھوں نے تمام نعتیں عشقِ نبی ﷺ میں ڈوب کر لکھی ہیں، مگر اظہار و بیان کو متوازی رکھنے کی مقدور بھر شعوری کاوش بھی کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے ہاں کوئی مضمون، خیال یا لفظ ان کی فکری دیوانگی کو ظاہر نہیں کرتا۔ انھوں نے عبدیت اور الوہیت میں جو فاصلہ ہے اسے برقرار رکھنے کی کامگار سعی کی ہے۔ حتیٰ کہ کسی مقام پر

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

ان کی عقل کی تشکیک و اشتباہ کا شکار ہوئی ہے تو اس کا بھی انھوں نے برملا اظہار کر دیا ہے:

سو بار یہی عقل ہے جو دل سے لڑی ہے — سو بار ہوئی سجدہ کناں بھی اسی در پر
عقل کی ذہانت سے میں نے آپ ﷺ کو سوچا — روح کی نگاہوں سے آپ ﷺ کی زیارت کی
کافی نہیں ہے دیکھنا، سوچ، ہے کیا چمک دمک — مجھ کو مری نگاہ نے ماجدؔ یہ مشورہ دیا
کس قدر قرینے سے میں نے آپ ﷺ کو سوچا — عقل و دل رہے مصروف اس عمل میں بالترتیب
جو نہیں تھا اسی سائے کے تو سائے ہوئے لوگ — زیرِ تحقیق ہے یہ معجزہ ہر چند مگر

شاعری میں خودکلامی ایک مشکل فن ہے۔ ماجدؔ خلیل کو اس فن پر بھی عبور حاصل ہے۔ ان کا نعتیہ خودکلامی کے وصف سے بھی متصف ہے۔ ان کی خودکلامی خاص طور پر ان کی ذہنی، قلبی اور روحانی واردات و کیفیات کی ترجمان بن کر سامنے آئی ہے۔ خودکلامی میں بھی ماجد خلیل نے مضامین کے تنوع کی خوبی کو برقرار رکھا ہے۔ ان کا استفہامی انداز بھی منفرد نوعیت کا ہے۔ انھوں نے استفہام کے بین السطور تیقن کی جو جوت جگائی ہے، وہ قابلِ داد ہے:

چراغِ شب کے ستارے سحر کے دیکھتے ہیں — سنا ہے عابد شب زندہ دار کے آنسو
اشارے ہیں جو دعا میں اثر کے دیکھتے ہیں — سنا ہے آنکھ میں آنسو گلے کا رندھ جانا
فلک سے جن کو فرشتے اُتر کے دیکھتے ہیں — سنا ہے سجدہ گزار ایسے بھی زمین پہ ہیں
ستارہ ہوا تا ابد حرف حرف — یہ کس نور کی مدح میں نے لکھی

ماجد خلیل نے ایک شعر یہ بھی کہا ہے:

نہ ہے حمد حمد جیسی نہ ہے نعت نعت جیسی
مرے شہرِ فکر کے ہیں ابھی خام گلیاں کوچے

ہمارے خیال میں اس شعر میں انھوں نے کسرنفسی سے کام لیا ہے۔ ہم انھیں مژدہ سناتے ہیں کہ انھوں نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے، وہ حطیم میں مانگی ہوئی دعا کے طفیل پایۂ تکمیل پہنچ گئی ہے۔ ان کی نعت قصیدۂ محسنؔ کی بھی یاد دلاتی ہے اور مسدسِ حالیؔ کی بھی...

کتاب کے صفحات ۱۶۰ ہیں اور قیمت ۳۰۰ روپے ہے۔ اس خوب صورت کتاب کو دبستانِ وارثیہ کراچی نے شائع کیا ہے۔

نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا...ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ/ ڈاکٹر سراج احمد قادری

بیسویں صدی کے آخری دو دہائیاں اردو نعت گوئی کے حوالے سے خاصی اہمیت کی

حامل ہیں۔ ان دہائیوں کے دوران میں اردو نعت پر تخلیقی، تنقیدی، تحقیقی ہر سطح پر خوب کام ہوا ہے۔ جب کہ اکیسویں صدی کے آغاز ہی سے اس روایت کو آگے بڑھانے کے شواہد ملے ہیں۔ ''نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا...ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے جلد اس مقالے کا پہلا حصہ ہے، جو ڈاکٹر سراج احمد قادری نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے لکھا ہے۔ اس کی دوسری جلد ''مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری...ایک تحقیقی مقالہ'' اپنے اصل عنوان کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں دہلی (بھارت) اور ۲۰۰۰ء میں لاہور (پاکستان) سے چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری یو پی کے ضلع بستی سے تعلق رکھتے ہیں۔ علم و ادب کے دل دادہ اور تحقیق و ترجمہ کے شائق ہیں۔ وہ درسِ نظامیہ کے فاضل، فارسی میں کامل، اردو میں ایم اے اور نعتیہ ادب میں پی ایچ۔ ڈی ہیں۔ پیشِ نظر مقالے کے علاوہ ان کے علمی و ادبی خصوصاً تحقیق و ترجمہ کے کام کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری...ایک تحقیقی مطالعہ

۲۔ مزارات پر عورتوں کی حاضری...اردو سے ہندی ترجمہ

۳۔ حقوقِ والدین... فارسی سے اردو ترجمہ زینت الاسلام

۴۔ عمدۃ الاسلام... فارسی اردو ترجمہ زینت الاسلام

۵۔ امام احمد رضا کے محققین ہندوستانی یونی ورسٹیوں کے حوالے سے

زیرِ نظر مقالہ خالصتاً ایک تحقیقی مقالہ ہے، جسے پُر مغز بنانے کے لیے مقالہ نگار نے محنت شاقہ سے کام لیا ہے۔ اور اپنے قائم کردہ ابواب کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کرنے کی کامگار کاوش کی ہے۔ ان کا مطالعہ عمیق و بسیط ہے۔ البتہ ان کی بیان کردہ روایتوں اور حوالوں کو محقق و نقاد ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرؔر مصباحی نے نشانۂ ہدف بنایا ہے، بلکہ کسی حد تک رد کر دیا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''مقالے کو دقتِ نظر سے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع کی مناسبت سے موصوف کو جہاں سے جو کچھ ملا، انھوں نے بے کم و کاست اسے لے لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر معتبر اہلِ قلم نے اپنی کتابوں میں جو رطب و یابس جمع کر رکھا تھا، وہ اس مقالے کا مقدر بن گیا۔'' ہمارے خیال میں ایک کڑا احتساب اور سخت گیر انتقادی رویہ ہے، جو ناانصافی کی حد تک حوصلہ شکن ہے۔ حالاں کہ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ قادری صاحب نے کوئی معتبر سے معتبر یا ضعیف سے ضعیف روایت و حوالہ کسی ادّعا کے ساتھ پیش

D:NaatRang-16
File: Hasil-1
Final

نہیں کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے ہر موضوع پر حتیٰ الامکان وافر معلومات بہم پہنچا کر ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ بلاشبہ یہ معلومات آنے والے محققین کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔ ڈاکٹر قادری نے اپنے مقالے میں نعت کے تعارف اور تدریجی ارتقا کے حوالے سے جو ابواب قائم کیے ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔ ان ابواب میں ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف دقتِ نظر سے کام لیا ہے بلکہ نعت کے لیے اپنے قلبی اخلاص کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔

☆ عربی کی مستند لغات سے نعت کے ممکنہ معانی و مطالب (عربی زبان کی معتبر لغات لسان العرب، صحاح جوہری، صراح، جمہرۃ اللغۃ اور تاج العروس وغیرہ کی روشنی میں)

☆ عربی میں نعت گوئی کا چلن

☆ عہدِ رسالت کے بعد عربی میں نعت گوئی کی روایت

☆ عجمی زبانوں میں نعت گوئی کا اجمالی منظرنامہ

☆ ہندوستان میں نعت گوئی کا تاریخی منظرنامہ (متقدمین، متوسطین، متاخرین تا مولانا احمد رضا خان بریلوی)

کتاب کے صفحات ۲۷۲ اور قیمت ۷۵/ روپے ہے اور اسے رضوی کتاب گھر جامع مسجد دہلی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

خطوط

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی۔ بھارت

نعت کے موضوع پر نو عدد کتابیں موصول ہوئیں۔ اس قیمتی تحفے کے لیے تہہِ دل سے شکرگزار ہوں۔ ہر کتاب معلوماتی اور نقد و نظر کی حامل ہے۔ دھیرے دھیرے مطالعہ کر رہا ہوں۔ ابھی تک اردو میں نعتیہ کلام اور نعت گوئی کے فن کو داخلِ نصاب نہ کیا جاسکا۔ ایک تو یہ کہ اس میں احتیاط اور خوف بے ادبی مانع ہے۔ دوسرے یہ کہ اب تک ایسی کوشش نہیں کی گئی تھیں کہ بحیثیتِ فن نعت گوئی کو فکر و نظر کا موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ بہت دشوار کام ہے لیکن اگر اہلِ ادب اس کی طرف توجہ کرتے رہے تو اُمید ہے کہ اس صنفِ سخن کو بھی ادب کا معیار دیا جائے۔

میں فارسی زبان میں بھی کبھی کبھی نعتیں لکھتا رہا ہوں اور یہ اسلام آباد کے مجلّہ ''دانش'' میں چھپتی رہی ہیں۔ چوں کہ میں عرصہ دس سال سے فراش ہوں۔ بائیں پاؤں کی ایک ہڈی ٹوٹ چکی ہے اس لیے زیادہ فعال نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ مجھے فارسی موضوعات پر زیادہ لکھنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد کچھ اردو ادب اور اسلامیات پر بھی لکھتا رہتا ہوں۔ فنِ رباعی پر میری ایک کتاب ''مقدمۂ رباعی'' چھپ چکی ہے۔ رباعیات کا ایک مجموعہ ''آیات'' بھی چھپ چکا ہے۔ شعری مجموعہ (غزل و نظم وغیرہ) طباعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ نعت اُسی وقت لکھتا ہوں جب طبیعت پر کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ تصوف بھی میرا ایک خاص موضوع ہے۔ اس پر ایک کتاب بھی آچکی ہے۔

''دانش'' کے شمارہ ٦٦۔٦٧ میں میری لکھی ہوئی فارسی زبان میں ایک نعت شائع ہوئی

ہے۔ اس خط کے صفحہ پر یہ نقل کر رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو ''دانش'' کا حوالہ دے کر اسے ''نعت رنگ'' میں شائع کر سکتے ہیں۔

''نعت رنگ'' کے سبھی معماروں کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

شاہ مصباح الدین شکیل۔ کراچی

تقریباً دو سال بعد اپنے سفرِ سعادتِ عمرہ و سیاحت یورپ، کنیڈا و امریکا واپسی پر ''نعت رنگ'' کے شمارے نمبر۱۳ اور۱۴ کو تفصیل سے پڑھنے کا موقع ملا۔ ''اقلیمِ نعت'' کا ہر رکن اپنی جگہ دامنِ دل پر ہاتھ رکھے رہا اور فروغِ نعت کے لیے آپ کی مخلصانہ خدمات کا احساس دلاتا رہا۔ آٹھ سال کی قلیل مدت میں ''نعت رنگ'' کا پاک و ہند کا معیاری اور صنفِ نعت کا منفرد ترجمان بن جانا...آپ کی عاجزانہ دعائیہ پیش کش۔

میرے فکر و فن کا میری زیست کا
نعت عنوان ہے خدا کا شکر ہے

کی قبولیت کا اشارہ اور بین ثبوت ہے۔ آپ نے ''سپردم بہ تو مایۂ خویش را'' کی صورت میں اپنی صلاحیتوں کا نذرانہ پیش کیا... ''پست وہ کیسے ہوسکتا ہے جس کو حق نے بلند کیا'' تاویل کے دروازے نت نئے انداز میں کھل رہے ہیں۔ اللہ مبارک کرے۔

دونوں شماروں میں شمارہ نمبر۱۲ کے بہت حوالے ہیں جس میں ''گوشۂ غالب'' بھی ہے۔ اردو ادب کے ہر طالب علم کے لیے ''غالب'' فکر و فن کا استعارہ ہے۔ آپ نے یہ شمارہ عنایت نہیں کیا۔ اس کے بغیر میرا سیٹ تو نامکمل ہوگا ہی لیکن ''رندِ خراباتی'' کے ہمسایۂ خدا بننے کے لیے ثنائے خواجہ کی مرتبہ دانی بھی ایک راستہ ہے۔ اس کے سراغ سے محروم نہ رہ جاؤں۔ ذہنِ غالب کی یہ پرواز الہامی دریافت سے کم نہیں۔ مومنانہ فراست، نسبتوں کے اخلاص سے شاعر کے تخیل کی رسائی دیکھیے:

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد ﷺ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اس لیے تو غالب جیسے خود پسند نے:

پیتا ہوں دھو کے خسرو شیریں سخن کے پاؤں

کی نسبت قائم کی۔

''نعت رنگ'' کے خطوط دلچسپ اور ازدیادِ علم کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ کیا یہ بہتر ہوگا کہ جہاں تشنگی ہو قاری براہِ راست رابطہ پیدا کرلے۔ انفرمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں میری تجویز کہ جہاں تک ممکن ہو مضمون نگار/ شاعر/ مکتوب نگار کا پوسٹل اڈریس اور ٹیلی فون نمبر بھی چھاپ دیجیے۔ اس سے ربط واخلاص کی نئی راہیں کھل جائیں گی۔

خط یہاں روک کر ۱۲ ویں شمارے کی درخواست کے لیے گھر ٹیلی فون کیا تو بیگم صبیح نے بتایا کہ وہ تو عمرہ پر گئے ہوئے ہیں۔ بے اختیار آپ کا ایک شعر یاد آگیا:

مدینہ جاؤں، آؤں، پھر سے جاؤں
خدا تا عمر رکھے اس سفر میں
(آمین)

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

تازہ شمارے میں منصور ملتانی کا مضمون ''منظوم سیرتِ رسول ﷺ'' پر تھا، لیکن انھوں نے صرف گیارہ منظوم سیرتوں ہی کا تذکرہ کیا تھا۔ اس لیے میں نے بقایا تمام منظوم سیرتوں کو قارئین ''نعت رنگ'' کی نظروں میں لانا مناسب سمجھا۔ اسی کے پیشِ نظر ''اردو میں سیرت نگاری'' کے عنوان سے ایک مضمون تیار کر کے روانہ کر رہا ہوں۔ اُمید کہ پسند آئے گا۔

''لوک گیتوں میں نعتِ رسول ﷺ'' کا مواد تیار ہے۔ بلاقیؔ کے ''معراج نامے'' پر بھی ضروری نوٹس تیار ہیں۔ ''صفوتؔ کے ''معراج نامے'' پر مجھے تفصیل سے لکھنا ہے۔ اس کے علاوہ چند اور عنوانات کے ضروری نوٹس میرے پاس موجود ہیں۔ صرف فرصت درکار ہے۔ دیگر بہت سارے احباب کی فرمائشیں بھی پوری کرنی پڑتی ہیں۔ اس لیے مضامین لکھنے میں دیر ہوجاتی ہے۔

آپ نے میرے حمدیہ ونعتیہ مضامین کے متعلق دریافت کیا تھا۔ سو مختصراً عرض ہے کہ ''معارف'' (اعظم گڑھ)، ''ترسیل'' (ممبئی)، ''قرطاس'' (ناگپور)، ''منصف'' (حیدرآباد)، ''تناظر'' (حیدرآباد)، ''شاعر'' (ممبئی)، ''اردو میلہ'' (ناگپور)، ''انشا'' (کلکتہ)، ''طلوع'' (سہسرام)، ''ایوانِ ادب'' (دہلی)، ''پیش رفت'' (دہلی) وغیرہ رسائل میں میرے مضامین حمد و

نعت پر شائع ہوئے ہیں۔ تکمیل (بھیونڈی، ممبئی) کا خصوصی شمارہ حمد نمبر میں میرا ایک طویل مضمون شامل ہے۔ ''قرطاس'' (ناگپور) کا ودربھ (نام علاقہ کا) کا نعتیہ ادب نمبر شائع ہو رہا ہے۔ اس میں میرے دو تین مضامین رہیں گے۔ محترم رفیع الدین اشفاق ناگپور ہی میں مقیم ہیں۔ نعتیہ ادب پر اُن کا برصغیر میں پہلا تحقیقی کام ہے۔ ان کا مقالہ کراچی سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ یہاں نعتیہ ادب پر بعد میں جتنا بھی تحقیقی کام ہوا ہے اس کا بیشتر حصہ اسی کتاب کا مرہونِ احسان ہے۔ میں اپنے مضمون میں اس نکتے کی نشان دہی کروں گا۔ یہ مضمون ان شاء اللہ ''نعت رنگ'' کو بھی روانہ کروں گا۔

''نعت ریسرچ سینٹر'' کی سرگرمیاں تو اب بلاشبہ بڑھ گئی ہوں گی۔ خواہش ہے کہ ریسرچ سینٹر کی کسی تقریب میں حاضری دے کر نیاز حاصل کروں۔ اب تو الحمدللہ دونوں ممالک کے درمیان حالات بھی اچھے ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوش حالی اور بھائی چارگی کی یہ فضا ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔ دہلی، لاہور بس بھی شروع ہوگئی ہے۔ ''نعت ریسرچ سینٹر'' کے کسی پروگرام میں اس خاکسار کو بھی مدعو کریں تو ان شاء اللہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے رفیع الدین صاحب بھی ہمراہ ہوجائیں۔ کسی قریبی تقریب کا دعوت نامہ وہاں کے اجازت نامہ (ویزا) کے ساتھ مجھے مل جاتا ہے تو آپ سے ملاقات کی خاطر میں ضرور آجاؤں گا۔ ''نعت ریسرچ سینٹر'' اور نعتِ رسول ﷺ پر وہاں کی جانے والی تحقیق کے کاموں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

''نعت گو شعرا کے مذاکرے'' کے بارے میں آپ نے اچھا سوچا ہے۔ میں کوئی ایسی سبیل نکال کر نعت گو شعرا کو اپنے گھر جمع کرلوں گا اور ''مذاکرہ'' نقل کر کے آپ کو روانہ کر دوں گا، لیکن اس کے لیے پانچ چھ ماہ درکار ہوں گے۔ شاید اس درمیان درِ رسول ﷺ پر حاضری کا موقع فراہم ہوجائے۔

خدابخش لائبریری پٹنہ اور ظہیر غازی پوری کو آپ کے نامے روانہ کر دیے گئے ہیں۔ اس سے قبل بھی میں نے ظہیر صاحب کو ''نعت رنگ'' کے لیے لکھنے کا کہا تھا، اسمٰعیل آزاد صاحب کو بھی لکھ دیا تھا۔ یہاں کے نعت گو شعرا کو اپنی اپنی تصانیف ''نعت ریسرچ سینٹر'' کو بھیجنے کے لیے بھی یا تو فون پر کہہ دیا گیا ہے یا خطوط کے ذریعے انھیں اطلاع دی گئی ہے۔ میں اپنے حمدیہ نعتیہ مضامین کی فہرست تاریخِ اشاعت اور رسالے کے نام کے ساتھ جلد ہی روانہ کر دوں گا۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی

اللہ کریم جلّ شانہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے ہم سب کو مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت پر استقامت اور دارین میں عفو و مغفرت سے نوزے۔ آمین

ماہ میلاد شریف، ربیع الانور کی نورانی ساعتوں کا شمار پورا ہو رہا تھا کہ ''نعت رنگ'' کا پندرھواں شمارہ جلوہ افروز ہوا۔ اس درجہ محبت اور محنت کا یہ تسلسل بلاشبہ لائقِ تحسین اور قابلِ مبارک باد ہے۔ نعت شریف کی خدمت کے حوالے سے آپ کا نام بفضلہٖ تعالیٰ معتبر اور مشتہر ہوا ہے۔ اللہ کریم جل شانہ آپ کی ہمت وصلاحیت میں برکت اور اسے مفید و نافع فرمائے۔ آمین

سیّد الخطاطین الحاج حافظ محمد یوسف صاحب سدیدی مرحوم ومغفور سے خطاطی کروا کے اس فقیر نے ہر سال عیدِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر عید کارڈ شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ۱۹۷۴ء سے ہر سال یہ کارڈ شائع ہو رہا ہے۔ حافظ صاحب مرحوم کے بعد ان کے قابل قدر تلمیذ رشید جناب خالد یوسفی اس کی خطاطی کرتے ہیں، انھی کے قلم خوش رقم میں ''نعت رنگ'' کی لوح شمارہ ۱۲ سے آپ ہر شمارے کی زینت بنا رہے ہیں۔

حافظ صاحب مرحوم نے پانچ سال ''عید میلاد النبی ﷺ مبارک'' کے کارڈ کی خطاطی فرمائی۔ اللہ کریم جل شانہ نے انھیں خوب نوازا تھا، وہ جتنے اعلیٰ خطاط تھے اتنے ہی عمدہ انسان تھے۔ تیسری مرتبہ جو کارڈ تیار ہوا، اس کی خطاطی آپ نے انتخاب کی اور ''نعت رنگ'' کے پندرھویں شمارے کا سرورق اس سے مزین کیا۔ ''نعت رنگ'' کے وابستگان نے ضرور پسند کیا ہوگا۔

''نعت رنگ'' کے شمارے ۱۳۔۱۴ آپ نے اکٹھے شائع کیے تھے، ان میں شمارہ ۱۴ کی ضخامت بہت کم تھی جب کہ قیمت دونوں شماروں کی یکساں رکھی گئی تھی۔ شمارہ ۱۵ آپ نے شاید اسی لیے ضخیم کردیا کہ شمارہ ۱۴ میں صفحات کی کمی کی تلافی ہوجائے، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے بہت کم وقفے سے پھر ایک ضخیم شمارہ پیش کیا اور ''نعت رنگ'' کے وابستگان کو زیادہ انتظار نہیں کروایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

یقین مانیے کہ ماہِ ربیع الانور کے آخر سے ماہِ رجب کے آخر تک پندرھواں شمارہ میرے ساتھ تو رہا لیکن اتنی مہلت ہی نہیں ملی کہ اس شمارے کا توجہ سے مطالعہ کرتا۔ ملک بھر میں محافلِ میلاد شریف، جلسہ ہائے گیارھویں شریف، جامع مسجد گل زارِ حبیب ﷺ کا صد سالہ جشنِ

تعمیر، عالمی سُنّی ڈائریکٹری کی اشاعت، جماعتِ اہلِ سنت برطانیا کی طرف سے برمنگھم میں ساتویں عالمی سُنّی کانفرنس، ختمِ نبوت کونسل (یوکے) کے زیرِ اہتمام وَٹ فورڈ، لندن میں دسویں ''تحفظ ختمِ نبوت کانفرنس اور یورپین مسلم کونسل کی طرف سے'' عالمی پیامِ امن کانفرنس میں شرکت کے لیے بیرونِ ملک سفر، اقارب میں کئی افراد کی رحلت کے سانحوں اور دیگر متعدد امور نے ہمہ وقت مشغول رکھا۔ ماہِ رجب میں اباجان قبلہ علیہ الرحمہ کے سالانہ عرس مبارک کاانعقاد، عرس شریف کے موقع پر سالانہ یادگاری مجلّے کی اشاعت وترسیل، متعدد ممالک میں ماہِ رجب کے تیسرے جمعۃ المبارک کو ''سالانہ یومِ خطیب اعظم'' منانے کے اہتمام کے لیے رابطے، یہ سب کام اچھی خاصی توجہ چاہتے ہیں۔ اس دوران ٹیلے وژن کے مختلف چینلز کے لیے ریکارڈنگ، اچانک پیش آنے والے مسائل اور امور بھی خاصا وقت لے جاتے ہیں، مجھے کم خوابی کی شکایت اکثر رہتی ہے، تاہم قلم اور کتاب سے ناتا قائم ہے۔ اللّٰہ کریم جلّ شانہٗ کا کرم ہے کہ رواں دواں ہوں۔

آپ نے ماہِ رجب المرجب کے آخر میں کناڈا کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل فون پر بتایا تھا کہ ''نعت رنگ'' شمارہ۱۶ کے لیے تحریریں کمپوزنگ کے مراحل پوری کر چکی ہیں صرف خطوط کا حصہ باقی ہے۔ آپ کا مدعا واضح تھا، آپ میری تحریر کی بابت جاننا چاہ رہے تھے۔ عرض کی تھی کہ کوشش کروں گا کہ آپ کی کناڈا سے واپسی تک اپنی تحریر پیش کردوں۔ سچ پوچھیں تو مَیں کہنا چاہتا تھا کہ آپ کے کچھ قارئین کو میری تحریروں سے شکوہ ہے، آپ ''نعت رنگ'' میں میری تحریریں شامل کرکے انھیں کیوں ناراض کرتے ہیں؟ آپ کے ان احباب کو اگر یہ گمان ہے کہ مَیں کسی کو ناراض کرنے کے لیے لکھتا ہوں تو اُن پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سچ سے ناراض ہونا تو اہلِ ایمان کا شیوہ وشعار نہیں۔ میری تحریریں صرف ''نعت رنگ'' ہی میں نہیں، متعدد جرائد ورسائل میں شائع ہوتی ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ دو درجن سے زائد مستقل تصانیف زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور ان میں سے اکثر کتابوں کے دس سے زیادہ ایڈیشن طبع ہوئے ہیں۔ یہ اظہار پھر کر رہا ہوں کہ مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ مجھ سے تحریر وتقریر میں خطا نہیں ہوسکتی۔ میری تحریروں کے قارئین اور میری تقریروں کے سامعین گواہ ہیں کہ اپنی تحریر وتقریر میں میں احتیاط کے باوجود سرزد ہوجانے والی ہر خطا پر توبہ ومعافی ہی سے شغف رکھتا ہوں کیوں کہ اسی میں خیریت وعافیت ہے۔ بحمد اللّٰہ تعالیٰ مجھ سے اب تک کسی فی الواقع غلطی کو غلطی نہ ماننے کی غلطی نہیں ہوئی۔ پھر عرض کرتا

ہوں کہ ہر وہ قول و فعل جو مجھ سے سرزد ہوا، اس میں کوئی ایسی بات جو عند اللّٰہ حق نہیں، اس سے توبہ و رجوع کرتا ہوں اور اللّٰہ تعالیٰ سے طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔ یہ بات بھی پھر دُہراؤں گا کہ عقیدہ و ایمان کے حوالے سے میں بفضلہٖ تعالیٰ مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کا پابند ہوں اور اس باب میں کوئی شک وشبہ یا تردد نہیں رکھتا۔

''نعت رنگ'' کے پندرہ شماروں میں شائع ہونے والی میری تحریروں میں کسی خلافِ واقعہ یا غلط بات کی اب تک کسی ایک نے نشان دہی نہیں کی، البتہ کچھ تحریروں میں ''مسلکی اجارہ داری'' اور ''جدلیت'' کی بات کی گئی ہے لیکن کسی نے بھی کوئی ایسی بات واضح نہیں کی جسے وہ فی الواقع صرف ''مسلکی اجارہ داری'' ثابت کرسکیں۔ میری تحریر سے ان کا اختلاف کہیں ان کے اپنے مسلکی تشخص اور تعلق کی وجہ سے تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ خود توجہ فرمائیں کہ مجھ پر ان کے الزام کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ یہ لوگ کیوں نہیں دیکھتے کہ میری تحریروں میں تنقید و تحقیق کی بنیاد ہی تحفظِ ناموسِ رسالت (ﷺ) ہے۔ خوفِ خدا اور عشقِ رسول (ﷺ) کی بنیاد پر تحریروں میں بھی ہر وہ بات اور شخص قابلِ گرفت ہے جس میں شرعاً منفی اور ناروا تأثر ہے۔ قرآن کریم (کلام اللّٰہ) میں سے وہ آیات سبھی پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں جن میں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے آداب تعلیم فرمائے گئے ہیں، اگر کسی بھی شخص کی کوئی بات ان آداب سے متصادم یا ان کے برعکس ہو تو اس کا بیان جان کر ان افراد کو قرآن کریم کی پاس داری کرنی چاہیے یا اپنے و بے گانے کسی شخص کا لحاظ اور اس کی طرف داری کرنی چاہیے؟ کیا ان میں سے کوئی دعوٰی کرسکتا ہے کہ وہ ''خالی از معائب'' ہے یا اس کی تحریر و تقریر خالی از خطا ہے؟ ہم سب کو شکر کرنا چاہیے کہ ''توبہ و استغفار'' کے دروازے کھلے ہیں، یہ کرم ہے کہ یہ در کشادہ ہیں، خود یہ در بند کرنے والے سوچیں کہ وہ کیا ذخیرہ کررہے ہیں؟ میرے لیے سعادت کی بات ہے کہ مجھے اپنے بے عیب سیّدالمعصومین آقا ﷺ کے بارے میں کسی کی بھی معمولی سی منفی بات گوارانہ کرنے کا ملزم ٹھہرایا جارہا ہے۔ میرے معبود کریم اللّٰہ جل شانہٗ کے کرم سے کیا بعید کہ میرا ایک یہی عمل میری تمام خطاؤں کی معافی اور میری مغفرت کا سامان ہوجائے۔

جن لوگوں کو مجھ سے میرے اس فعل پر شکوہ یا ناراضی ہے، ان سے عرض ہے کہ مجھے تو اپنے ملجا و ماوی، اپنے آقا و مولا، رحمۃ للعالمین محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ عالی جاہ میں سرخ رو ہونا ہے اور انھیں راضی کرنا ہے۔ الحمدللّٰہ علیٰ احسانہ مجھے صرف اسی علم و ہنر سے شغف ہے اور اتنا ہی

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

شغف ہے جو مجھے صرف اور صرف ان ہی کا غلام رکھے۔

برسوں پہلے بھی اپنی کتاب ''سفید وسیاہ'' میں یہ تحریر کیا تھا، آج پھر اسے دُہراتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ اپنے ہر ہم نسبت سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے محبوب کریم ﷺ کے بیان میں کجی اور کج روی کے مرتکب سے ان شاء اللّٰہ میں دمِ آخر تک نبرد آزما رہوں گا۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! آپ نے ''نعت رنگ'' کا اجرا اسی لیے کیا تھا کہ نظم و نثر میں نعت کہتے ہوئے جو کوئی بے احتیاطی ہو رہی ہے، اس سے آگہی کا اہتمام ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس بے احتیاطی سے آگاہ ہو کر اپنی اصلاح کی بجائے، آگاہ کرنے والوں پر اعتراض کیا جارہا ہے؟ کہیں خود پسندی، خود ستائی، زعمِ علم اور انانیت کی دیواریں تو حائل نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ نعت پر تنقید کو ضروری اور خود کو تنقید سے بالا سمجھا جارہا ہے! یا یہ کہ نعت گوئی پر تنقید ہو مگر نعت گو پر نہ ہو۔ ہر کوئی لکھ رہا ہے کہ غلطی کو شمار نہ کرنا بھی غلطی ہے، پھر جانے کیوں شکوہ و ناراضی کا اظہار کیا جارہا ہے؟ بات کچھ وہی لگتی ہے کہ خود کے لیے غلطی کا تصور نہیں کیا جا رہا اور خود کو مستثنیٰ سمجھا جارہا ہے۔

اس فقیر بے توقیر نے پہلے بھی عرض کی تھی کہ ''نعت رنگ'' میں لکھنے والے اکثر اہلِ قلم سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی اور میری کوئی بات ان کی ذات کے حوالے سے بھی نہیں، صرف ان کی تحریروں میں درج ان لفظوں اور جملوں کے بارے میں ہے جو عقائد اور حقائق سے کسی طور متصادم ہیں۔ حیرت ہے کہ لکھنے والے کے اپنے مسلک ومشرب کے مطابق لکھنے پر کیوں اعتراض نہیں کیا جاتا؟ اس کی معترضہ باتوں کا علمی تحقیقی جواب کیوں قابل اعتراض گردانا جارہا ہے؟ میری تحریروں میں یہ بھی بتایا جائے کہ میں نے کہاں صرف مسلکی اختلاف ہی کی بنیاد پر اعتراض کیا ہے؟ ہر معترضہ بات کا جواب دیتے ہوئے انھیں بنیادوں کو پیشِ نظر رکھا ہے جو بنیادیں تقریباً سبھی نے اپنی تحریروں میں نعت شریف کے لیے بیان کی ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ قواعد، ضوابط، اصول، سلیقے، قرینے، آداب، انداز، لہجے، اسلوب، وغیرہ صرف دوسروں کو بتانے کے لیے ہیں، خود اپنے لیے نہیں؟ کہاں تو یہ خوشی ظاہر کی جارہی تھی کہ نعت گوئی پر تنقید ہونے لگی ہے یعنی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھا جارہا ہے اور کہاں اس تنقید کو معترضہ یا مسلکی اجارہ داری قرار دینے کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ اس تفصیل کے بعد پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ فقیر واضح کر چکا ہے کہ مسلکِ حق صرف مسلک اہل سنت وجماعت ہے اور بحمد اللّٰہ تعالیٰ مجھے اس مسلک

سے پختہ وابستگی پر ناز ہے، میری دعا یہی ہے کہ اللّٰہ کریم جلّ شانہ مجھے اسی مسلک حق پر ثابت وقائم رکھے اور اسی مسلک پر میرا خاتمہ بالخیر فرمائے، آمین

میری تحریروں پر ناراض ہونے یا شکوہ کرنے والے اگر کوئی علمی تحقیقی جواب پیش نہیں کرتے تو ان کی ناراضی اور شکایت بے جا اور ناروا ہے۔ مجھ سے کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! آپ نے ''نعت رنگ'' میں تنقیدی مضامین کم کر دیے ہیں یا آپ تک تنقیدی تحریریں کم آ رہی ہیں؟ کسی ایک عنوان سے تحقیقی یا تعارفی تحریریں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں لیکن ''نعت رنگ'' میں یہی تحریریں اگر تنقید کے ساتھ آئیں تو آپ کے اس کتابی سلسلے کی افادیت زیادہ ہوگی۔ کس نعت گو نے کس مضمون کو کس طرح نظم کیا ہے اور کس کس بات کا خیال رکھا ہے؟ یہ بیان اگر نہیں تو ایک مضمون یا موضوع کے اشعار کو صرف جمع کرنا آپ کے ''نعت رنگ'' کے مقصد کے مطابق نہیں۔ آپ نے پندرھویں شمارے میں اداریہ قدرے زیادہ لکھا ہے اور دوسرے ''پیراگراف'' میں ''نعت رنگ'' کے اجرا کا مقصد ہی تنقیدی جمود توڑنا اور تنقیدی مباحث کی فضا بنانا بیان کیا ہے۔

آپ سے پھر عرض کروں گا کہ ''نعت رنگ'' کے شروع میں نعت شریف کے لیے ایک صفحہ ضرور رکھیں اور متقدمین میں سے کسی کی منتخب نعت شریف ضرور شامل اشاعت کیا کریں۔

شمارہ ۱۵ کے ص ۱۳ پر جناب ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی تحریر ہے، عنوان ہے: ''نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں ماضی کا سفر'' اس تحریر میں کمپوزنگ کی اغلاط طبیعت پر بہت گراں گزریں تاہم کشفی صاحب کی اس تحریر نے واضح کیا کہ ماہِ میلادِ مصطفیٰ (ﷺ) اور میلاد و نعت شریف کا احترام واہتمام، اہلِ ایمان کا شروع سے خاصہ رہا ہے اور ان محافلِ میلاد و نعت کا اختتام ہمیشہ سلام اور دعا پر ہونا بھی کشفی صاحب نے بیان کیا۔ ص ۱۵ پر کشفی صاحب کی تحریر میں ہے''... آج لوگ صمد وغنی (جل جلالہ) کے نام کے ساتھ کوئی تکریمی لقب، خطاب اور اظہار استعمال نہیں کرتے۔ ذاتِ باری (تعالیٰ) ہمارے اظہار سے بے نیاز ہے مگر ہمیں تو بندگی کے آداب آنے چاہییں... سورۃ الفاتحہ ہمیں یہی درس دیتی ہے۔ میلاد کی محفلوں میں اس کا کتنا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اور اس کا تعلق میلاد ناموں سے تھا۔ ہماری خواتین زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں، مگر وہ محبت کے قرینوں سے آگاہ تھیں اور:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

عربی کے تعظیمی ٹکڑوں اور کلمات کے مفہوم سے خوب واقف تھیں۔ جل جلالہ، ھوالعلی، سبحان ربی الاعلیٰ، عم نوالہ، ھوالاوّل، ھوالآخر، ھوالظاہر، ھوالباطن... یہ کلمات میلاد کی محفلوں میں بار بار آتے تھے۔ انھیں صحیح طور پر ادا کیا جاتا اور سمجھا جاتا تھا۔

ان محفلوں میں درود کثرت سے پڑھا جاتا۔ حضور (ﷺ) کی زندگی اور سیرت کے کسی پہلو اورواقعے کو بیان کرنے والی خاتون ذرا رکتی۔ ان کے اس وقفہ کو لڑکیاں بالیاں اور نعت پڑھنے والیاں خوب سمجھتی تھیں اور فضا میں یہ آواز بلند ہوتی:

پڑھو درود پڑھو، عاشقو! درود پڑھو
درود سے کبھی غافل نہ ہو، درود پڑھو

کشفی صاحب نے اللہ کریم جل شانہ کا نام لیتے ہوئے اس کی صفات اور عظمت کا کوئی کلمہ ولفظ نہ کہنے اور لکھنے کی غفلت کا بجا شکوہ کیا ہے، خواہ اس کے لیے لقب اور خطاب کے لفظ استعمال کیے تاہم مجھے اس میں اتنا اضافہ کرنا ہے کہ بیش تر افراد جب کبھی "عربی کے تعظیمی ٹکڑے"، یعنی عربی میں بیان ہونے والے تعظیمی الفاظ اور کلمے کہتے بھی ہیں تو اِعراب صحیح نہیں کہہ پاتے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ وہ ایک مرتبہ چند منٹ محنت کر کے اپنی ڈائریوں کاپیوں میں ان کلموں اور لفظوں پر اِعراب (حرکات، زیر زبر پیش وغیرہ) لگالیں اور انھیں ازبر کرلیں کیوں کہ سننے والے جس طرح کسی نعت خواں سے سنتے ہیں اسی طرح گنگناتے ہیں اور وہی ان کی زبان پر چڑھ جاتا ہے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ "اسمِ ذات" اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) بھی اس طرح کہا جاتا ہے جیسے "اَلّا" کہا جارہا ہو۔ اس مبارک نام کے آخر میں "ہ" ہے، اس کی آواز تلفظ میں ادا نہیں کی جاتی جب کہ اس نام پاک کو محبت سے پورا اور صحیح ادا کرنے کی کوشش ہر ایک کو کرنی چاہیے۔ کشفی صاحب نے صحیح فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ ہمیں یہی درس دیتی ہے۔ بلکہ تسمیہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) ہی تعلیم کرتا ہے کہ اللہ کریم جَلّ شانہٗ کا پاک پیارا سوہنا نام کس طرح لینا پکارنا چاہیے۔ اس طرح ہمیں جاننا چاہیے کہ رسولِ کریم ﷺ کو خود اللہ کریم جلّ شانہ نے پورے قرآن کریم میں کہیں بے لقب نہیں پکارا، ان کا مبارک ذکر کرتے ہوئے بھی ہمیں آداب والقاب کا ہر طرح خیال رکھنا چاہیے اور درود ابراھیمی میں بھی نام پاک سے پہلے "سیدنا" کے لفظ و لقب کا استعمال ضرور کرنا چاہیے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب درود شریف تعلیم فرمایا تو

''سیدنا'' کا لفظ بیان نہیں فرمایا تو یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ خود اپنے لیے عاجزی کرتے ہوئے انھوں نے ایسا نہیں فرمایا مگر ہمیں تو ادب واحترام اور تعظیم کا خیال کرنا چاہیے اور ان کی تعظیم کا ہمیں اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور ان کی تعظیم وتوقیر ہم پر لازم ہے اور قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے کہ انھیں اس طرح نہ پکارا جائے جیسے آپس میں ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔

چناں چہ اسی آیت کے تحت جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مخاطبات میں حضور (ﷺ) کے ادب وعظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے، عام لوگوں کی طرح ''یا محمد'' (ﷺ) وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ ''یا نبی اللّٰہ'' (صلی اللّٰہ تعالیٰ علیک وسلم) اور ''یا رسول اللّٰہ'' (صلی اللّٰہ تعالیٰ علیک وسلم) جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔''
(حاشیۂ قرآن، ص ۴۶۶، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور ۱۳۵۵ھ)

کشفی صاحب نے واضح کیا کہ محافلِ میلاد شریف میں آداب کا کتنا خیال رکھا جاتا اور ان محافل سے کیسی تعلیم وتربیت ہوتی تھی۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان محفلوں میں کثرت سے درود شریف پڑھا جاتا اور درسی نصابی مروّجہ تعلیم کم ہونے کے باوجود بھی میلاد شریف میں شرکت کرنے والی خواتین محبت اور ادب کے قرینے خوب جانتی تھیں۔ ان محافل کی برکات کا اندازہ کیا جائے کہ دین اور دینیات سے وابستگی میں یہ محافل کتنی اہمیت رکھتی تھیں۔ افسوس کہ ان محافل میلاد شریف کو عاقبت نا اندیش کچھ لوگوں نے بدعت کہہ کر جانے کتنے گھرانوں میں سے ان محافل کا تسلسل ختم کروادیا، کتنے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو ان محافل کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کشفی صاحب کا یہ فرمانا کہ: ''میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے عقائد دیوبندیوں سے قریب تر تھے۔'' (ص ۱۷) یہ درست نہیں لگتا، کیوں کہ ان کے گھرانے میں محافل میلاد شریف کا انعقاد اور اس میں سبھی کی دلچسپی ہونا، محافل میں صلوٰۃ وسلام، تقسیم شیرینی اور ماہِ میلاد شریف کا یہ اہتمام، ماہِ محرم میں ایصالِ ثواب کے لیے شربت کی تقسیم کا تسلسل خود بتا رہا ہے کہ دیوبندی عقائد کا وہاں گزر نہیں تھا، کشفی صاحب ہی بعد میں غالباً ان سے قریب تر ہوئے ہوں گے۔ کشفی صاحب نے اپنی بزرگ خاتون ''اچھی پھوا'' کے حوالے سے یہ بات بھی خوب لکھی کہ ہر مسلمان کو ذکرِ الٰہی اور ذکرِ رسول کریم (ﷺ) کرکے اپنی زبانوں کو پاک کرنا چاہیے، یعنی یہ صرف انھی لوگوں کا کام نہیں جو اسے اپنا شعار یا روزگار بنائے ہوئے ہیں۔

کشفی صاحب نے لکھا ہے: ''میلادِ اکبر کا شعری حصہ دوسرے میلادوں کے شعری حصے سے بدرجہا بہتر ہے۔'' (ص۱۵) لفظ ''میلادوں'' کی بجائے ''میلاد ناموں'' بہتر اور موزوں ہوتا۔ وہ لکھتے ہیں: ''اب بھی اچھی نعتوں کے مصرعے دو یا زیادہ ہم آہنگ ٹکڑوں پر مشتمل ہوتے ہیں ...'' (ص۱۵) اس جملے میں مجھے ''اچھی نعتوں'' کے الفاظ کھٹک رہے ہیں، شاید میں اپنی بات پوری اور صحیح طرح واضح نہ کر پاؤں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میرا ذوقِ ایمانی گوارا نہیں کر رہا کہ جسے نعت شریف مانا جائے اس کے لیے یہ سوچا یا کہا جائے کہ وہ ''اچھی'' نہیں۔ اچھی کی بجائے کشفی صاحب اپنے مدعا کو یہاں کسی اور لفظ کے قالب میں واضح کرتے تو بہتر ہوتا۔

کشفی صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہے ہوئے ہدیۂ سلام کے حوالے سے لکھا کہ: ''احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کا سلام نعت کا گل دستہ نہیں بلکہ باغ ہے اور امت کے اتحاد کی ایک دستاویز ہے (اس بات پر قلق ہوتا ہے کہ ہم اپنے اکابر کا نام لے کر اور ان کا حوالہ دے کر کیسے پارہ پارہ ہوگئے ہیں)۔'' (ص۱۸)

کشفی صاحب کے ان جملوں کو نقل کرتے ہوئے میرے پیشِ نظر بہت سی باتیں ہیں لیکن وہ تمام عرض نہیں کر سکتا کہ بہت تفصیل ہوجائے گی صرف اتنا ہی کہوں گا کہ کشفی صاحب کے اس ''اعتراف'' اور اس کے بعد ''قلق'' پر وہ لوگ بھی توجہ فرمائیں جو اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر (معاذ اللہ) امت میں انتشار وافتراق کا الزام لگانے میں دلیری دکھاتے ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوگی کہ کشفی صاحب اس ہدیۂ سلام کے بارے میں اپنی تمنا کی تکمیل کرتے ہوئے اپنی مفصل تحریر یادگار بنائیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۲۰ سے گوجراں والا کے پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی تحریر شروع ہوئی ہے، اس کا عنوان ہے: ''ظہورِ قدسی: پس منظر (اردو نعت کے آئینے میں)''۔ وہ لکھتے ہیں: ''...آپ ﷺ ہی وجہ وجود کائنات تھے۔ آپ ﷺ ہی ازل انوار بھی تھے اور ابد آثار بھی اور آپ ﷺ ہی کے لیے رنگ ونور کے قافلے صدیوں سے مصروف سفر بھی تھے اور شہید جستجو بھی۔'' اس اقتباس میں ''تھے'' کا لفظ محلِ نظر ہے۔ میرے مالک و مولیٰ نبی کریم ﷺ وجہ وجود کائنات ''ہیں'' ۔ازل انوار اور ابد آثار ''ہیں''۔ رنگ و نور کا سفر انھی کی بدولت جاری ہے۔ اس ابتدائی پیراگراف کے آخر میں وہ خود ہی لکھتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی ہمارے درد کا درماں اور ہماری زیست کا عنوان ہیں۔''

دوسرا پیراگراف یوں شروع ہوتا ہے: ''حق یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو فکر ونظر کی دنیا ویران، علم وعمل کے سلسلے افسردہ، اخلاق وکردار کے گل زار پژمردہ...''
اس کے بعد انھوں نے جناب شاذ تمکنت کے اشعار بھی نقل کیے ہیں، یہ شعر ملاحظہ ہو:

''کعبے کو صنم خانہ بنائے ہوئے اب تک
ہم سجدہ کناں ہوتے اگر آپ (ﷺ) نہ ہوتے''

ص۲۲ پر خالد بزمی کا یہ شعر نقل کیا ہے:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم آج بھی ہوتے باطل کے پرستار، اگر آپ (ﷺ) نہ آتے''

پروفیسر اقبال جاوید صاحب سے مجھے صرف یہ عرض کرنی کہ وہ جناب سیّد ابوالخیر کشفی کے لیے ''نعت رنگ'' ہی میں بہت مفصل تحریر پیش کرچکے ہیں۔ کشفی صاحب نے تو حدیث قدسی اپنے الفاظ میں یوں بیان کی تھی **لولاک لماخلقت الربوبیه** کہ نبی کریم ﷺ کے لیے ربوبیت کو پیدا کیا گیا (معاذاللہ)۔ اس حدیث قدسی میں لفظ ''خلقت'' ہرگز نہیں بلکہ ''اظهرت'' ہے۔ حدیث قدسی کے مطابق کہنا یہ ہے کہ زمین وآسمان، دنیا پیدا ہی نہ ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بھی ظاہر نہ ہوتی۔ پروفیسر صاحب نے جناب ظفر علی خاں کی کہی ہوئی نعت کا یہ شعر ملاحظہ کیا ہوگا:

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ نور نہ ہو سیاروں میں یہ رنگ نہ ہوگل زاروں میں

اللہ کریم جلّ شانہٗ کے ان ارشادات کو اپنی تحریروں میں نقل کرنے والے اس بات پر توجہ فرمائیں کہ میرے پیارے نبی پاک ﷺ نہ ہوتے تو یہ کائنات معرض وجود ہی میں نہ آتی۔ پھر یہ کہنا کہ ''ہم آج بھی باطل کے پرستار ہوتے یا کعبے کو صنم خانہ بنائے سجدہ کناں ہوتے'' کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ نبی پاک ﷺ نہ ہوتے تو ہم اور کائنات ہوتی ہی کہاں؟ واضح رہے میرا اعتراض تمام اشعار پر نہیں لیکن وہ تمام اشعار جو یہ مضمون رکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نہ ہوتے تو ہم ہوتے خواہ کسی حال میں ہوتے، میرے نزدیک وہ تمام اشعار قابلِ اصلاح ہیں۔ اسی طرح وہ اشعار بھی درست نہیں جن میں یہ بیان ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی ''ولادت'' سے پہلے کسی دور میں بھی کوئی توحید سے آشنا نہیں تھا۔ واضح رہے کہ میں نے ''خِلقت'' سے پہلے نہیں بلکہ ''ولادت'' سے پہلے لکھا ہے۔ کیوں کہ میرے نبی پاک ﷺ کی ولادت سے پہلے تمام انبیا کرام

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

علیہم السلام دنیا میں تشریف لا چکے تھے اور وحی الٰہی کو لوگوں تک پہنچا چکے تھے۔

ص۲۶ پر پروفیسر اقبال جاوید صاحب لکھتے ہیں: ''مصر میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فرعون کے ہاں پرورش پاتے رہے اور انھی کے ہاتھوں بفضلہٖ تعالیٰ فرعونیت غرق دریا ہوئی۔'' پروفیسر صاحب بخوبی جانتے ہوں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل میں بہت زیادہ وقت نہیں گزارا، علاوہ ازیں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی پرورش کے حوالے سے مصر کا تذکرہ صرف اسی ایک جملے میں یوں کرنا مصر کا اس وقت کا احوال ظاہر نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ دریا میں فرعون خود غرق ہوا تھا، فرعونیت کی بجائے فرعون ہی کا لفظ موزوں ہوتا۔

ص۲۹ پر وہ لکھتے ہیں، ''ظہور اسلام کے وقت مکہ ایک تجارتی شہر تھا۔'' اور ص۳۱ پر لکھتے ہیں، ''جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ مکہ اس دور میں بھی مرجع خلائق تھا اور اس ارادت اور رجوع کی وجہ خانہٗ کعبہ تھا۔'' ان کی تحریر میں اس جملے سے قبل مکہ مکرمہ کے مرجع خلائق ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملا اور انھوں نے عرب کے بعض مقامات پر اپنے اپنے بت رکھنے والوں کو ''خوش عقیدہ تاجر'' بھی لکھا۔ (ص۲۸) سورۂ قریش کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ: ''قریش کو اللہ تعالیٰ نے شکر پر ابھارا'' (ص۲۹)۔ انھوں نے لکھا، ''انسان ویسے بھی خوگرِ پیکرِ محسوس ہے۔ وہ تو نبی کی موجودگی میں، محض اس کے وقتی طور پر نظروں سے اوجھل ہوجانے پر گوسالہ سازی گوسالہ پرستی شروع کر دیتا ہے۔'' (ص۳۰-۳۱) اسی صفحے پر ہے: ''...اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی معجزانہ انداز میں یوں حفاظت فرمائی کہ دیکھنے والے اس رنگ اعجاز کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔'' چند سطروں بعد یہ جملہ ہے، ''اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تمام نکاح ناجائز قرار دیے اور کم وبیش اسلامی طرزِ نکاح کو باقی رکھا۔'' یہ جملہ بھی اسی صفحے پر ہے، ''ان کی ان حرکات کو بت اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔'' آخری سطر میں ہے، ''وہ (عرب) حج اور طواف بھی بتوں ہی کا کرتے۔'' ص۳۱ کے شروع میں ان کی تحریر میں ہے، ''اسی لیے قرآن پاک نے فیصلہ دیا کہ آستانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں اور ان جانوروں کا گوشت بھی قابلِ استعمال نہیں۔ جنھیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔''

ص۳۱ پر نثری عبارت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں قوسین (بریکٹ) میں ''الرحیق المختوم'' درج ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ص۲۹ کے آخر سے ص۳۱ کے وسط تک کی نثری عبارت اسی

کتاب ''الرحیق المختوم'' سے نقل کی گئی ہے۔ پروفیسر اقبال جاوید صاحب نے اس اقتباس کا انتخاب کرتے ہوئے اس میں درج محلِ نظر باتوں پر توجہ نہیں فرمائی۔ قرآن کریم میں واضح ہے: **ام لھم اعین یبصرون بھا** (الاعراف۔۱۹۵) یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں؟ اس قرآنی بیان کے بعد بتوں کے لیے یہ لکھنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی پتھرائی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ پروفیسر صاحب نے گوسالہ سازی وگوسالہ پرستی کا ذکر بھی ہر انسان کے لیے جانے کیسے قبول کرلیا؟ ''بتوں کے حج'' کا فعل بھی وہ جانے کیسے مان گئے اورنہیں معلوم وہ اللّٰہ تعالیٰ جل شانہٗ کے لیے یہ لفظ کیسے گوارا کرگئے کہ'' اس نے شکر پر ابھارا''۔''اللّٰہ تعالیٰ کے لیے''معجزانہ انداز'' کے الفاظ پر بھی مجھے کچھ تردد ہے۔

جاہلیت کے''تمام نکاح'' ناجائز قرار دینے کی دلیل کیا ہے؟ آستانوں پر ذبح کیے گئے جانوروں کے حرام ہونے کا ذکر کہاں ہے؟ بات تو صرف اتنی ہے کہ وہ جانور جن کو ذبح کرتے وقت غیراللّٰہ کا نام لیا جائے وہ بلاشبہ حرام ہیں۔

ص۳۶ پر جناب پروفیسر اقبال جاوید لکھتے ہیں: ''نظریۂ توحید، آتش پرستی اور بت پرستی کے نرغے میں اپنی حیثیت اور واقعیت کھوچکا تھا۔ یہ'' جملہ'' وہ باندازِ دگر لکھتے تو بہتر ہوتا۔ نظریۂ توحید اپنی حیثیت اور واقعیت کبھی نہیں کھوسکتا، ہاں لوگ اسے بُھلا سکتے ہیں، یہ جملہ یوں ہوتا کہ بت پرستی اور آتش پرستی کی یلغار نے نظریۂ توحید کی حیثیت اور واقعیت کو اوجھل کر دیا تھا۔

پروفیسر اقبال صاحب نے کافروں مشرکوں کی غلط کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی اپنی لفاظی میں احتیاط نہیں کی، وہ لکھتے ہیں: ''خون ریزی کے مناظر، وقتی تفریح مہیا کرتے اور بسمل کی تڑپ جشن رقص کا کیف عطا کرتی تھی۔'' (ص۳۶)اس جملے میں ''کیف عطا کرنا'' قابلِ توجہ ہے۔وہ لکھتے ہیں: ''خدا کا پہلا گھر ۳۶۰ بتوں میں گھرا ہوا تھا۔''(ص۳۷)اس جملے میں''بتوں میں گھرا ہونا'' قابلِ توجہ ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ''آگ، سورج، جن، فرشتے اور ستارے معبود بن چکے تھے۔'' (ص۳۷)۔اس جملے میں''معبود بن چکے تھے'' کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''عبادت گاہیں، عیاشیوں کے اڈے بن چکی تھیں۔'' ان الفاظ میں مجھے یہ جملہ گراں گزرا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنی رنگینیٔ بیاں کا مظاہرہ آیاتِ قرآنی کے ترجمے میں بھی فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

''وھوالذی ینزل الغیث من بعدما قنطوا و ینشر رحمته (۲۸۔۲۲)اور یہ اللّٰہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے سحاب کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساط رحمت کو صفحۂ ارضی پر بچھا دیتی ہے۔'' (ص۳۷) اسی صفحے پر ایک آیت قرآنی کا ترجمہ وہ کیا کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

ظھر الفسادفی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس (۴۱۔۳۰)

(اس وقت انسانی سیہ کاریوں سے حالت یہ ہوچکی تھی کہ خشکی وتری میں ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔کوئی شے اپنے صحیح مقام پر نہیں رہی تھی)۔'' اور ص۳۹ پر بھی ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالته۔ (اللّٰہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا پیغام کہاں اور کس کے حوالے کیا جائے گا)۔''

ترجمے میں زیادہ الفاظ سے قطعِ نظر یہاں انھوں نے اللّٰہ تعالیٰ ''بہتر جانتا ہے'' کی بجائے ''جانتے ہیں'' لکھا اور پھر اللّٰہ تعالیٰ ہی کے لیے ''اس کا پیغام'' کے لفظ لکھے۔ جب انھیں ''جانتاہے'' کے لفظ گوارا نہیں تو اللّٰہ تعالیٰ کے لیے ''اس کا'' کے لفظ کیوں گوارا ہیں؟ ان آیاتِ قرآنی کا انھوں نے لفظی ترجمہ نہیں کیا، وہ لفظی ترجمہ کرکے تفسیر وتشریح میں زیادہ لفظ لکھتے، انھیں شاید نہیں معلوم کہ قرآنی آیات کا اس طرح ترجمہ کرنا کہ (بغیر قوسین کے) اپنی طرف سے لفظ بڑھانا، سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔

ص۳۹ پر وہ لکھتے ہیں: ''اسی لیے یہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اللّٰہ تعالیٰ کے اولین گھر کی بنیاد رکھی تھی۔'' اس جملے میں ''اسی لیے'' کے لفظ محلِ نظر ہیں۔ حضرت سیّدنا ابراہیم خلیل اللّٰہ علیہ السلام نے بیت اللّٰہ کی بنیاد ہرگز از خود اور اسی لیے ''یہیں'' یعنی مکہ مکرمہ میں نہیں رکھی تھی کہ وہ ''ام القریٰ'' ہے بلکہ بحکمِ الٰہی اس سرزمین کا انتخاب ہوا تھا۔ یہ جملہ یوں ہوتا: ربّ العٰلمین جل شانہ نے اسی ام القریٰ میں اپنا پہلا گھر اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللّٰہ علیہ السلام نے خود کو میرے پیارے نبی پاک ﷺ کا تمنائی بناتے ہوئے جو دعا فرمائی اس کے الفاظ قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ ''یز کیھم'' کے لفظ کا ترجمہ پروفیسر اقبال صاحب نے ''دلوں کو تزکیہ بخشے'' لکھا ہے اور دعائے خلیل کو دو جلیل القدر پیغمبروں کی دعا لکھا اور یہ بھی لکھا کہ: ''ان دعاؤں کے نتیجے کے طور پر مکہ ہی کے مقدر میں تھا کہ وہ دعوت اسلامی کا مرکز بنے...'' (ص۴۰)

مجھے جتنی سمجھ ہے اس کے مطابق عرض گزار ہوں کہ یہ جملہ یوں صحیح ہوتا کہ: ''اس دعا کا ظہور بھی مکہ مکرمہ کے ہی مقدر ہوا''۔ کیوں کہ میرے نبی پاک ﷺ کا ظہور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں نہیں ہوا، حدیثِ قدسی واضح کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو نہ بنانا ہوتا تو اللّٰہ تعالیٰ کائنات ہی نہ بناتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا کرنا خود کو میرے نبی پاک ﷺ کا تمنائی بنانا ظاہر کرتا ہے، وہ اگر یہ دعا نہ بھی فرماتے تو میرے نبی پاک ﷺ کی تشریف آوری یقینی تھی۔

پروفیسر اقبال صاحب نے جناب ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ جو نقل کیے ہیں، وہ شاید کمپوزنگ یا اصلی تحریر میں پورے نقل نہیں ہوئے یا پھر میں ہی اپنی کسی کوتاہی سے ان میں درج مفہوم کو نہیں پا سکا۔

پروفیسر صاحب نے رسولِ کریم ﷺ کے لیے ''آیۂ کائنات کا معنیٰ دیر یاب'' کے لفظ لکھے ہیں، ان الفاظ میں کچھ تامل ہے۔ انھوں نے اصحاب فیل کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: ''ننھے ننھے پرندوں کے ذریعے ہاتھیوں اور ان کے سواروں کا کھائے چارے کی طرح چورا چورا ہو جانا، قرآن پاک کے اوراق میں محفوظ ہو کر ایک تاریخی صداقت بن گیا۔'' (ص۴۴)

پروفیسر اقبال جاوید صاحب نے اپنی اس تحریر میں اپنے معیارِ دانست کے مطابق منتخب اشعار اور اقتباس زیادہ نقل کیے ہیں، جہاں کہیں وہ کسی بات یا واقعے کو خود اپنے اسلوب تحریر کے مطابق بیان کرتے ہیں وہاں کبھی ان کی توجہ نہیں رہتی اور لفظوں کی بندش میں وہ جملہ ایسا لکھ جاتے ہیں جو محلِ نظر ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب بخوبی جانتے اور مانتے ہوں گے کہ قرآن کریم میں حق و صداقت کے سوا کچھ نہیں، اب ان کا یہ جملہ کہ: ''قرآن پاک کے اوراق میں محفوظ ہو کر ایک تاریخی صداقت بن گیا'' قابلِ توجہ ہے۔ بات تو یہ ہے کہ اصحابِ فیل کا واقعہ وہ ہے جس کی تاریخی صداقت قرآن سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں اس واقعے کے ذکر میں انھوں نے ہاتھیوں اور ان کے سواروں کے الفاظ بھی لکھے جب کہ ابرہہ کے لشکر میں ہاتھیوں کا ذکر ہے جو لشکر کے آگے چنگھاڑتے ہوئے بڑھے تھے، ہاتھی پر سوار ہونے کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا، ہوسکتا ہے پروفیسر صاحب نے ''اصحابِ فیل'' کا ازخود ترجمہ ''ہاتھی کے سواروں'' کرلیا ہے۔ واضح رہے کہ میرے پیشِ نظر ہر وہ احتیاط ہے جو حقائق کو کسی طرح اوجھل نہ کرے۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے ضرور آگاہ کیا جائے۔

وہ لکھتے ہیں: ''قبلِ ولادت اور بوقت ولادتِ پاک، حضرت آمنہ (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا) سے بہت سی محیر العقول روایات منقول ہیں...'' (ص۴۵)

''محیر العقول'' عجیب وغریب باتوں کو بھی کہا جاتا ہے، اس کا تاثر کچھ یہی ملتا ہے کہ پروفیسر اقبال صاحب کو مخدومۂ کائنات حضرت سیدہ آمنہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے روایات جو منقول ہیں، وہ قبول نہیں۔ واضح رہے کہ پروفیسر صاحب نے کہیں بھی اپنے لیے ''محدث'' ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا ہے، پھر جانے کیوں خود کو کوئی درجہ دیتے ہوئے ان روایات کے بارے میں ''محیر العقول'' کے لفظ کسی دلیل کو بیان کیے بغیر لکھ دیے۔ اختلاف کا حق وہ اپنے لیے ضرور محفوظ رکھیں لیکن اختلاف کی بنیاد محض اپنی عقل ہی نہ ٹھہرائیں، اگر وہ ان روایات کے بارے میں ''محیر العقول'' کے لفظوں کا معنی عجیب وغریب کے سوا کوئی اور ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس لفظوں کی کمی نہیں، وہ احادیث اور بیانِ سیرت کے حوالے سے ایسے لفظوں کا استعمال نہ فرمایا کریں جن میں منفی معنی ومفہوم بھی ہوتا ہے۔

پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر میں ص۴۹ سے ص۵۰ کے آخر تک جناب ابوالکلام آزاد کا ایک اقتباس پیش کرتے ہوئے لکھا کہ: ''الفاظ اس کا حسن سمیٹنے اور اس کی تاثیر بیان کرنے سے قاصر ہیں''۔ (ص۴۹)

انھوں نے صرف ''الفاظ'' لکھا ہے ''میرے الفاظ'' نہیں لکھا، اس لیے اسے خلافِ واقعہ کہا جائے یا مبالغہ؟ ''نعت رنگ'' کے لیے تحریر میں یہ جملہ پروفیسر صاحب نے جس اقتباس کے لیے لکھا ہے اس اقتباس کی پہلی تین سطریں ہی ملاحظہ ہوں: ''اللّٰہ تعالیٰ کی ربوبیت نے جس طرح جسم کے لیے زمین کے اندر طرح طرح کے خزانے رکھے ہیں، اسی طرح روح کی غذا کے لیے بھی اس کے آسمانوں کی وسعت معمور ہے، جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی ماڈی حیات ونمو کے لیے آسمانوں پر بدلیاں پھیلتیں، بجلیاں چمکتیں اور موسلادھار پانی برستا ہے ...'' (ص۴۱)

اس اقتباس میں پہلے یہ بیان ہے کہ جسم کے لیے زمین کے اندر خزانے ہیں اور روح کے لیے آسمان کی وسعت معمور ہے اور پھر جسم ہی کی غذا کے لیے آسمان کا ذکر ہے۔ تین ہی سطروں میں اس تضاد کے باوجود ''الفاظ'' اس اقتباس کا حسن سمیٹنے اور تاثیر بیان کرنے سے قاصر ہی ہوں گے۔ اس اقتباس میں یہ جملے بھی ملاحظہ ہوں:

''عالم انسانیت کی فضائے روحانی کا ایسا ہی انقلاب عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے

وسط میں ظاہر ہوا"

"وہ رحمتِ الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالم گیر نمود تھی"۔

"زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔"

"وہ خداوند قدوس جس نے سینا کی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں بجلیوں کے ساتھ آؤں گا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ میرے جاہ وجلال الٰہی کی نمود ہوگی۔ سو بالآخر وہ آگیا اور سعیر و فاران کی چوٹیوں پر اس کے ابرِ کرم کی بوندیں پڑنے لگیں۔"

"یہ سعادتِ بشری کا آخری پیام تھا۔ یہ وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی۔ یہ اُمتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا۔"(ص۵۰)

پروفیسر اقبال صاحب نے شاید توجہ نہیں کی کہ "**ومن ذریتنا امة مسلمة لک**" کے الفاظ قرآن کریم میں مذکور دعائے خلیل علیہ السلام میں ہیں۔ اس کے باوجود وہ جس قدر مبالغہ چاہیں اس اقتباس کے لیے روا جانیں۔

ص ۵۱ سے گوجراں والا ہی کے پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب کی مفصل تحریر شروع ہوئی ہے۔ انھوں نے خاصی محنت کی ہے اور اپنے اسلوب تحریر کی خوبیوں سے مضمون کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس تحریر میں کچھ جملے قابلِ توجہ ہیں:

"اس قافلے کے کسی مسافر کے قدموں میں کبھی بھی ادنی سی لرزش یا فکری لغزش کا گمان تک نہیں ہوتا"۔

"یہ قافلہ حدود سے قیود سے ماورا ہے۔ زمان ومکان کے تخیلات سے سربلند ہے"۔(ص۵۱)

"جب رب کریم نے تمام انبیا و رسل کی ارواح سے عظمت محمدی ﷺ کو تسلیم کرنے کا عہد لیا تھا۔ اور اقرار کی صورت میں فرشتوں اور اپنی ذات کو گواہ بنا کر ان کے سروں پر نبوت و امامت کے تاج سجا دیے تھے"۔

"جس کی صبح وشام کے ظہور کا تصور حیات ارضی کی پابندیوں سے ناآشنا ہے"۔(ص۵۲)

"ممدوح جتنا حسین وجمیل اور صاحب اوصاف پاکیزہ ہوگا اس کا قصیدہ

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

بھی اتنا ہی مکمل اور جامع ہوگا۔'' (ص۵۲)

''یہی تو ایک ایسا موضوع دل پذیر ہے کہ جہاں خالق ومخلوق ایک ہی مطلوب ومحبوب کے تذکار کو عام کرنے کے سلسلہ میں ایک ہی مقام مدحت وثنا پر دکھائی دیتے ہیں۔''

''تمام زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ میں بہت کم الفاظ اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ کسی سے نسبت رکھنے کی بنا پر سربلند و سرفراز اور متبرک و محترم ہوجائیں۔'' (ص۵۴)

''آپ ﷺ کی تشریف آوری میں انبیا ورسل کی دعاؤں کا جواب تھی۔'' (ص۵۵)

''اس لحاظ سے قرآن مجید ایسی نعت رسول ﷺ ہے جو کلک قدرت سے رقم ہو رہی ہے۔'' (ص۵٦)

''رنگ، خوش بو، صبا، چاند تارے، کرن، پھول، شبنم، شفق، آب جو چاندنی تیرے معصوم پیکر کی تخلیق میں حسنِ فطرت کی ہر چیز کام آگئی۔'' (ص۵٦)

''بلکہ اس کا مقصد انشراح حقیقت تھا کہ میرے صحابہ بھی میرے مقام سے آگاہ ہوجائیں کہ خدانے انبیا کے مقابلے میں مجھے کن فضائل سے نواز رکھا ہے۔'' (ص۵۷)

''اس لیے اس کی نعت کی رمزیں اور اس کے استعارے مبالغہ واغراق کی تاب نہیں لاسکتے۔'' (ص۵۸)

''معتبر اور مستعد راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نبی کریم نے مسجد نبوی میں ایک منبر (حضرت سیّدنا) حسان بن ثابت (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) کے لیے مخصوص کردیا تھا۔'' (ص۵۱)

''چوں کہ صفت وثنائے مصطفیٰ (ﷺ) کا ذمہ خود خدائے حی وقیوم نے اٹھا رکھا ہے۔'' (ص٦۳)

''اس لحاظ سے یہ حقیقت ہے کہ اردو شاعری کی دوسری اصنافِ سخن کی

طرح نعت بھی فارسی سے ورثہ میں ملی ہے۔'' (ص۶۴)
''آپ ﷺ کی صورت پاکیزہ اور سیرت مطہرہ کی عظمتوں کو اتنے ادبی اختصار اور معنوی جامعیت کے ساتھ بیان کرنا صرف شیخ سعدی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا ہی معمولی اعزاز ہے۔'' (ص۶۴)
''نعت رسول ﷺ تو شعار خداوندی ہے۔'' (ص۶۵)
''مولانا عبدالرحمٰن جامی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی نعت گوئی تو اردو نعت کو سوزوگداز اور معنی آفرینی کا ذوق عطا کرنے کا باعث بنی ہے۔''
''اردو زبان کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ اردو نعت مسلسل سنورتی، نکھرتی اور عشاق رسول ﷺ کے جذبات کی ترجمانی کرتی رہی۔'' (ص۶۶)
''اس طرح اردو نعت کو صحیح معنوں میں ذات وصفات مصطفیٰ ﷺ کی ترجمانی کا اعزاز حاصل ہوگیا۔'' (ص۷۲)
''ان کی نعتیہ شاعری بلاشبہ جبریل (علیہ السلام) کے نطق مستعار کا اعجاز نظر آتی ہے۔'' (ص۷۴)
''ان (علامہ اقبال مرحوم) کا قلم شہپر جبریل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔'' (ص۷۷)
''ظفر علی خاں چوں کہ اسلامیانِ برصغیر کے مسلمہ قومی رہ نما تھے۔'' (ص۷۱)
''جب نعت گوئی کا بازار سرد پڑ گیا تھا۔'' (ص۸۱)

جو لامکاں میں خدا سے نظر ملا کے چلے
حضور (ﷺ) امت عاصی کو بخشوا کے چلے
(ص۸۱)

''حفیظ کا معجز نگار قلم الفاظ کے جواہر تراشتا...'' (ص۸۲)
''... اور دوسری طرف تجلیات جلال کی لمعہ افشانی ہے جو شہنشاہوں کو آداب عجز سکھاتی ہے۔'' (ص۸۴)
''حفیظ تائب نے اس دور کے غزل گو کو نعت کا سلیقہ بخشا ہے۔'' (ص۸۵)

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

''ان کے علم وفضل سے اسلام کی تبحر علمی اورطلاقت لسانی کی یادتازہ ہوتی ہے۔'' (ص۸۵)

''بجز خدا کوئی جچتا نہ تھا نگاہوں میں
خدا کے بعد فقط تو جچا نگاہوں میں''

''ان کاقلم ہر میدان میں یکساں وقار کے ساتھ موتی بکھیر رہا ہے۔''(ص۸۶)

ظاہر ہواقلم تو محمد(ﷺ) کے لفظ پر
شیریں ہوئی زباں تو محمد(ﷺ) کے نام سے

☆

دو عالم تھے مسرور قدموں تلے
مدینے کاجب راستہ مل گیا
(ص۸۹)

''ان کا وجدان احاطۂ عظمت حضور (ﷺ) کے لیے...'' (ص۱۰۴)

''اگر سیرت و کردار رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ نہ کیا جائے...''
(ص۱۰۵)

''...سرکار دوعالم علیہ التحیۃ والثناء کی صورت وسیرت کواسی حسین ودل آویز انداز میں پیش کیا جائے جو ان کے خالق کو منظور و محبوب رہاہے۔''
(ص۱۰۶)

''یہی وہ سراپائے نور ہے کہ جسے
داعیا الی اللّٰہ باذنہ وسراجا منیرا
کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے۔'' (ص۱۰۶)

''حضور پُرنور سیّد یوم النشور محمد مصطفیٰ ﷺ کافیض نبوت ابد کی انتہا تک محیط ہے۔'' (ص۱۰۶)

''آپ کی رحمت کا سوال کرتے ہوئے دلوں کے داغ آپ کی نذر کیے ہیں۔''

''کہ رحمت پناہ الٰہی وجاں کی چشم کرم ہی خدائے مطلق کی رحمت بے کراں کا بہانہ بن سکتی ہے۔'' (ص ۱۰۷)
''حضور انور صلی اللّٰہ علیہ وسلم پیغمبر انسانیت ہیں۔'' (ص ۱۰۷)
''ایسی بے مثال ہستی کی بے مثالیت کا ناگزیر تقاضا تھا کہ اس کا قبول و تاثر عالم گیر ہوتا۔'' (ص ۱۰۷)
''ایسے چند غیر مسلم شعرا ہیں جنھوں نے بیسیوں دوسرے غیر مسلم شاعروں کے دوش بدوش پر اثر انداز میں محامد رسول ﷺ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔'' (ص ۱۰۷۔۱۰۸)
''اے ایمان والو! تم درود بھی بھیجو اور خوب خوب سلام بھی۔'' (ص ۱۰۸)
''خدا اور فرشتوں کی تقلید میں...'' (ص ۱۱۰)
''اور اللّٰہ تعالیٰ نے حضور ﷺ ختمی مرتبت کی اطاعت کو منشائے قدرت قرار دیا ہے۔'' (ص ۱۱۳)
''یہ جذبہ صبح ازل کا نکھار، شام ابد کا نگار، کائنات انسانی کا نکھار، تہذیب عالم کا افتخار او رروح ارضی کا وقار ہے۔'' (ص ۱۱۳)
''جس کی عظمت وشوکت کے تصور سے ہی جبین عالم سجدہ ہائے نیاز کے لیے تڑپنے لگتی ہے۔'' (ص ۱۱۳)
''کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ حضور انور ﷺ نے خربوزہ کس طرح کھایا تھا۔'' (ص ۱۱۴)
''ایک عاشقِ رسول ﷺ نے غزوۂ احد میں حضور نبی کریم ﷺ کے دانت شہید ہونے کی خبر سن کر اس بنا پر اپنے تمام دانت توڑ ڈالے تھے کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ حضور پرنور ﷺ کے کون سے دانت شہید ہوئے ہیں۔'' (ص ۱۱۴)
''کسی طرح یوسف عربی ﷺ کے خریداروں میں اس کا نام ہوجائے۔'' (ص ۱۱۹)
''...نعت حضور ﷺ کے حوالے سے قدسی زم زموں سے آباد بقائے دوام

کے دربار میں ہاں شہرت عام نہیں بلکہ فقط خوش نودیٔ سیّد خیرالانام مقصود ہے۔'' (ص۱۲۰)

اس تحریر میں اور دیگر تحریروں میں بھی جہاں کہیں ''نعت گوئی'' لکھا جانا چاہیے تھا وہاں صرف ''نعت'' کا لفظ درج ہے۔اس حوالے سے پہلے بھی اپنی ایک تحریر میں معروضات پیش کر چکا ہوں۔ اسی تحریر میں مجھے پہلی مرتبہ یہ پڑھنے کو ملا کہ نعت شریف کو فنونِ لطیفہ میں شمار کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی آیت **واما بنعمة ربک فحدث** دو جگہ اس تحریر میں ہے اور دونوں جگہ غلط املا کے ساتھ کمپوز ہوئی ہے یا اصل تحریر ہی میں غلط لکھی گئی ہے۔ متعدد مقامات پر درج الفاظ کی املائی اغلاط کو میں نے کمپوزنگ ہی کی غلطی شمار کیا۔مذکورہ بالا قابل توجہ جملے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ ان جملوں پر نظرثانی کرتے ہوئے مضمون نگار اگر میرا اعتراض نہ پاسکیں تو یہ فقیر پھر محنت کر کے معترضہ یا متنازع بات کی نشان دہی کر دے گا۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۱۲۲ سے جناب ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کی تحریر بعنوان: ''اردو میں نور ناموں کی روایت'' شروع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ''نعت رنگ'' میں اس سے پہلے بھی متعدد تحریریں شامل ہوئی ہیں بلکہ ان کا نام ''نعت رنگ'' کے صفحہ اول پر ہر شمارے میں ''نعت رنگ'' کے نمائندے کی حیثیت سے درج ہوتا ہے۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے اداریے میں بھی ان کا ذکر نمایاں ہے۔ اپنی اس تحریر کے شروع میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رسول خدا تاج دارمدینہ آں حضرت ﷺ کے ''پیکرِ نور'' ہونے کا عقیدہ دراصل قرآن حکیم کی ان آیات کا نتیجہ ہے جن میں آپ ﷺ کو ''نور'' کہا گیا ہے اور سراجاً منیراً کہہ کر آپ کا وصف بیان کیا گیا ہے اس عقیدے کو ان احادیثِ رسول ﷺ سے بھی تقویت ملتی ہے جن سے آں حضور ﷺ کا ''نورِ مجسم'' ہونا ثابت ہوتا ہے۔'' (ص ۱۲۲) اور اسی صفحے کی آخری سطر میں پھر لکھتے ہیں: ''احادیث میں بھی آں حضرت ﷺ کے ''نورِ مجسم'' ہونے کی صراحت کی گئی ہے۔'' ص۱۲۳ پر لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ کے صفتِ نور کو موضوع سخن بنا کر عربی، فارسی اور اردو شاعری میں کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ شعرا نے مختلف پیرائے میں نور کی کیفیت بیان کی ہے اور یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ سراپا نور تھے۔''

ڈاکٹر صاحب نے پہلے خود ہی لکھا کہ نبی کریم ﷺ کے پیکرِ نور ہونے کا عقیدہ قرآنی

آیات کا نتیجہ ہے اور یہ بھی لکھا کہ رسول کریم ﷺ کا مجسم نور رہونا احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور پھر وہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ شعرا نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ سراپا نور تھے۔ وہ خود ہی بتائیں کہ شعرا نے اپنی شاعری سے نبی کریم ﷺ کو سراپا نور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یا آیات قرآنی اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے جو ثابت ہوتا ہے، اس کی ترجمانی کی کوشش کی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے لکھنے کو تو آیات قرآنی اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حوالہ دے کر میرے نبی پاک ﷺ کا نور مجسم ہونا لکھ دیا ہو لیکن خود ان کا یہ عقیدہ نہ ہو!

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دیگر اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ''روشن چراغ'' سے تشبیہ دیتا ہے۔

یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللّٰہ باذنہ و سراجا منیرا (سورۂ احزاب آیت۔۴۶) ''اے نبی ہم نے تمھیں بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور بشارت دینے والے ہیں اور ڈرنے والے اور بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔'' (ص۱۲۲)

اس اقتباس میں ڈاکٹر صاحب نے پہلے یہ لکھا کہ اللہ کریم جل شانہٗ نبی کریم ﷺ کو ''روشن چراغ'' سے تشبیہ دیتا ہے، پھر ترجمہ میں لکھا کہ ''آپ ایک روشن چراغ ہیں''۔ لفظ ''شاہدا'' کا ترجمہ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ''آپ گواہ ہوں گے''۔ باقی صفات کے لیے ''ہیں'' کا لفظ ترجمہ میں ہے۔ اور وہ جانتے ہوں گے کہ ''منیر'' نور دہندہ را گویند، چمکانے والے کو کہتے ہیں اور ''سراج'' سورج کو بھی کہتے ہیں۔ ''چمکا دینے والا آفتاب'' یا ''روشن کر دینے والا چراغ'' کے لفظوں سے ترجمہ زیادہ صحیح ہوگا۔ ترجمے کی عبارت میں ''ڈرنے والے'' کے الفاظ جانے کس لفظ کا ترجمہ ہیں؟

وہ ص۱۲۴ پر لکھتے ہیں: ''نور احمدی'' سے متعلق نظامی اور میراں جی کے یہاں خیالات میں باہم مطابقت ملاحظہ ہو کہ دونوں نے نبی ﷺ کے نور کو تخلیقِ اول قرار دیا اور دنیا میں روشنی کے پھیلنے کا سبب نور نبی ﷺ کو ٹھہرایا۔'' ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے اس اقتباس میں ''قرار دیا اور ٹھہرایا'' کے الفاظ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان دو شاعروں نے از خود ایسا کیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان شاعروں نے احادیث شریفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان کی ہے۔ میرے

مطالعے میں ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کی یہ پہلی وہ تحریر جس میں انھوں نے یہ جملے لکھے ہیں: ''ایسی روایات ہیں جن کے حسن وقبح اور دین میں ان کے مقام واہمیت کو علمائے کرام دین بہتر سمجھ سکتے ہیں۔'' (ص ۱۲۷) مجھے خوشی ہوئی کہ انھوں نے احتیاط کی طرف کسی قدر پیش رفت فرمائی مگر ان کی اس تحریر میں اس احتیاط کے برعکس بھی نظر آیا۔ص ۱۲۹ پر وہ لکھتے ہیں: ''اس کے بعد شاعر نے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ اللہ کے حکم سے روحوں نے جب نورِ مجسم محمد ﷺ'' کو دیکھا تو آپ ﷺ کے جسم کے جس حصے کو دیکھا دنیا میں اس اعتبار سے انھیں بزرگی ملی۔ یعنی روح نے گردن دیکھی تو وہ دنیا میں تاجر ہوا، بازو دیکھے تو لشکر کے سپاہی ہوئے اور تیغ بازی میں اسے سروری حاصل ہوئی۔ وغیرہ ''رگ وید'' کے ''پرش سوکت'' میں بھی لکھا ہے کہ ''پرش'' کے منھ سے ''برہمن'' پیدا ہوئے، اس کے بازو سے ''چھتری'' (سپاہی) بنے اس کی رانوں سے ''ویش'' کا جنم ہوا اور اس ک پیروں سے ''شودر''۔ ہندو اسطور سے اس مطابقت کا ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں؟''

ڈاکٹر صاحب خود ہی غور فرمائیں کہ انھوں نے کس عجلت اور غفلت کا مظاہرہ کیا ہے اور خود ساختہ ''مطابقت'' بھی بیان کردی۔ شاعر کی بیان کردہ روایت اور رگ وید کے ''پرش سوکت'' میں وہ خود ہی غور کرتے تو انھیں واضح فرق نظر آتا لیکن جانے کیوں وہ یہاں احتیاط نہ کرسکے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ روایت میرے پڑھنے سننے میں اس سے پہلے نہیں آئی لیکن ڈاکٹر صاحب کی بے احتیاطی پر ملال ہوا۔حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کے حوالے سے کچھ ملتی جلتی باتوں پر مشتمل ہندوانہ حکایات میں بھی کیا ڈاکٹر صاحب مطابقت کی بات کریں گے؟ ڈاکٹر صاحب خود روایت لکھ رہے ہیں کہ ''روحوں نے جب نور مجسم (سیّدنا) محمد ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے جسم (اقدس) کے جس حصے کو دیکھا دنیا میں اس اعتبار سے انھیں بزرگی ملی''۔ اور رگ وید میں پرش کے منھ، بازو، رانوں اور پاؤں سے پیدائش کا ذکر ہے۔ وہ بتائیں کہ کیا مطابقت انھیں نظر آئی؟ ڈاکٹر صاحب اپنی تحریر میں جابجا روایتوں کے ضعف کا ذکر کرتے ہیں، نہیں معلوم وہ خود اسماء الرجال اور اصول حدیث سے کوئی واقفیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ خود تحقیق فرماتے ہیں؟ یا کسی پر اعتبار کرتے ہوئے رائے دیتے ہیں؟ مجھے بہت عجیب احساس ہوا کہ ان کی تحریر میں یہ جملہ بھی ہے: ''صاحبِ''روح البیان'' کی یہ حدیث ہم نے پچھلے صفحات میں بیان کردی ہے۔'' (ص ۲۹)

ڈاکٹر صاحب نے ''صاحب روح البیان کی یہ حدیث'' کے الفاظ لکھ کر حدیث شریف

سے اپنی واقفیت اور شغف کا واضح اظہار فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''ایک خاص بات جو بیش تر نور ناموں میں خصوصیت کے ساتھ برتی گئی ہے وہ یہ ہے کہ پیدائش نورِ محمدی ﷺ کے بیان میں ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کو شامل کرلیا گیا ہے، درآں حالے کہ اس میں ''نور'' سے متعلق کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔'' (ص۱۳۲)

ڈاکٹر صاحب توجہ نہیں فرماتے تو رگ وید سے مطابقت انھیں نظر آجاتی ہے اور توجہ فرماتے ہیں تو واضح بات نہیں دیکھتے۔ نور ناموں میں اس حدیث قدسی کو تخلیق اوّل نور محمدی ﷺ کے بیان کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے، اس لیے اس ارشاد کو غیر متعلق نہیں کہا جاسکتا۔ ص۱۲۴ پر ڈاکٹر صاحب نے برہان الدین جانم کے جو اشعار پیش کیے ہیں اسے ایک حدیث شریف ہی کی شرح فرمایا ہے اور روایت کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ وہ اس روایت کو حدیث لولاک کی تائید میں خود ملاحظہ فرمالیں۔

ص۱۳۲ پر وہ لکھتے ہیں: ''امیر مینائی نے بیان کی ہوئی تیسری روایت خالص متصوفانہ لب ولہجہ لیے ہوئے ہے۔'' مجھے اس جملے میں جو تأثر ملا وہ یہ کہ اس روایت یعنی حدیث شریف کا لہجہ خالص متصوفانہ ہے۔ اگر میں نے غلطی کی ہے تو معذرت خواہ ہوں وگرنہ ڈاکٹر صاحب نے توجہ نہیں فرمائی۔ جن حجابات اور رموز واسرار کا تذکرہ ڈاکٹر صاحب نے نقل کیا ہے، وہ امیر مینائی کے ازخود بیان کردہ نہیں بلکہ حدیث شریف کی ترجمانی ہیں۔

''ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''عقیدت وعقیدے کی شاعری میں شعریت بڑی حد تک مفقود ہوتی ہے۔'' (ص۱۳۱) ڈاکٹر صاحب کی اس بات کو بہ تمام کمال ماننا میرے لیے تو بہت مشکل ہے۔ حمد ونعت، منقبت، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ سبھی عقیدت وعقیدے سے خالی نہیں، کیا ہر شاعر کے ہاں ان اصناف سخن میں شعریت بڑی حد تک مفقود ہے؟

ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے ''معراج ناموں'' کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کے اسم گرامی اور قصیدہ معراجیہ کا ذکر نہیں کیا تھا، اس فقیر نے اس بات کی نشان دہی ''نعت رنگ'' کے شمارہ۶ میں کی تھی۔ اب شمارہ ۱۵ میں نور ناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کے کہے ہوئے ''قصیدۂ نور'' اور حدائق بخشش میں اس موضوع پر سیکڑوں اشعار ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جانے یہ جملہ کیوں لکھا کہ: ''خان صاحب نے امت کی دل میں

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

فکرِ محمدی ﷺ سے زیادہ عشقِ محمدی ﷺ پیدا کرنے کی سعی فرمائی تھی۔''ڈاکٹر صاحب خود ہی وضاحت فرمادیں تو بہتر ہے ورنہ حقائق کے بیان میں میرا جواب ''مسلکی اجارہ داری'' شمار کرنے والے تو اسی جملے کے تعاقب کو بھی اپنے ''دعوے'' کے ثبوت میں پیش کرنا چاہیں گے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۱۴۰ پر عنوان ہے: ''نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری'' یہ تحریر ملتان کے جناب عاصی کرنالی کی ہے۔ انھوں نے یہ تحریر ایک مذاکرے میں پیش کیے جانے والے خیال کے جواب میں لکھی ہے۔ مجھے اس تحریر کو پڑھ کو خیال آیا کہ آپ (جناب سیّد صبیح رحمانی) کو مشورۃً عرض کروں کہ ''نعت رنگ'' کے ہر شمارے کی اشاعت سے قبل اگر نعت شریف کے حوالے سے ایک مذاکرے کا اہتمام رکھیں تو اس میں تنقید نعت کے بہت سے پہلوؤں پر گفتگو محفوظ کی جاسکے گی اور یہ مذاکرہ ہر مرتبہ الگ شہر میں منعقد ہو۔اسی طرح ہر شمارے کے لیے اہم عنوان پر ایک یا دوسوال مرتب کرکے شاعروں، ناقدوں اور ادیبوں کے جواب جمع کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح وہ اہم باتیں جو ضروری ہیں اور مضامین میں بالعموم نہیں لکھی جاتیں وہ بھی آجائیں گی۔ ہر چند کہ جناب عاصی کرنالی نے اپنی طرف سے عمدہ وضاحت کی ہے تاہم اس موضوع پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مذاکرے میں خیال یہ پیش کیا گیا جمالِ صورت کی بجائے صرف جمالِ سیرت کو موضوع بنانا چاہیے اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کا مقدس سراپا ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور شعرا جمالِ صورت بیان کرتے ہوئے بالعموم محبوب مجازی کے تلازمات استعمال کرتے ہیں۔ یہاں اس تحریر میں اگر صرف لفظ ''جمال'' ہی پر لغت کے مطابق تفصیل لکھوں تو تحریر بہت طویل ہوجائے گی۔ مجھے تعجب ہے کہ قرآن کریم، احادیث شریفہ اور کتب سیرت کی موجودی کے باوجود شرکائے مذاکرہ نے اپنے خیال پر اتنی گفتگو کیسے کرلی؟

مشہور روایت ہے: ''اللّٰہ جمیل یحب الجمال''. سبھی جانتے ہیں کہ اللّٰہ کریم جل شانہ جسم جسمانیات سے پاک ہے۔ جمیل اور حسین کے الفاظ کے الگ معانی عربی داں اور لغت سے شغف رکھنے والے طبقے سے مخفی نہیں۔ شعراء میں سے وہ لوگ جو آداب سے کسی قدر بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ احتیاط ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور محبوب مجازی والا سلوک محبوب ربّ العالمین ﷺ سے نہیں کرتے۔

عاصی کرنالی صاحب لکھتے ہیں، ''ذہن میں رکھیے کہ اس وقت لفظِ ''نعت'' اسلام میں مروج اصطلاحی مفہوم نہیں رکھتا تھا۔ یعنی توصیفِ رسول ﷺ کا تصور نہ تھا۔ جب شعرائے عرب

نے اسلام قبول کیا تو ان کی نعت گوئی توصیفِ رسالت مآب ﷺ سے متعلق ومخصوص ہوگئی۔" (ص۱۴۱) عاصی کرنالی صاحب نے لفظِ نعت کے اصطلاحی مفہوم کے لیے "اسلام میں مروج" کے الفاظ لکھے ہیں، اسے اردو اور فارسی میں مروّج اصطلاحی مفہوم لکھنا چاہیے۔ ان کا یہ جملہ کہ: "یعنی توصیفِ رسول ﷺ کا تصور نہ تھا" ۔ یہ جملہ یوں درست رہتا، "یعنی اس وقت نعت کے لفظ میں توصیفِ رسول (ﷺ) کا تصور نہ تھا۔" میرے نزدیک دوسرے جملے میں "نعت گوئی" کی جگہ "شعر گوئی" موزوں رہتا۔

عاصی کرنالی صاحب لکھتے ہیں: "اس وقت اسلام کو کفر وشرک کے مقابلے میں اپنا دفاع مقصود تھااس لیے عہدِ نبوت کی نعت کو ہم "لسانی جہاد" سے تعبیر کرسکتے ہیں۔" (ص۱۴۱) عاصی کرنالی صاحب سے عرض ہے کہ موجودہ عہد بھی میرے رحیم وکریم نبی پاک ﷺ ہی کا عہدِ نبوت ہے اور اسلام سے کفر وشرک کا مقابلہ بھی جاری ہے اور اسلامیانِ عالم کا جہاد باللسان بھی مسلسل ہے۔ عاصی کرنالی صاحب نے استغاثہ وفریاد وغیرہ کا ذکر "اردو میں نعت گوئی" کے حوالے سے کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دورِ غلامی سے یہ عناصر نعت گوئی میں بیان ہوئے، یہاں یہ واضح کردوں کہ عربی فارسی میں کلام کہنے لکھنے والوں کے ہاں یہ عناصر پہلے ہی سے نعت وقصیدہ میں شامل رہے ہیں۔

جناب عاصی کرنالی نے لکھا ہے کہ نعت گوئی میں سراپا نگاری کا عنصر نسبتاً کم ہوتا جارہاہے اور سیرت نگاری کے اجزاوعوامل میں اضافہ ہورہا ہے۔ اس بارے میں یہ فقیر کچھ عرض کرنا چاہتاہے۔ جناب سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی تحریر میں اللّٰہ کریم جَلَّ شانہٗ کا ذکر کرتے ہوئے تعظیمی کلمات نہ کہنے کا بیان گزر چکا ہے۔ مجھے وہ حدیث شریف بھی یاد آرہی ہے کہ ایک صحابی نے دعا سے قبل اللّٰہ کریم جَلَّ شانہٗ کی تعریف نہیں کی تو میرے نبی کریم ﷺ نے اسے آداب دعا تلقین فرمائے کہ پہلے اللّٰہ تعالیٰ عزّ وجلّ کی تعریف کرو پھر اپنی حاجت بیان کرو۔ یوں ہمیں آداب بندگی ملحوظ رکھنے کی واضح ہدایت دی گئی ہے۔ ہم قرآن کریم کو پڑھیں تو ہمارے معبود کریم جَلَّ شانہٗ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کا ذکر جس انداز سے فرمایا ہے وہ ہمیں تعلیم کرتا ہے کہ ہم ذکر رسول ﷺ بھی ان کی بہت تعریف وتوصیف کے ساتھ کریں اوران کے اسم مبارک ہی سے واضح ہے کہ ان کی مبارک ومکرم ہستی کی تخلیق ہی تعریف وتوصیف کے لیے ہوئی ہے۔ لایمکن الثناء کما کان حقه کہنے سے پہلے ان کے حسن وجمال اور محامد ومحاسن کا بیان حتیٰ المقدور،

حتیٰ الامکان، حتی الوسع بہت عمدگی سے کرنا ضروری ہے۔ میرے آقا کریم ﷺ کے حسن وجمال کا تذکرہ بھی دنیائے کفر وشرک کو گراں گزرتا ہے اور غیر مسلم نہیں چاہتے کہ کوئی بھی بات ایسی کی جائے جو میرے رسول کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ان سے محبت وعقیدت میں اضافہ کا سبب اور ذریعہ بنے۔ خالق کائنات میرے ربّ کریم جَلّ شانہٗ نے اپنے حبیب کریم ﷺ میں ہر حُسن، ہر جمال، ہر کمال بھی اس کمال پر رکھا کہ چودہ صدیاں، لکھنے والوں، کہنے والوں نے بساط بھر لکھا اور کہا مگر کوئی بھی پوری طرح بیان نہ کرسکا نہ ہی کرسکتا ہے۔ قرآن کریم ہی میں دیکھیے کہ متاع دنیا کو ''قلیل'' اور رسول کریم ﷺ کے خُلق کو ''عظیم'' فرمایا گیا ہے۔ جب شمار نہ ہونے والا قلیل ہے تو ''عظیم'' کی شان مخلوق میں پوری طرح کون جان سکتا ہے! یہ بھی عرض کروں کہ دنیا کی چند عشقیہ داستانیں جو مشہور رہیں، ان داستانوں کی شہرت محبوبانِ مجازی کے حُسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں مجنوں وفرہاد، راں جھا ومہیں وال وغیرہ کے جوشِ عشق ہی کی بات ہوتی ہے، یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ غزل کے پیرائے میں محبوبانِ مجازی کے لیے حسن وجمال کی بابت بھی جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مبالغہ ولفاظی بلکہ زیادہ تر خلافِ واقعہ ہی ہوتا ہے۔

ہم غور کریں کہ نعت شریف میں محبوب وممدوح تو وہ ذات بابرکات ہے جو صادق و مصدوق ہے اور ہر حُسن، ہر جمال اور ہر کمال کی بے مثال وباکمال جامع ہے، سچ کہوں کہ حُسن وجمال اور کمال وہی ہے جو ذاتِ مصطفیٰ کریم ﷺ میں ہے، ان کے حُسن وجمال کے بیان میں کسی مبالغے کا گمان تو تب ہو کہ کوئی کماحقہ انھیں اور ان کی حقیقت کو جانتا ہو یا جان سکتا ہو۔ نعت شریف کے محبوب کریم ﷺ کو دیکھیے، ان کا ہر سچا چاہنے والا ان کے بے مثال حسن وجمال، فضل وکمال اور عظمت وشان کا والہ وشیدا ہے، ان پر فدا ہے اور یہ محبت بھی کیا پیاری اور انوکھی ہے کہ یہاں چاہنے والوں میں رقابت نہیں بلکہ مثالی قرابت ہے، جو کوئی میرے محبوب کریم رسول پاک ﷺ کی جس قدر زیادہ محبت وتعظیم رکھتا ہے، ان کے چاہنے والوں میں بھی وہ زیادہ محبوب و محترم ہوجاتا ہے۔ اہلِ علم سے یہ بھی مخفی نہیں کہ بغیر تخصیص کے مدح ممکن ہی نہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وصف بغیر موصوف کے نہیں اور کون نہیں جانتا کہ حقیقی تعریف اللّٰہ کریم جلّ شانہٗ ہی کے لیے ہے۔ میرے محبوب کریم رسول پاک ﷺ کی تعریف وتوصیف درحقیقت اللّٰہ کریم جلّ شانہٗ ہی کی تعریف ہے اور میرے مقدس ومطہر رسول کریم ﷺ کی ذات وصفات میرے رب تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی ذات وصفات پر دلیل وبرہان ہیں۔ ہر سچے مومن کو اللّٰہ کریم جل شانہٗ

کے اجمل و احسن حبیب کریم ﷺ کا ہر صحیح و سچا تذکرہ، خواہ وہ ان کے مبارک اور بے مثال حسن و جمال کا ہو یا ان کی باکمال مقدس سیرت کا ہو، محبوب ومطلوب اور مرغوب ہے اور دنیا و آخرت میں یہی تذکرہ اور انھی کا چرچا رہے گا۔

عاصی کرنالی صاحب لکھتے ہیں: ''ان کی اطاعت ہی سے خدا کی اطاعت منسلک ہے۔'' (ص۱۴۱) قرآن کریم میں ہے: **من یطع الرسول فقد اطا ع اللّٰہ (النساء۔۸)**

رسول کریم ﷺ کی فرماں برداری اللّٰہ کریم جَلّ شانہٗ ہی کی فرماں برداری ہے۔

ص۱۴۸ سے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ میں جناب راجا رشید محمود کی تحریر ہے، عنوان ہے: ''منظوم سراپائے حضور ﷺ''۔

ان کی تحریر کا آغاز اس جملے سے ہوا ہے: ''جن بھی بخت افراد نے ایمان کی آنکھ آقا سے حضور ﷺ کو دیکھا، وہ صحابی کہلائے، ہدایت کے ستارے ٹھہرے۔'' (ص۱۴۸) ضروری سمجھتا ہوں کہ ''صحابیؓ'' کی تعریف یہاں پھر نقل کردوں، ملاحظہ ہو: ''صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کے ساتھ اپنی دنیوی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا ہو اور اس شخص کی وفات بھی ایمان پر ہوئی ہو۔'' وہ لکھتے ہیں: ''صرف صحابۂ کرام رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کا سراپا مبارک دیکھا۔'' (ص۱۴۸)

راجا صاحب نے اپنے اس بیان کے شروع میں ''صرف'' کا لفظ جانے کس بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ وہی کچھ وضاحت فرمائیں تو معلوم ہو!

وہ لکھتے ہیں: ''ماں کو بیٹا سب سے زیادہ دیکھتا ہے لیکن کوئی اولاد ماں کا حلیہ بیان نہیں کرسکتی۔'' (ص۱۴۸) میرے نزدیک اس جملے میں ''کوئی اولاد'' کی بجائے ''کوئی بیٹا'' ہی لکھا جاتا تو بہتر ہوتا اور ''نہیں کرسکتی'' کی بجائے ''نہیں کرتی'' (بیٹے کے حوالے سے ''نہیں کرتا'') لکھا جاتا تو درست ہوتا۔

وہ شعر لکھتے ہیں:

بن رواحہ، حضرت حسان اور ابن زہیر
حلیہ آقا ومولیٰ (ﷺ) کو نہ کرپائے بیاں

ان ہستیوں نے حلیہ شریف اگر بیان نہیں بھی کیا تو راجا صاحب نے یہ کیسے گمان کرلیا

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

کہ وہ ''نہ کر پائے بیاں''؟

وہ لکھتے ہیں: ''لیکن محبت کے ساتھ فکر وفن کی آنکھوں سے دیکھنے والوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔'' (ص۱۴۹۔۱۵۰)

سراپائے رسول کریم ﷺ کو ''فکر وفن کی آنکھوں سے دیکھنا'' میرے نزدیک ''فکر وفن'' کے الفاظ محل نظر ہیں۔

محمد امین الدین قیصر یحیائی کے اشعار جو راجا صاحب نے نقل کیے ہیں، ذرا پہلا مصرع ہی ملاحظہ ہو:

''یوسفِ مصر کو سکتہ ہے، کھڑے ہیں حیراں'' (ص۱۵۰)

کیا فرماتے ہیں راجا صاحب اپنے اس انتخاب کے بارے میں؟

ص۱۵۵ پر اپنا لکھا ہوا وہ یہ جملہ بھی ملاحظہ فرمائیں: ''میرے سامنے اس وقت حضور اکرم ﷺ کا ایک نایاب سراپا ہے۔'' کیا یہ جملہ اسی طرح ہونا چاہیے تھا؟ راجا صاحب سے اس شعر کے بارے میں بھی جاننا چاہوں گا کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟

ریشِ سیہ میں وہ رخ تاباں نظر پڑا
لپٹا غلافِ کعبہ میں قرآں نظر پڑا
(ص۱۵۷)

محترم صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے مطالعے میں مجھ سے تاخیر ہوئی تھی تو اس کے مندرجات کے بارے میں لکھتے ہوئے بھی کچھ عجیب معاملے رہے۔ یہاں تک ہی تحریر متعدد مرحلوں میں ہوئی۔ تحریر میں کوئی غلطی کوتاہی ہو تو اللہ کریم جل شانہٗ سے طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔ پندرہویں شمارے کے ابھی نصف تک نہیں پہنچا اور وقت نہیں مل رہا کہ دل جمعی سے مفصل لکھ سکوں۔ کوشش کرتا ہوں وقت نکالنے کی تو کوئی کام ایسا آجاتا ہے کہ وہ وقت اس کی نذر ہوجاتا ہے۔ یہ خیال بھی ہے کہ آپ کو میری وجہ سے دیر نہ ہو۔ دو تین تحریروں کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں، جو تحریریں رہ جائیں گی ان کے لیے معذرت خواہ ہوں، ضروری ہوا تو ان شاء اللہ آئندہ تحریر میں ان کے بارے میں عرض کروں گا۔

جناب منصور ملتانی کی تحریر ''اردو منظوم سیرت نگاری ... ایک جائزہ'' میں یہ جملے قابل توجہ ہیں:

''پھر ہر مسلمان پر یہ بات لازم فرمادی کہ وہ بھی اللّٰہ اور اس کے فرشتوں کی طرح رسول کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے۔''

''اور اللّٰہ تعالیٰ کی بے نیازاور خالقِ کل ذات نے بھی اس سبب سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا پسند فرمایا کہ آپ ﷺ ہی نے بھٹکے ہوئے انسان کو دوبارہ اپنے رب کے راستے پر واپس بلایا گویا رب اور اس کے بندے کے درمیان رابطہ بحال کیا۔'' (ص۱۵۹۔۱۶۰)

''یوں نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو دوبارہ ان بندوں کی صف میں کھڑا ہونے کا راستہ دکھایا جو اللّٰہ کے ''اپنے بندے'' کہلائے۔'' (ص۱۶۰)

منصور ملتانی صاحب نے شاہ نامۂ اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ترجمۂ قرآن میں کہیں مفہوم تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔'' (ص۱۶۸)

ان کی یہ بات بلا شبہ درست ہے لیکن ص۱۷۴، ۱۷۵ پر انھوں نے اپنا کہا ہوا ایک سا نیٹ نذر قارئین کیا ہے۔ اس کے ترجمے میں وہ ملاحظہ فرمائیں کہ خود ان سے بھی اس سانیٹ میں کچھ ایسا ہی فعل سرزد ہوتا نظر آرہا ہے۔

علاوہ ازیں انھوں نے میرے نبی پاک ﷺ کے دو فرزندوں کا ذکر فرمایا ہے، کوئی یہ گمان نہ کرلے کہ رسول کریم ﷺ کے دو ہی فرزند ہیں، میرے نبی پاک ﷺ کے تیسرے فرزند حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی والدہ محترمہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

پروفیسر محمد اسحاق صاحب قریشی نے ''نعت رنگ'' کے کچھ شماروں میں پہلے بھی اپنی تحریریں یادگار بنائی ہیں، تحقیق وتنقید کے حوالے سے ان کا نام اور کام اپنا ایک اعتبار رکھتا ہے۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۱۷۷ سے ان کی تحریر کا آغاز ہوتا ہے، عنوان ہے: ''نعت اور نقدِ نعت... چندگزارشات'' اس تحریر کے بیش تر حصے میں محترم ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے بہت عمدگی سے رہ نمائی کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اس تحریر کا یہ بیش تر حصہ کچھ ان اہم باتوں کے حوالے سے خاصی چشم کشائی کرتا ہے جنھیں مباحث کا موضوع بنا کر بہت سے اہل قلم الجھتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جو صحیح اور مفید مشورے اور تجاویز جس عمدگی سے پیش کی ہیں، امید ہے اسی طرح کشادگی سے انھیں قبول بھی کیا جائے گا تاہم ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں کچھ باتیں مجھے قابل توجہ بھی محسوس ہوئی ہیں۔ اپنی دانست کے مطابق عرض کرتا ہوں، میری دانست میں وہ غلطی پائیں

تو ضرور اصلاح فرما دیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ غیر معیاری میلان پر کاری ضرب لگاتے ہوئے مناسب اختلاف کی گنجائش باقی رہنی چاہیے کہ انسان کی جغرافیائی اور علاقائی مجبوری کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ گنجائش اور حدود کے درمیان ایسی حد فاصل قائم رہنا لازم ہے جو پریشان نظری سے بچائے اور آزادیٔ فکر کی بھی آبیاری کرے۔'' (ص۱۸۱) اس سے پہلے ان کی اسی تحریر میں ہے کہ: ''مسلم معاشروں میں معیار سے ہٹ کر غیر صالح رویے برداشت نہیں کیے جانے چاہییں۔'' (ص۱۸۱)

ڈاکٹر صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ ''اختلافات'' کی نوعیت ہی پر ''گنجائش'' کی رعایت ہونے یا نہ ہونے کی بات ہوگی اور جس باب میں بندے اور امّتی کو ''اختیار'' ہی نہیں، وہاں اسے آزادیٔ فکر کی آبیاری نہیں بلکہ پابندیٔ فکر کی پاس داری کرنی ہوگی۔ جغرافیائی اور علاقائی مجبوریوں کی وجہ سے انسان کیا نظریات وعقائد اور اصول وقواعد'' بھی بدلنے کا ''ہر طرح یا کسی طرح مختار'' ہے؟ حدود اور گنجائش کے درمیان حد فاصل قائم رکھنا اسی سے وابستہ کیا جائے جو ہر دو سے بخوبی آگاہ ہو۔ پریشان نظری سے بچنے کے لیے حدود اور گنجائش کی آگہی لازم ہے کہ وہی حد فاصل قائم رکھے گی۔ یہ بھی واضح کیا جائے کہ حدود اور گنجائش کی یہ آگہی قرآن کریم اور احادیث شریفا اور مسلمہ شرعی اصول وقواعد کے مطابق ہوگی یا اس کا تعین بھی زبان وادب (نظم ونثر) اور جغرافیہ اور علاقہ سے ہوگا؟

''نعت رنگ'' ہی کی متعدد تحریروں میں ڈاکٹر صاحب نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ نثر میں جسے غلط ہی نہیں بلکہ جانے کیا شمار کیا گیا جب کہ نظم میں وہی کچھ، صحیح اور لائق تحسین مانا گیا۔ڈاکٹر صاحب خود لکھ رہے ہیں کہ مسلم معاشروں میں معیار سے ہٹ کر غیر صالح رویے برداشت نہیں ہونے چاہییں، وہ یہ بھی لکھتے ہیں: ''مناسب ہوگا کہ تنقیدی حوالوں سے لکھنے والے قلم کار اپنے رویوں پر خود بھی نظر رکھیں کہ کہیں جوشِ نقد سلامت روی سے برگشتہ نہ کردے'' (ص۱۸۵) وہ خود بتائیں کہ ضروریاتِ دین کے باب میں گنجائش کیا صالح رویہ ہوگا؟ وہ بتائیں کہ تحریف وتخریب اور توہین اور تحقیر کی سازشیں حلقہ یاراں ہی میں بالمقابل یا ملفوف ہو رہی ہوں تو ایک بندۂ مومن کو فولاد ہونا چاہیے یا بریشم کی طرح نرم؟

ڈاکٹر صاحب نے ہی لکھا ہے کہ ''ماحول کی سنگینی نے بھی معتقدات پر اثر ڈالا تھا'' (ص۱۸۰) ان سے یہی عرض ہے کہ نااہلوں اور ناواقفوں کی پیدا کردہ گنجائش ہی ماحول کو سنگین

بناتی ہیں اور ایسے میں منافقت راہ پاتی ہے اور منافقت کے بالمقابل مداہنت تو شدید مجرم بنا دیتی ہے جب کہ دینی تعلیم میں تو یہ ہے کہ متکبر کے سامنے تکبر کرنا بھی صدقہ ہے تاکہ اس کے تکبر کو توڑا جائے یعنی غلطی کے مرتکب کو اس کے حال پر نہ رہنے دیا جائے، اس کی اصلاح ضرور کی جائے۔

وہ خود لکھتے ہیں کہ" ایسے خیالات کا فوری محاسبہ ضروری ہے۔" یہ فقیرِ پُر تقصیر عرض کر چکا ہے کہ نعت گو، شاعروں ادیبوں کی تحریروں پر تنقید کا مقصد کسی شاعر و ادیب کی دل آزاری یا توہین و تحقیر ہرگز نہیں بلکہ خواہش صرف یہ ہے کہ دینی شرعی تقاضے پورے ہوں اور غلطی و کوتاہی کو جان کر ان کا اعادہ نہ کیا جائے اور جو کچھ غلط ہوگیا اس سے توبہ کی جائے یعنی ہماری کسی خطا کی نشان دہی پر ہمارا ایمانی تقاضا ہی ہے کہ ہم توبہ واستغفار کریں اور غلطی سے رجوع ہی کی طرف مائل ہوں۔

ڈاکٹر صاحب ہی نے لکھا ہے کہ: "لفظ لفظ کی حرمت پیش نظر رہے" ۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ: "لفظ مناسب نہ ہوں تو نعت کی عظمت پر حرف آتا ہے۔" وہ یہ بھی لکھتے ہیں: "جذبوں کی سچائی نعت کا حسن ہے اور حرفوں کی متانت اس کا جمال ہے۔ اُس بارگاہِ عظمت میں اسے پیش کرنا ہے جہاں اگر جنبشِ لب، خارج از آہنگ ہوجائے تو ایمان کا خطرہ ہے اور اگر جذبے مستقیم اور پابند آداب نہ رہیں تو دھتکارے جانے کا احتمال ہے۔" (ص١٨١۔١٨٢۔١٨٣)

وہ لکھتے ہیں: "غور کیا جائے تو نعت مشکل ترین صنف سخن ہے کہ اس میں لفظ و معنی کی طہارت درکار ہے۔" (ص١٨٢)

ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ جہاں کہیں انھی کے پیش کردہ عناصرِ نعت کے برعکس معاملہ ہو وہاں کاری ضرب تو درکنار، صرف نشان دہی بھی ناگوار ہو تو یہ ناگواری کیا "غیر صالح" رویہ شمار نہ ہوگا؟ خود ڈاکٹر صاحب ہی نے لکھا ہے کہ "غیر صالح رویے برداشت نہیں کیے جانے چاہییں۔"

محترم ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب قریشی کی تحریر سے پہلے کچھ جملے ملاحظہ ہوں، وہ لکھتے ہیں:

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

(واضح رہے کہ مَیں ان جملوں میں کہیں اختلاف بھی رکھتا ہوں اور کچھ جملوں کا اعتراف کرتا ہوں)

☆ رسول عالمین ﷺ کے حوالے سے گفتگو کو کسی محدود نسبت کا حوالہ دینا، آفاقی حسیت کو علاقائی نسبت سے محدود کرنا تھا۔"

☆ "شعر سے کسی ذہن میں تاویل کا سقم پیدا نہ ہو۔"

☆ "غلط انتساب ناموافق نسبت اور غیر محمود ترکیب سے اجتناب کی راہ دکھائی گئی۔"

☆ "مروّج اصطلاح یا رائج تلمیح کو ہر اعتبار سے اس کے بنیادی معنی کا پابند نہیں رکھا جاسکتا۔"

☆ "تشبیہات میں بھی بعض اوقات ایسی الجھن پیدا ہوجاتی ہے۔ عموماً مشبہ بہ کو برتر سمجھا جاتا ہے کہ اسی برتری کی بنیاد پر تشبیہ دی جاتی ہے مگر یہاں بھی اس قانون یا ضابطے کی شدت نقصان دہ ہے۔"

☆ "کبھی پہلے سے معروف مفہوم کے سہارے نئے مفاہیم کی جلوہ گری مقصود ہوتی ہے۔"

☆ "حالاں کہ تشبیہ برتری ظاہر کرنے کا ذریعہ ہوسکتی ہے مگر ہر موقع پر نہیں، بے مثل صفات کو نسبتاً کم تر سے تشبیہ دینا کم کرنا نہیں ہوتا۔" (ص۱۸۴۔ ۱۸۵)

ان جملوں کے بعد ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان، وہ فرماتے ہیں: "صبرِ ایوب، گریۂ یعقوب یا طوفانِ نوح، اب تلمیح کے طور پر مستعمل ہیں اسے لیے اگر کوئی کہے کہ "صبرِ ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا" تو وہ اپنی کیفیات کو تاریخی تناظر میں بیان کررہا ہے، ہم سری کا دعویٰ نہیں کر رہا۔ یقیناً زبان کی ثروت ایسے ہی کلمات اور ایسی ہی تراکیب سے ہوتی ہے۔" (ص۱۸۴)

انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں اپنے اس بیان کی تائید میں وہ یہ بھی فرماتے ہیں: "دل بے دار فاروقی، دل بے دار کراری" جسارت نہیں کسب فیض کی ایک تمنا ہے"۔ (ص۱۸۴)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اسی تحریر کے شروع میں جو لکھا وہ بھی ملاحظہ ہو: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عہد، نعت کا معتبر حوالہ ہے کہ اس میں نعت کی ترکیب بھی ہے، تنوع بھی اور آداب آشنائی کے ذوق سلیم کی معراج بھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ذاتِ ممدوح کے عینی شاہد تھے اس لیے بلاواسطہ اُس وجودِ مکرم سے فیض یاب تھے، قرآن مجید کی ہدایات، روایات واحادیث کی تعلیمات اوران کا اپنا جذبۂ صادق رویوں میں توازن اور اظہار میں حُسن پیدا کررہا تھا۔ وہ طلاقت لسانی کی وسعتوں سے آشنا ہونے کے باوصف حدود شناس تھے۔" (ص۱۷۷۔۱۷۸)

مزید لکھتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ وہ نعت کے تقاضوں سے باخبر تھے۔ لفظ ومعنی کے رشتوں سے بھی آگاہ تھے اور خوش قسمتی کہ انھیں ہادیٔ اعظم ﷺ کی رہ نمائی بھی حاصل تھی ...نعت کا معیار، مضامین نعت کا تنوع اور حدود، حالات وظروف کے تحت اس میں کشادگی کے امکانات نعتیہ ادب کے طالب علم کو عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی تلاش کر لینے چاہییں تاکہ لغزشِ قدم کا خطرہ نہ رہے ...'' (ص ۱۷۸)

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی صاحب کو معلوم ہوگا کہ ''نعت رنگ'' ہی میں حمد، نعت، حسّان، قصیدہ اور جانے کتنے الفاظ کے مروّجہ اصطلاحی معنی ومفہوم پر لکھا جاچکا ہے۔ مشبہ او رمشبہ بہ کی باتیں بھی ہوئی ہیں۔ انھیں معلوم ہوگا کہ لکھنے والوں نے تو ''خاکِ مدینہ ونجف'' کے الفاظ پر شرک فی النبوۃ کی باتیں اسی ''نعت رنگ'' میں کی ہیں۔ مذکورہ بالا تمام اقتباس خود ڈاکٹر صاحب ہی کی اس تحریر میں کسی قدر تضاد بھی دکھارہے ہیں۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اپنی تائید میں کوئی مثال بھی پیش نہیں کی جب کہ یہ جملہ انھی کی تحریر میں خود ان کی اپنی بات کی نفی کرتا نظر آتا ہے کہ: ''وہ (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) طلاقت لسانی کی وسعتوں سے آشنا ہونے کے باوصف حدود شناس تھے۔''

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ان مذکورہ بالا تمام باتوں پر دلائل بھی تحریر نہیں کیے۔ انھوں نے قصیدہ بانت سعاد کے ایک شعر کو جوان کے نزدیک ''مدح نگاری کا نقطۂ کمال ہے'' بیان کر کے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ بھی ان کی کچھ تجاویز کو سہارا نہیں دیتا۔

ڈاکٹر صاحب نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ میں میری تحریر میں ''فتاوی رشیدیہ'' کے حوالے سے یہ جملہ ملاحظہ کیا ہوگا:

''لفظ رحمۃ للعالمین صفتِ خاصہ رسول ﷺ کی نہیں ہے...'' (معاذ اللہ) اسی تحریر میں ''افاضات یومیہ'' کے حوالے سے یہ بھی ہے کہ حاجی امدا اللہ صاحب مہاجر مکی کی نسبت گنگوہی صاحب باربار ''رحمۃ للعالمین'' فرماتے رہے۔

کتاب ''ارواح ثلاثہ'' (مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی) کے ص ۲۷۰ - ۲۷۱ پر ہے:

''...راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب (نانوتوی صاحب) ان لوگوں کو دے دیتے۔ اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دے دیتے ہیں، کچھ تو اپنے پاس رکھیے تو (محمد قاسم نانوتوی نے) فرمایا ''انما انا قاسم واللہ یعطی''۔

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

یہ بھی ملاحظہ ہو، ''...آدھی رات کو استنجے کی ضرورت ہوئی، اول شب میں دریافت کرنا یاد نہ رہا، بس خدا کی قدرت کہ مولانا خود اندر سے تشریف لائے کہ کوئی حاجت ہے؟ میں نے کہا جی ہاں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس وقت دونوں کو تکلیف نہ ہوگی اندر زنانہ مکان میں چلو اور خود (تھانوی صاحب) استنجے کے ڈھیلے اور پانی رکھ آئے۔ میں نے کہا یہ تو آب زم زم ہے، اب استنجا کاہے سے کروں!...'' (''قصص الاکابر''، ص۲۰۶، بحوالہ حُسن العزیز، ص۲۲۰، ج ۲)

مزید ملاحظہ ہو: ''ہر اہل بصیرت صاحب ذوق سلیم رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جس وقت بھی آپ (گنگوہی) کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے کمال حسن سیرت کا معترف وشیدا ہو کر بے اختیار پکار اٹھا کہ'' **ماھذ ابشرا ان ھذا الاملک کریم**... ''(''تذکرہ الرشید'' ص۶۰، جلد۲، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

یہ پانچ حوالے پیش کر کے ڈاکٹر صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حوالوں میں آیات واحادیث سے جو سلوک کیا گیا ہے، کہیں آپ کی کچھ تجاویز سے انھیں سہارا تو نہیں مل رہا؟

ڈاکٹر صاحب نے صبرِ ایوب، گریۂ یعقوب اور طوفانِ نوح (علیہم السلام) کا ذکر فرمایا ہے۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۴۵۳ پر یہ فقیر اپنی تحریر میں ''لحن داؤدی'' کہنے لکھنے کو نادرست ثابت کرتے ہوئے حدیث شریف پیش کر چکا ہے۔ اس حدیث شریف کے عربی اصل متن میں سے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں، ''...**لقد اوتیت مزمارا من مزامیر ال داود.(مسلم شریف)**

رسول کریم ﷺ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ تمھیں ''لحنِ داؤدی'' ملا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ تمھیں حضرت داؤد علیہ السلام کے الحانوں میں سے ایک الحان (حصہ) ملا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی صاحب سے عالی فہم شخص کے لیے یہی ایک روایت، حقیقت واضح کردے گی۔ صبرِ ایوب، گریۂ یعقوب، طوفانِ نوح، حسنِ یوسف، لحنِ داؤد، دَمِ عیسیٰ، عصائے موسیٰ (علیہم السلام) کا بیان کسی غیر نبی کے لیے تلمیح کے طور پر استعمال کرتے ہوئے بھی جس قرینے، سلیقے کی ضرورت ہے وہ ہر کس وناکس کا حصہ نہیں، اس لیے ڈاکٹر صاحب ان کا ''عام استعمال'' صرف زبان کی ثروت ظاہر کرنے اور معروف مفہوم کی ادائی کے لیے جائز نہ جانیں۔ زبان اور مفہوم سے کہیں زیادہ اہم وہ معتقدات اور مراتب ہیں جن کی پاس بانی ہمارا امتیاز ہے، ان کے بیان میں ہم ایسی آزادی کیسے گوارا کر سکتے ہیں جو ہمارے ایمان کے لیے مسئلہ ہو!

ڈاکٹر صاحب نے ''مسیحا'' کے لفظ پر جو رائے پیش کی، ان کی ''توجہ'' کے لیے صرف

ایک شعر ہی نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

"مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم"

(کلیات شیخ الہند، مطبوعہ مکتبہ محمودیہ، لاہور ۱۹۷۶ء)

ڈاکٹر صاحب کو یاد ہوگا کہ نصف صدی قبل "رسول السلام" کے لفظ ایک کافر و مشرک کے لیے اہل عرب نے استعمال اور بیان کیے تھے، لفظی ترجمے کی رعایت کے باوجود انھیں گوارا نہیں کیا گیا۔ جب ڈاکٹر صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ غیر صالح رویّے برداشت نہیں کیے جانے چاہییں تو انھیں ایسے دروازے بھی کشادہ نہیں کرنے چاہییں جو غیر صالح رویّوں کو راہ دیں۔

ڈاکٹر قریشی صاحب ان الزامات کہ محبت رسول ﷺ میں غلو کیا جاتا ہے اور بندہ و مولا کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا، کے جواب میں خوب لکھا ہے، اس انداز سے ان کا یہ جواب بہت سے لوگوں کے لیے دعوت فکر ہے، خدا کرے کہ ان لوگوں کے ذہن وفہم اس جواب میں غور کریں اور ڈاکٹر صاحب کی کہی ہوئی بات کو پاسکیں۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب قریشی لکھتے ہیں: "ایک اور ذہنی تحفظ جو غیر جانب دارانہ جائزوں کی راہ میں حائل ہے۔ وہ مسلکی وابستگی ہے یہ زندہ معاشروں کا حسن ہوتا ہے کہ مخلصانہ اختلافات کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ مرکز تو ایک ہی وجود ہے سب اسی کے حضور اپنی اپنی عقیدتوں کے گل دستے لیے حاضر ہیں اس رنگا رنگی سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں انشراح آنا چاہیے کہ میرے محبوب کریم ﷺ کا میں ہی نہیں سب ہی چاہنے والے ہیں۔ محبت بے لوث ہو تو محبوب کی ہر نسبت معتبر ہوتی ہے اللّٰہ کرے محبت رسول ﷺ امت مسلمہ کی وحدت کی پختہ اساس بنے۔ یہ خواہش ہر دردمند دل کی ہے۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ ہر مدعی محبت ایسا رویہ نہیں رکھتا اور وہ اپنے خیالات کو ہی صائب گردانتا ہے اور دوسروں کی لائقِ تحسین کاوشوں کو بھی رد کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ نعت کے مضامین میں بھی ایسی ہی پسند وناپسند اثر دکھاتی ہے۔ کاش ایسا نہ ہو کہ نعت تقدس بے نفسی کا تقاضا کرتا ہے۔" (ص ۱۸۶)

ڈاکٹر صاحب نے اس پیراگراف میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، میرا خیال ہے انھوں نے تلخیوں ہی سے نہیں، کچھ حقائق سے بھی چشم پوشی کی ہے۔ مخلصانہ اختلاف کی حوصلہ افزائی بھی ہر باب میں نہیں کی جاسکتی۔ وہ جانتے ہیں کہ اجتہادی غلطی اور عنادی غلطی میں، علمی اختلاف اور

اعتقادی اختلاف میں واضح فرق ہوتا ہے۔ بات کفر و ایمان کی ہو یا صحیح و غلط میں تمیز کی، ایمان والے ہی کے خیالات ونظریات صائب شمار ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''مرکز تو ایک ہی وجود ہے''۔ جب کوئی بات مرکز ہی کی شناخت اور اس کی حیثیت بدلنے کی کرے تو وہ اس کے حضور ''عقیدتوں کے گل دستے'' لیے حاضر نہیں ہوتا بلکہ وہ عقیدتوں کے گلشن تاراج کر رہا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب بخوبی جانتے ہوں گے کہ میرے مدنی تاج دار، حبیب پروردگار، رسولِ کریم ﷺ کو رشتوں ناتوں، مال وعیال اور تمام لوگوں ہی سے نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے اور ان کی تعظیم توقیر لازمی ہے۔ ان کی تعظیم اور محبت کے آداب ہمیں تعلیم کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے خود بھی لکھا ہے کہ ان کی بارگاہ عظمت میں جنبش لب اگر خارج از آہنگ ہوجائے تو ایمان کا خطرہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ ''ننھا چرواہا، ہمارا چرواہا'' (معاذاللّٰہ) کے الفاظ کی سرخیاں بالقصد لگا کر کتاب شائع کی جائے تو اسے وہ کیا کہیں گے؟ ستم بالائے ستم کہ اس کتاب کو ''صدارتی ایوارڈ'' دیا جائے۔ایسا لکھنے والا بھی کیا ''واقعی چاہنے والا'' شمار کیا جائے گا؟ توہین وتنقیص کرنے والے بھی اگر چاہنے والے ہی ہیں تو پھر ملحد وزندیق کس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب خود لکھتے ہیں کہ: ''یہ یقین رہنا چاہیے کہ ذاتِ ممدوح ہر حوالے سے بے مثل اور عظیم تر ہے۔'' (ص۱۷۹) وہی بتائیں جو اس ذاتِ ممدوح (ﷺ) کو بے مثل اور عظیم تر نہ مانے، کیا وہ بھی ''چاہنے والا'' ہی کہلائے گا؟ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''ممدوح کی ذات، صفات اور خصائص کا بیان اور دفاع، علامتِ ایمان ہے، اس لیے قول وعمل سے مدافعت کا حق ادا ہونا چاہیے۔'' (ص۱۷۹) ڈاکٹر صاحب ہی فرمائیں کہ جو کوئی یہ حق ادا کرنے کی کوشش کرے اسے ہدفِ طعن بنانا کیا کہلائے گا؟

ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ فی الواقع ''لائق تحسین کاوشوں کا رد کرنے میں خوشی محسوس کرنے والے'' کیا کہلائیں گے؟

عجب ماجرا ہے، جرم بیان کیا جائے تو غوغا اور جرم کے مرتکب کی نشان دہی کی جائے تو واویلا!! حدیث شریف ہے: هل واليت لی وليًا وعاديت لی عداوةً۔ اس حدیث شریف کے شروع میں ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن اللّٰہ کریم جَلَّ شانہٗ کی بارگاہ میں لایا جائے گا، اس سے فرمایا جائے گا کہ دنیا سے کیا لایا ہے؟ وہ فرائض کے علاوہ نوافل نمازیں، روزے، حج اور صدقات وغیرہ بھی بیان کرے گا تو اللّٰہ جل شانہ فرمائے گا: کیا تو نے میرے لیے میرے دوستوں

سے محبت اور میرے دشمنوں سے عداوت رکھی؟ یعنی اس کے پیاروں سے رشتہ جوڑنا اور اس کے دشمنوں سے رشتہ توڑنا، اہم کام ہے۔

خلیفۂ رابع امیر المومنین سیدنا علی کرم اللّٰہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: **الاعداء ثلثة، عدوّک، وعدوّصدیقک، وصدیق عدّوک۔** دشمن تین (طرح کے) ہیں (۱) تیرا اپنا دشمن (۲) تیرے دوست کا دشمن (۳) تیرے دشمن کا دوست۔اس بیان نے واضح کیا کہ ہم اپنے دشمنوں کو پہچانیں اور اپنے معبود کریم جل شانہ کے دشمنوں کو بھی پہچانیں۔ اس روایت کے مطابق ہم انھیں بآسانی پہچان سکتے ہیں: پہلی قسم کے دشمن مشرک وکافر ہیں۔ دوسری قسم کے دشمن وہ ہیں جو اللّٰہ کریم جل شانہ کے پیاروں کے دشمن ہیں اور تیسری قسم کے دشمن وہ ہیں جو پہلی دونوں قسموں کے حامی ومعاون ہیں۔ یوں ہم جان لیں کہ ہر وہ شخص جو ہمارے رحمٰن ورحیم ربّ کریم جلّ مجدہ کے پیاروں کا کسی طرح مخالف ودشمن ہے وہ ہمارا دوست ہرگز نہیں۔ اب ڈاکٹر صاحب بتائیں کہ وہ شخص جو بظاہر کلمہ ونماز، فرائض واجبات اعمال کے باوجود یہ کہے لکھے کہ ''نبی کی تعریف بھی صرف ایک بشر کی سی کرو وہ بھی اختصار کے ساتھ کرو'' یا نہایت نامناسب الفاظ وہ نبی کریم ﷺ کے لیے اپنی تحریر وتقریر میں استعمال کرے، جب کہ ایسا کہنے والوں کو خود اپنی خلاف واقعہ بہت زیادہ تعریف بھی مرغوب ہو، تو کیا ایسے لوگ بھی ''نبی (ﷺ) کے چاہنے والے'' شمار ہوں گے؟ بے مثل اور عظیم تر ''ماننے کی بجائے جو میرے خیر الخلق، افضل الخلق نبی پاک ﷺ کو ''اپنے جیسا بشر'' کہتے لکھتے ہوں، کیا وہ ''بھی چاہنے والے'' کہلائیں گے؟ چاہنے والے تو یہ کہتے ہیں:

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

اصحاب نبوی (رضی اللّٰہ عنہم) میں ممتاز حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللّٰہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں ''**کنت عبده و خادمه**'' یعنی وہ خود کو نبی پاک ﷺ کا غلام اور خادم قرار دیتے ہیں۔ مجھے بتایا جائے کہ چاہنے کی شرائط اور خصوصیات نہ پائی جائیں تو چاہت کیوں کر ثابت ہوگی؟ محبوب کریم ﷺ سے دفاع کی بجائے ان کی بارگاہ عالی جاہ میں اونچی اونچی واہی تباہی کرنے والوں کو معزز ومکرم جاننا بھی ''چاہت'' شمار کرنا کسی مومن سے ممکن نہیں۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''شعر اُسے ہی کہنا چاہیے جو شعر کہنے کی صلاحیت رکھتا

ہو۔" (ص۱۸۱) اور یہ بھی فرماتے ہیں: "نعت ایک صنف سخن ہی نہیں، تطہیرِ جذبات، تکمیلِ انسانیت اور تقویمِ عقائد کا ذریعہ بھی ہے۔" (ص۱۸۷)

میری عرض صرف اتنی ہے کہ کوئی شعر کہے یا تک بندی کرے مگر نعت شریف صرف وہی کہے جو نعت شریف کہنے کو غایت درجہ سعادت جانے اور خود کو بخوبی یہ باور کرالے کہ اس کی ہر قابلیت و صلاحیت کی نہایت کے باوجود اس سے ذاتِ ممدوح (ﷺ) کی مدح وثنا کا حق ادا نہیں ہوسکتا اور اسے ذاتِ ممدوح (ﷺ) کی محبت و تعظیم کے ہر ہر تقاضے کا ہر مرحلے اور ہر لمحے پاس و لحاظ رہے۔

ڈاکٹر صاحب خود ہی لکھتے ہیں: "حیرت ہوتی ہے جب یہ آواز اٹھتی ہے کہ نعت میں مبالغہ ہورہا ہے، تجاوز کیا جارہا ہے۔ میری دانست میں تو اب بھی کمی کا احساس ہی ابھرتا ہے۔ یہ افراط کا مسئلہ نہیں تفریط کا ہے، ذات ممدوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتوں کا جتنا ادراک ہوگا اسی قدر ملت کی سرفرازیوں کی سبیل نکلے گی۔ اس لیے کہ تمام عظمتیں اسی وجودِ گرامی کی خیرات ہیں اور جس کو بلندیاں تلاش کرنا ہیں اُسے اسی ذاتِ گرامی کے راہ گزر کے ذرات شمار کرنا ہیں۔" (ص۱۸۷)

ڈاکٹر صاحب اپنے اردگرد خود ہی دیکھ لیں کہ اُن کے اِن خیالات سے موافقت اور ان پر عمل جہاں نظر آئے وہ اسے ضرور "چاہنے والا طبقہ" شمار کریں اور جہاں نظر نہ آئے اس کے لیے وہ یہ کہنے سے اجتناب کریں کہ "سب ہی چاہنے والے ہیں۔"

ص۱۸۸ سے جناب پروفیسر افضال احمد انور کی تحریر ہے جس کا عنوان ہے: "تنقیدِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں۔"

وہ فرماتے ہیں: "اس رحمانی بیاضِ نعت میں جگہ جگہ حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر بڑی محبت سے کیا گیا ہے۔" (ص۱۹۰)

وہ خود ہی توجہ فرمائیں کہ قرآن کریم کو "رحمانی بیاضِ نعت" کہنا کیسا ہے؟ وہ لکھتے ہیں "... پس ربّ کریم کو منظور ہوا کہ مسلمان صحیح لفظ راعنا بھی استعمال کریں۔ ربّ کریم نے لفظ بدل کر اس کے ذم والے معنوں کے استعمال کا شائبہ تک مٹا دیا۔" (ص۱۹۶)

انھوں نے پہلے قرآنی آیت لکھی جس میں "لا تقولوا راعنا" کے الفاظ ہیں اور پروفیسر صاحب نے خود ترجمہ کیا: "راعنا نہ کہو"۔ پھر وہ خود یہ بھی لکھتے ہیں کہ: پس ربّ کریم کو

منظور ہوا کہ مسلمان صحیح لفظ راعنا بھی استعمال کریں۔'' قرآن کریم کے الفاظ میں راعنا نہ کہنے کے فرمان کے بعد بھی پروفیسر صاحب کا از خود اسی لفظ کے لیے ربِّ کریم کی منظوری بیان کرنا مجھے سمجھ نہیں آیا، کہیں ان کے جملے میں ''نہ'' کا لفظ لکھنے یا کمپوزنگ میں رہ تو نہیں گیا؟ جملہ یوں صحیح ہوگا۔

''بس رب کریم کو منظور ہوا کہ مسلمان صحیح لفظ راعنا بھی استعمال نہ کریں۔'' دوسرا جملہ بھی قابلِ اصلاح ہے وہ لکھتے ہیں: ''رب کریم نے لفظ بدل کر اس کے ذم والے معنوں کے استعمال کا شائبہ تک مٹادیا۔'' یہ جملہ یوں صحیح ہوگا: ''رب کریم جل شانہ نے ذم والے معنوں کا شائبہ رکھنے والے الفاظ کا استعمال بھی اپنے حبیب کریم ﷺ کے لیے منع فرمادیا۔'' آگے وہ خود بھی یہی لکھتے ہیں: ''اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ذم کے معانی پر مشتمل کوئی لفظ حضور اکرم ﷺ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا بلکہ جس لفظ کی کوئی شکل کھینچ تان کر ذم کے پہلو والے لفظ (یا معنی ومفہوم) کو جنم دے، اس عکس لفظ کو بھی آپ ﷺ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ جس لفظ کی تہوں میں خلافِ ادب معانی ہوں اس سے بچنا ضروری ہے۔'' (ص۱۹۲) انھوں نے ''اکفار الملحدین'' کتاب سے جناب انور شاہ کشمیری کی تحریر سے جو جملہ نقل کیا ہے وہ جناب انور شاہ کا فیصلہ نہیں بلکہ انور شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں علمائے اسلام کا فیصلہ نقل کیا ہے۔ یہ فقیر اپنی گزشتہ تحریروں میں اسے پیش کرچکا ہے۔

جناب انور شاہ کشمیری کے نقل کیے ہوئے اس جملے کو لکھنے کے بعد پروفیسر افضال صاحب پھر نامکمل جملہ لکھ گئے، ان کا جملہ یہ ہے: ''مندرجہ بالا آیتِ خداوندی سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کسرِ شان ہو۔'' (ص۱۹۲) (معاذ اللّٰہ)

ص ۱۹۳ پر بھی ان کی تحریر کے یہ جملے ملاحظہ ہوں: ''نعت میں حضور پُرنور ﷺ کے لیے الوہی شان ثابت کرنا یا آپ ﷺ کے خلاف یا کسرِ شان بات، ضیاعِ ایمان وحبطِ اعمال سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ وہ تنقیدِ نعت میں خلاف حقیقت فیصلہ صادر نہ کرے۔'' وہ خود غور فرمائیں کہ وہ کیا لکھ گئے ہیں؟ کیا ان کی اس تحریر کو بھی کمپوزنگ کی غلطی قرار دیا جائے گا؟

''نعت رنگ'' کے قارئین سے ''نعت رنگ'' میں مطبوعہ تحریریں مخفی نہیں اور نہ ہی ان کے اذہان سے یک سر محو ہوئی ہیں۔ تحقیق وتنقید کے حوالے سے وہ تکرار شاید ''سرقہ'' شمار ہوتی ہے جو پہلے ہی کوئی محنت کرکے پیش کرچکا ہو اور دوبارہ پیش کرنے والا اس پہلے شخص کا حوالہ

دیے بغیر اسے اپنی تحقیق یا محنت کے طور پر پیش کرے۔ پروفیسر افضال احمد انور صاحب نے کچھ اشعار پیش کیے ہیں اور ان پر تنقید بھی فرمائی ہے، یہ اشعار جناب عزیز احسن پہلے ہی پیش کر چکے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ پروفیسر افضال صاحب اپنے مطالعے اور تحقیق سے ان میں اضافہ فرماتے اور اپنی محنت پیش کرتے۔

پروفیسر افضال صاحب نے ایک شعر لکھا ہے:

''یا مزمل یا مدثر کون ہے میرے حضور (ﷺ)
کون ہے یٰس و طٰہٰ آپ ہیں بس آپ ہیں (ﷺ)''

اس شعر کو نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: ''(اس شعر میں مزمل اور مدثر کا تلفظ غلط دیا گیا ہے۔ یہ قرآنی عبارت میں تحریف کی خطا میں بھی آتا ہے۔)'' ص۱۹۶

اس بارے میں انھوں نے شاید میری وہ تحریر نہیں دیکھی جو ''نعت رنگ'' شمارہ۱۱ میں شامل ہے۔ کسی لفظ کا غلط تلفظ کہنا یا لکھنا یا تو صحیح تلفظ سے ناواقفی کہلائے گا اور شعر میں اس کے صحیح تلفظ نہ لکھنے سے وزن شعری میں نقص آئے گا۔ اسے قرآنی عبارت میں تحریف کی خطا شمار کرنے سے پہلے پروفیسر صاحب میری تحریر کا مطالعہ فرمالیں، تاہم واضح رہے کہ یہ فقیر کسی غلط تلفظ کہنے لکھنے کی تائید ہرگز نہیں کر رہا۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''ناقدِ نعت کو متعلقہ علوم وفنون پر دسترس ہونی ہی چاہیے، اُسے غیر متعصب، غیر جانب دار اور بے لوث بھی ہونا چاہیے۔ اس میں عدل وانصاف کا جوہر بدرجہ اتم ہونا چاہیے۔ اُسے کبھی جذباتیت کی رَو میں بہہ کر تنقیدی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تنقید نعت ایک مشکل کام ہے، عام ادب پارے کی تنقید سے کہیں زیادہ ادق لیکن بدقسمتی سے طرح طرح کے دیباچہ نگاروں، تقریظ نویسوں اور مقدمہ بازوں نے اس فن کو بھی عام کرنے کی طرح ڈال دی ہے۔ ہر شاعر کے کلام کو عصرِ حاضر کا بہترین کلام ثابت کرنے کے لیے ان کا ذاتی اعتراف ہی کافی ہے۔'' (ص ۱۹۸)

پروفیسر افضال صاحب نے اس عبارت سے پہلے جن ''شخصیات'' کے نام لکھے ہیں اور ان کے مضامین سے استفادہ بھی کیا ہے، وہ خود بتائیں کہ ان میں سے کتنی شخصیات ''متعلقہ علوم وفنون پر ''دست رس'' رکھتی ہیں؟ ان میں سے اکثر شخصیات کی جس قدر تحریریں میرے دیکھنے میں آئی ہیں وہ اپنی دوسری خوبیوں کے سوا ''متعلقہ علوم وفنون'' پر ان کی ''دست رس'' کی آئینہ دار

نظر نہیں آئیں۔

وہ یہ بھی بتائیں کہ کیا ''ناقدین'' تنقیدی ''فیصلے'' کرتے ہیں؟ وہ خود ہی اپنی اسی تحریر میں لکھتے ہیں:

''...تنقید کا اصل کام خوبیوں اور خامیوں کی تمیز ہے۔ تنقید اصلاً حسن و قبح دونوں کو پرکھتی ہے ... حقیقتاً نعت پارے کے مواد، مفہوم اور ہیئت کے اچھے برے پہلوؤں کی جانچ اور ان کے تناظر میں نعت کے مقام و مرتبہ کے تعین کا عمل تنقید نعت کہلا سکتا ہے۔'' (ص۱۸۹)

میرے نزدیک ناقدین اپنی دانست کے مطابق اپنی ''رائے'' پیش کرتے ہیں، فیصلہ کرنا تو ''ناقدین'' کا (شاید) منصب ہی نہیں۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ فرمایا جائے تاکہ اس بارے میں میرے موقف کی اصلاح ہوجائے۔ پروفیسر صاحب نے دیباچہ کے ساتھ ''نگاروں'' اور تقریظ کے ساتھ ''نویسوں'' کے لفظ لکھے جب کہ مقدمہ کے ساتھ ''بازوں'' کے لفظ وہ لکھ گئے اور بلا تخصیص سب کو ہدفِ طعن و ملامت بنا گئے۔ وہ خود فرمائیں کہ کیا یہ عدل وانصاف ہے؟ جب کہ وہ ناقد میں عدل وانصاف کا جوہر بدرجۂ اتم چاہتے ہیں۔ جو لوگ غلط کو صحیح، غیر معیاری کو معیاری اور کم کو زیادہ بتاتے ہیں انھیں ہدف بنایا جائے نہ کہ سبھی کو ایک صف میں شمار کرکے مشقِ ستم کی جائے۔ ان کے مذکورہ بالا اقتباس کا آخری جملہ ''گویا'' کے لفظ سے شروع ہوتا تو موزوں ہوتا۔ جملہ پھر ملاحظہ ہو: ''(گویا) ہر شاعر کے کلام کو عصر حاضر کا بہترین کلام ثابت کرنے کے لیے ان کا ذاتی اعتراف ہی کافی ہے۔''

وہ لکھتے ہیں ''... گو ایسے نقاد بہت چالاک ہوتے ہیں اور عموما اس قسم کی تنقید کرتے ہیں کہ کتاب کی پرنٹنگ بہت خوب صورت ہے، کاغذ اعلیٰ ہے۔ لکھائی دل کش ہے، جلد مضبوط ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسی منافقت کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اور اگر واقعی کسی ضرورت سے ایسی تنقید لکھی جارہی ہے تو کہیں آخرت تو خراب نہیں ہورہی۔'' (ص۱۹۹)

پروفیسر صاحب نے جس بات کو منافقت کہا ہے، مجھے اس میں شبہ ہے۔ ایسا نقاد صرف کتابت وطباعت کی بات کہہ کر یہی واضح کرتا ہے کہ وہ کتاب کے مندرجات نہیں دیکھ سکا یا ان سے مطمئن نہیں ہے یعنی بالفاظِ دگر قارئین کو یہی تاثر دیتا ہے کہ اس کتاب کے مندرجات کے بارے وہ (نقاد) کوئی رائے پیش نہیں کررہا تاکہ اسے مطعون نہ کیا جاسکے اور قارئین بھی جان لیتے ہیں کہ نقاد نے کتنی اور کیسی بات کہی ہے۔ یوں آخرت کی خرابی جیسی سنگین بات ان نقادوں

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

کی بابت ''زیادہ'' ہے۔

وہ لکھتے ہیں: گورنمنٹ کالج شاہ درہ لاہور سے ڈاکٹر آفتاب نقوی شہید نے ''اوج'' کے دولافانی نعت نمبر پیش کیے۔ (ص۲۰۰) ''لافانی نمبر'' کے لفظ اس جملے میں محل نظر ہیں۔

وہ لکھتے ہیں: ''فلمی دھن پر نعت لکھنا یا پڑھنا کسی طور قابل تحسین نہیں۔ تلازمۂ خیال انسانی ذہن کو فوراً فلم کے بے ہودہ منظر کی طرف لے جاتا ہے اور نعت پس منظر میں چلی جاتی ہے۔'' (ص۲۰۰)

پروفیسر افضال صاحب کیا یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہر شخص فلم بین ہے؟ اور ہر سامع کا تلازمۂ خیال کیا اس کے ذہن کو فوراً فلم کے بے ہودہ منظر کی طرف واقعی لے جاتا ہے؟

فلمی گانوں کی دُھنوں پر پڑھے جانے والے نعتیہ کلام کو شاید کوئی ''مخصوص سامعین'' ہی پسند کرتے ہوں، لیکن عام سامعین کی اکثریت بھی تائید نہیں کرتی، حالاں کہ میری نظر سے لاہور کے کسی اخبار میں درج یہ جملہ بھی گزرا کہ ''اس بہانے سامعین بجائے گانوں کے نعتیہ کلام کے شعر گُن گُناتے ہیں''، یعنی لکھنے والے نے اس میں بھی خوبی ڈھونڈنی چاہی۔ پروفیسر افضال صاحب نے دیکھا سُنا ہوگا کہ فلمی گانوں کی دُھنیں تو کیا، نعتیہ کلام اب ننگے سر اور ہر طرح کی موسیقی کے پورے استعمال اور لڑکیوں کے ساتھ پڑھا جارہا ہے۔ صرف دَف کے ساتھ کوئی ایک نعت شریف پڑھ لی جاتی لیکن دف کے ساتھ انگلیوں پر چھلّے چڑھا کے کھنک اور دھمک بڑھانا بھی روا سمجھا جارہا ہے۔ آداب وانداز کے حوالے سے کوئی تعلیم وتلقین اور غیر معیاری کلام پر تادیب وتنقید کی جائے تو اسے توہین وتذلیل شمار کیا جاتا ہے۔

''نعت رنگ'' میں کتنی ہی ایسی تحریریں شامل ہوئی ہیں جن میں محافل نعت منعقد کرنے والے اور نعت خوانی کرنے والے ان تمام احباب کو یہ باوَر کرایا گیا کہ وہ آداب سے خود کو عملاً وابستہ کریں اور ایسے ہر قول وفعل سے اجتناب کریں جو آداب کے منافی ہو۔

پروفیسر افضال صاحب لکھتے ہیں: ''تنقیدِ نعت نے بعض بنیادی اور اہم مباحث کو جنم دیا ہے۔'' (ص۲۰۱) اس جملے میں ''جنم دیا ہے'' کی بجائے ''اجاگر کیا ہے'' ہوتا تو بہتر تھا۔

وہ اپنی تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں: ''اس خاک سار کے نزدیک تنقیدِ نعت دراصل تیغِ

تحفظِ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ ہے، ایک ایسی تیغ جو درست کا دفاع کرتی ہے اور نادرست کو دفع کرتی ہے۔" (ص۲۰۲)

اپنی دانست کے مطابق عرض گزار ہوں کہ لفظِ "دفاع" کا استعمال اردو میں جو رائج ہے، پروفیسر صاحب نے بھی اسی کو اپنایا ہے۔ "فرہنگ عامرہ" میں دیکھا تو لفظ "دفاع" کے سامنے درج ہے: "باز رکھنا، دُور کرنا۔"

"دفع، دفاع" کا بیان عربی سے واقف جانتے ہیں کہ "عن" کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک پرفیسر افضال صاحب کا یہ جملہ یوں صحیح ہوگا: "تنقیدِ نعت دراصل وہ فعل ہے جو درست سے دفاع کرتا ہے" یعنی درست سے نا درست کو دُور رکھتا ہے۔ انھوں نے اسے "تیغ" کے لفظ سے بیان کیا ہے، یوں ان کے مطابق یہ "جہاد" ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے نبی پاک ﷺ کی ناموس (عصمت و عفت اور عزت و عظمت) کی پاس بانی کے لیے خدمت کرنا اور اس سے دفاع کرنا واقعی جہاد کرنا ہے۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! یہ فقیر معذرت خواہ ہے کہ "نعت رنگ" شمارہ ۱۵ کی کئی تحریروں کے حسن وقبح کے حوالے سے نہیں لکھ سکا۔ پروفیسر شفقت رضوی صاحب نے "رسالہ "شام وسحر" کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ "خاصی محنت سے پیش کیا ہے۔ ص۲۱۳ سے ص۳۰۴ تک ان کی تحریر ہے، اس کے مندرجات کے بارے میں اس تحریر میں کچھ نہیں لکھ رہا۔ میرے پاس "شام وسحر" کے یہ نمبر بھی نہیں (کاش کہ مجھے مل جائیں)۔ محترم پروفیسر علی محسن صاحب صدیقی نے محترم پروفیسر محمد اسحٰق قریشی کی ضخیم کتاب "برصغیر میں عربی نعتیہ شاعری" کا جائزہ تحریر فرمایا ہے۔ لاہور میں مہینوں پہلے اس کتاب کی "رُونمائی" کے باوجود یہ کتاب جانے اب تک یہاں کے کتب خانوں میں دست یاب کیوں نہیں؟ پروفیسر علی محسن صدیقی نے اس کتاب کا جائزہ پیش کر کے شوق مطالعہ اور بڑھایا ہے۔ ان کی تحریر میں ایک جملہ قابل توجہ ہے، لکھتے ہیں: "... اور قرآن مجید میں سنس کرت کے الفاظ کی موجودگی ان روابط کی شاہد عدل ہے۔" (ص۳۰۵) سورۂ شعرا میں "بلسان عربی مبین" کے الفاظ قرآن کریم کے لیے اللہ کریم جل شانہ نے خود ارشاد فرمائے ہیں، اس کے بعد قرآن کریم میں "سنس کرت" کے الفاظ کی موجودی بتانا محل نظر ہے، انھوں نے سنسکرت کے وہ الفاظ نہیں لکھے ورنہ ان کے اس احتمال کی تحقیق ہوتی۔

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی ایک اور تحریر اسی شمارے میں ''خالد شفیق اور ان کی نعت گوئی'' کے عنوان سے ہے۔اس تحریر میں بھی کچھ قابل توجہ جملے نشان زد کیے تھے لیکن اس تحریر میں اب صرف خطوط کے حصے سے کچھ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا کیوں کہ کچھ خطوط میں میرا ذکر ہے اور ان باتوں کا جواب میرے ذمے ہے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۳۹۴ پر محترم جناب شان الحق حقی کا پہلا مکتوب ہے۔ شیخ محقق حضرت شاہ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت سے وہ خود کو ''حقّی'' کہلاتے ہیں۔ اپنے مکتوب کا پہلا جملہ وہ جانے یوں کیسے لکھ گئے، ملاحظہ ہو: ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے کچھ معجزات ان کی حیات میں ظہور میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔'' حیرت ہے کہ ''قرآن کریم'' بھی ان کی توجہ میں نہ رہا، احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھی انھوں نے دھیان نہیں دیا۔ مجھے اگر صحیح یاد ہے تو خود ابن تیمیّہ نے چھ ہزار معجزات کا شمار مانا ہے۔ میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا معجزہ بن کر تشریف لائے، حقی صاحب کے اس بیان میں تشکیک کا سا لہجہ مجھے عجیب لگا۔وہ لکھتے ہیں: ''ان کی وفات کے بعد جو درود وسلام، **لا تعدّ ولا تحصٰی**، ان کی ذات گرامی پر بھیجے گئے وہ اپنی جگہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ یہ میرے نزدیک سب سے بڑا اور سچا معجزہ ہے، جس کا جواب محال ہے۔'' (ص۳۹۴)

اپنے اس بیان کے لیے الفاظ کا انتخاب محترم حقی صاحب صحیح نہیں فرما سکے لیکن جو بات انھوں نے پہنچانی چاہی ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ درود وسلام خود رب العٰلمین جل شانہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیج رہا ہے اور فعلِ الٰہی کی بدایت ونہایت کا کیا تصور، گنجائش ہی نہیں، اس بارے میں ''نعت رنگ'' شمارہ ۴ میں کچھ عرض کر چکا ہوں۔ بات صرف یہ دُہرانی ہے کہ مخلوق کی طرف سے بھیجے گئے درود وسلام کے نذرانے بے شمار ہیں اور وہ سب مل کر بھی اللہ کریم جل شانہ کے بھیجے ہوئے ایک درود وسلام کے برابر نہیں ہوسکتے۔۔پھر مخلوق میں ملائکہ (فرشتوں) ہی کی تعداد کا کوئی شمار نہیں، انسان تو ملائکہ کے سامنے بہت کم ہیں۔ تمام فرشتے درود وسلام بھیج رہے ہیں۔ اس حوالے سے کچھ برس پہلے پاکستان ٹیلے وژن کے پروگرام ''فہم القرآن'' میں'' درود شریف کی اہمیت'' کے عنوان سے بفضلہٖ تعالیٰ مجھے وہ گفتگو کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جسے بہت پسند کیا گیا، یہ گفتگو کئی مرتبہ نشر کی گئی۔

روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہونے والی یہ خبر بھی باعث مسرّت ہوئی، جمعہ، ۱۷/۱۰/اکتوبر۲۰۰۳ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر یہ خبر ہے: ''ملائیشیا کی فوج اور حاضرین صلوٰۃ و درود کے وِرد کرتے رہے، کانفرنس کی جھلکیاں

پترا جایا (اسپیشل رپورٹ)... ☆سربراہانِ مملکت کے استقبال اور فوٹو سیشن کے بعد ملائیشیا کی مسلح افواج کی مذہبی کور نے صلوٰۃ و درود پیش کیا حاضرین بھی یہ وِرد کرتے رہے یا رسول سلام علیک یا حبیب صلوٰۃ علیک، صلوٰۃ و دُرود کے بعد تلاوت کلام پاک کی گئی پھر حاجی اسماعیل نے دعا کروائی۔''

دسویں اسلامی سربراہی کانفرنس کے شرکا کا درود و سلام پڑھنا ٹیلے وژن کے چینلز پر بھی دِکھایا گیا۔

حقی صاحب بخوبی جانتے ہوں گے کہ ''معجزہ'' اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس کے نبی سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ سچا ہی ہوتا ہے۔

حقی صاحب لکھتے ہیں: ''حب رسول مسلمان کا جزو ایمان ہے۔'' (ص۳۹۰) یہاں نہایت اعتماد سے عرض گزار ہوں کہ حبِ رسول (ﷺ) جزو ایمان نہیں، جانِ ایمان ہے۔ جناب حفیظ جالندھری مرحوم نے سچ کہا ہے:

محمد (ﷺ) کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

دوسرا مکتوب جناب ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک خطوط کا تعلق ہے تو علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب کا خط سب سے طویل ہے۔اس میں علامہ نے جہاں اوروں کے متعلق لکھا ہے وہاں خاک سار کی تحریر پر بھی گرفت کی ہے اور لکھا ہے کہ ''(میں نے) اپنی اس تحریر میں کم فہمی کی وجہ سے مولانا فضل حق خیرآبادی (رحمۃ اللّٰہ علیہ) پر غلط الزام لگایا ہے۔'' تو اس تعلق سے عرض ہے کہ ''امتناع النظیر خاتم النّبیین'' کے مسئلہ کو میں سیّد اسماعیل شہید کے حوالے سے خوب جانتا ہوں۔ لیکن میں نے اپنے مضمون میں مولانا الطاف حسین حالی کی ''یادگار غالب'' علی گڑھ ایڈیشن ص۲۷ تا ۴۷ کے اقتباس ہی کے حوالے سے اس مسئلہ کے متعلق غالب کے موقف کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے غالب کے متعلق ''امتناع النظیر'' کے ضمن میں جو باتیں لکھی ہیں حالی نے مجھ سے

زیادہ دفاع یادگار غالب میں کیا ہے۔ ''عظمت رسول ﷺ میں توہین الہ'' اس وقت اس مسئلہ کو سیّداسماعیل شہید نے سمجھا تھا۔ اس لیے اس کا جواب بھی دیا تھا۔ اب نہ اسماعیل شہید زندہ ہیں نہ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ اس لیے اب اس مسئلے کو الجھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔ رہا علمی بحث کا تعلق تو حضرت علامہ سے دست بستہ عرض ہے کہ ان مباحث سے نہ تو امت کو کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ ایمانی قوت میں اضافہ۔ آج عالمی سطح پر امت جس پر آشوب حالت سے گزر رہی ہے۔ اس کا مقتضیٰ تو باہمی اتفاق ہے نہ کہ انفصال۔ میں ایک بار پھر عرض کردوں کہ مولانا فضل حق خیر آبادی اور غالب کے متعلق جو باتیں بھی میرے مضمون میں آئی ہیں یادگار غالب ہی ان کا ماخذ ہے۔'' (ص۳۹۶۔۳۹۷)

خود کچھ عرض کرنے سے پہلے سابق پروفیسر علومِ اسلامی و تاریخِ اسلامی، کراچی یونی ورسٹی، جناب علی محسن صاحب صدیقی کی تحریر سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''نعت رنگ'' کے ایک مقالہ نگار جناب ظہیر غازی پور نے اپنے مضمون مشمولہ ''نعت رنگ'' شمارہ۱۱ میں حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللّٰہ علیہ کے اشعار میں عروضی اغلاط پر ایک غیرضروری اور غیرعلمی مضمون تحریر کیا۔ مولانا علیہ الرحمہ دَورِ آخرین کے علماء اسلام میں اپنے تبحرِ علمی اور کثرتِ تصانیف کے لیے مشہور ہیں۔ ان کی ذات ہمہ صفات بے نظیر و منفرد ہے اور ان کے علمی کمالات سے انکار ممکن نہیں ہے۔ مولانا کوکب نورانی نے ظہیر غازی پور پر سخت تعقیب کی ہے اور ان کے الزامات کو ٹھوس علمی بنیاد پر پادر ہَوا ثابت کردیا ہے۔ اسی طرح ''نعت رنگ'' کے شمارہ۱۲ میں بھارت کے ایک قلم کار ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے اپنے مضمون میں جس کا عنوان ہے ''عظمتِ رسول (ﷺ) خطوط غالب میں'' فخر الافاضل، رئیس المتکلمین مولانا فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللّٰہ علیہ پر مسئلہ ''امتناع النظیر'' کے ضمن میں بے جا تنقید کی ہے۔ مولانا کوکب نورانی نے اس کی تردید کی ہے۔ ''مسئلہ امتناع النظیر'' دراصل علمِ کلام کا نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے اور اس کا تعلق عقیدۂ ختمِ رسالت (ﷺ) سے ہے۔ حضرت مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے زمانہ میں مولوی محمد اسماعیل نے اس مسئلہ پر اپنی حسبِ عادت گفتگو کی تھی۔ مولانائے مرحوم نے مسئلہ کی سنگین نوعیت کے پیشِ نظر اس کی عالمانہ و متکلمانہ مقدمات کر کے سخت تردید کر دی اور ان کے دوست غالب نے ان کی کتاب پر بطورِ تقریظ ایک مثنوی لکھ دی۔ مولانا حالی نے یادگار غالب میں اس کا سرسری ذکر کیا، چوں کہ یہ دقیق کلامی مسئلہ ان کی اور ان کے ممدوح استاد کی ذہنی و علمی

سطح سے بہت بلند تھا، وہ اسے نہ سمجھ سکے اور جو کچھ انھوں نے لکھا وہ غیر علمی تھا۔ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی فہم سے مسئلہ امتناع النظیر بہت بلند تھا تو انھوں نے بھی حضرت مولانا خیر آبادی کی تردید کی غیر علمی کوشش کی ہے۔ حالی تو اب اس دنیا میں نہیں ہیں، مگر ان کی زندگی ہی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسماعیل کے ''انکارامتناع النظیر'' سے شہ پاکر نبوت ورسالت محمدی ﷺ سے بغاوت کی۔ مولانا خیر آبادی مرحوم نے علمی بصیرت، کلامی عبقرت اور ایمانی فراست سے کام لے کر امکان نظیر رسالت مآب ﷺ پر اپنی کتاب لکھ کو جو دینی خدمت انجام دی، وہ نہ غالب کی بادہ نوشی، نہ حالی کی نیچریت اور نہ ہی یحییٰ نشیط کی ناواقفیت سے کم ہوسکتی ہے۔'' (تقریظ برکتاب کتاب، ''نعت اور آداب نعت''، ص٢٦۔٢٧، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

یحییٰ نشیط صاحب نے جناب اسماعیل دہلوی کو دو مرتبہ ''سید'' لکھا ہے، نہیں معلوم وہ قصداً ایسا لکھ رہے ہیں یا انھیں تحقیق نہیں کہ وہ ہرگز سیّد نہیں تھے۔ وہ حضرت مولانا فضل حق شہید خیر آبادی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے لیے صرف اسماعیل دہلوی کی ناقص فہم پر تو یقین واعتماد کرنا چاہ رہے ہیں اور جلیل القدر عالم حق پر الزام لگانے میں دلیر ہورہے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھ رہے کہ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی کتاب کا نام ہی ''امتناع النظیر خاتم النّبیین (ﷺ)'' ہے۔ یحییٰ صاحب مجھے یہ فرمانا بھی صائب گردانتے ہیں کہ ''ان مباحث سے نہ تو امت کو کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ ایمانی قوت میں اضافہ۔''

یہ فقیر بے توقیر ان سے پوچھنا چاہتا ہے کہ ''جناب شارق جمال'' کی طرف سے کسی شعر میں متنازع فنی سقم کی نشان دہی پر نکتہ چینی تو انھیں پسند نہ آئی اور اس پر انھوں نے وضاحت ضروری سمجھی، وہ بتائیں اس وضاحت سے ''امت کو کوئی فائدہ ہوا یا امت کی ایمانی قوت میں کوئی اضافہ ہوا؟'' مجھے حیرت ہے کہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کو سمجھ کیوں نہیں آیا کہ رسول کریم ﷺ کے بارے میں کسی کی پیدا کردہ غلط فہمی کا ازالہ کرنا بے فائدہ کیسے ہوسکتا ہے! رسول کریم ﷺ کے باب میں کسی کی ہرزہ سرائی کے جواب سے اہل ایمان کی ایمانی قوت میں کتنا اضافہ ہوتا ہے، شاید یہ بھی ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کی فہم سے بالا ہے۔ڈاکٹر صاحب کا ماخذ ''یادگارِ غالب'' ہی سہی، وہ بتائیں کہ انھوں نے اس بیان کو نقل کرکے امت کو کیا فائدہ پہنچایا ہے اور ان کی ایمانی قوت میں کیا اضافہ کیا ہے؟ وہ خود کو اس ''مشورے'' سے مستثنیٰ کیوں شمار کررہے ہیں؟

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۴۷۱ سے جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کا مکتوب شروع ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''یہاں تو سبھی ثناخوانی حضور میں الجھ کر سلجھ رہے ہیں۔'' (ص ۴۷۲) مسجع و مقفع نثر نگاری کی خوبیاں اپنی جگہ لیکن خیال رہے کہ منفی و مخالف تاثر دینے والے لفظ کا انتخاب و استعمال تحریر کو نادرست بنا دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ثنا خوانی میں ''الجھنے'' کی بات عجیب ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب نے اپنے مکتوب میں اس فقیر پُر تقصیر کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ''نعت رنگ'' بلاشبہ نعتیہ مضامین کا نہایت دل کش، معنبر و معطر گل دستہ ہے جس کے ہر گل کی خوش بو لازوال ہے۔ مگر اس کا ایک امتیاز نقد و نظر کی دنیا بسانا ہے۔ نقد و نظر کے گوشے میں کئی نام ذہن میں ابھرتے ہیں۔ تسلسل سے محوِ تنقید رہنے والے علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی کا تذکرہ کیے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی۔ علامہ کوکب نورانی خطیبِ اعظم حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ خطیبِ مشرق سے ایک زمانہ آگاہ تھا۔ میں بھی اس زمانے کا حصہ ہوں۔ انھیں صرف تین چار مرتبہ سنا۔ اور جب بھی سنا یہی احساس ہوا کہ ''ایک بار سنا ہے دوسری بار سننے کی ہوس ہے۔'' انھیں کے صاحب زادے علامہ کوکب نورانی کو فقط ٹیلی ویژن پر دیکھا اور ''نعت رنگ'' میں تنقید کے شعبے میں بار بار پڑھا۔ ٹیلی ویژن پر جتنے دھیمے، مدھم، دل کش اور مدھر سروں میں بولتے ہیں، تنقیدی خطوط میں اس کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ کھرا کھرا لہجہ، بے نیاز و بے پروا۔ بات بات پر بال کی کھال اُتارنے والے (حالاں کہ یہ محض ایک محاورہ ہے) ''نعت رنگ'' کے مضامین کو اتنی عرق ریزی، باریک بینی اور عبادت کی حد تک ڈوب کر پڑھتے ہیں کہ شاید اس طرح جناب صبیح رحمانی بھی نہ پڑھتے ہوں گے۔ اپنے مؤقف پر ڈٹے رہنے والے دوسرے کے دلائل کی ہر صورت کاٹ کرنے والے، شاعر نہ ہو کر بھی (کیا خبر کہ شاعر ہوں، کیوں کہ ممدوحِ دو عالم ﷺ کے اکثر سیرت نگاروں کے دامانِ ادب سے نعتیں ٹپک ہی پڑتی ہیں) نعت پر اس قدر سیر حاصل گفتگو کرنے والے، دلائل و براہین کے انبار لگا دینے والے، ان کے تبصروں کی شدتِ خلوص پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

پروفیسر صاحب نے اتنے طویل تبصرے لکھے ہیں کہ ان کے لیے یہ مشورہ دیتے ہوئے روحانی اطمینان کا احساس ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ مضمون نگاری فرمائیں۔ اگرچہ یہ تبصرے

بھی مضمون نگاری ہی کا ایک حصہ ہیں۔ مگر اس میں ان کی توجہ ''نعت رنگ'' اور قلم کارانِ ''نعت رنگ'' تک محدود رہتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر یہ مشورہ میرے ممدوح خطیبِ پاکستان کے جانشین کے فکر وذہن کے لیے معمولی حد تک بھی قابلِ قبول ٹھہرا تو اردو نعت کے ناقدین اور مستقل مضمون نگاروں کی فہرست میں ایک بڑے نام کا اضافہ ہوگا''۔ (ص۴۷۴، ۴۷۵)

انھوں نے میرے والد گرامی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے لیے ازراہِ عقیدت و محبت اور مجھ گناہ گار کے لیے ازراہِ شفقت وعنایت کلمات تحسین فرمائے ہیں، اللّٰہ کریم جل شانہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان کی تحریر میں یہ جملہ خلافِ واقعہ ہے: ''دوسرے کے دلائل کی ہر صورت کاٹ کرنے والے''۔ محترم پروفیسر محمد اکرام رضا صاحب اور ''نعت رنگ'' کے تمام قارئین میری تحریریں بغور ملاحظہ فرمائیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ فقیر کبھی صحیح بات اور دلائل حقہ'' کی کسی صورت'' کاٹ نہیں کرتا تو ''ہر صورت'' کاٹ کیسے کرسکتا ہے!

پروفیسر صاحب کا مخلصانہ مشورہ بجا ہے اور یہ فقیر ان تنقیدی خطوط کے علاوہ بھی خامہ فرسائی کرتا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے مدیر ومرتب جناب سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کی خواہش یہی تھی اور ہے کہ ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی تحریروں میں شریعت وسنت کے منافی و مخالف اور حقائق سے متضاد باتوں، غیر معیاری اور غیر محتاط لفظوں اور لہجوں اور صحیح عقائد سے متصادم رویّوں کی نشان دہی ضروری ہے تا کہ نعت شریف کے حوالے سے صحیح تنقید ہو سکے۔ مجھے ہرگز ادعائے علم نہیں، والدین کریمین کی دعائیں اور بزرگوں کا فیضان ہے کہ کتاب وقلم سے ناتا ہے اور تمنا یہی ہے کہ اللّٰہ کریم جل شانہ مجھ سے کوئی خدمت ایسی لے لے جو میری بخشش کا سامان ہوجائے، اس دعا پر سبھی سے صدائے ''آمین'' کا خواست گار ہوں۔

محترم پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب کو اندازہ ہوگا کہ تحقیق وتنقید کس قدر کٹھن کام ہیں۔ مجھے یہ بھی احساس ہے کہ کچھ لوگ ''ناراض'' بھی ہوجاتے ہیں لیکن ان سب کی ''ناراضی'' سے صَرفِ نظر کر کے محبوبِ ربّ (ﷺ) کی محض ''رضا جوئی'' ہی پیشِ نظر رکھتا ہوں۔ حیدرآباد سے کتابی سلسلہ ''المصداق'' کے مدیر جناب شاہ انجم بخاری نے ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے میرے خطوط کے مجموعے ''نعت اور آدابِ نعت'' پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے: ''...آپ کی تحریر وتقریر کا مرکز ومحور خوفِ خدا اور حُبِ رسول (ﷺ) ہوتا ہے''۔ (المصداق، شمارہ ۸، ص۱۸۷)

شاہ انجم بخاری صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے وہی لکھا،

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

بحمدہٖ تعالیٰ جو میری تحریر وتقریر کی بنیاد اور منشور حیات ہے، دعا ہے کہ اللّٰہ کریم جل شانہ مجھے اس پر قائم وثابت رکھے۔ آمین

''نعت رنگ'' شمارہ۔۱۵ کے ص ۴۷۵ سے جناب احمد صغیر صدیقی کے مکتوب کا آغاز ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہے: ''خطوط میں مولانا کوکب نورانی نے نہایت طویل خط لکھا ہے۔ بقول ان کے اس پر دوبارہ نظر ڈالنے کی ان کے پاس فرصت نہ تھی۔ اچھا ہوتا کہ وہ دیکھ لیتے۔ بہرحال یہ خاصہ معلوماتی ہے۔ مگر اس میں بھی مجھے وہی کچھ نظر آیا جو ہمارے مذہب سے متعلق دوسری تحریروں میں ہوتا ہے۔ ہر طرف نزاع نظر آتا ہے۔ میں تو خوف زدہ ہو کر اب مذہب کو پڑھ ہی نہیں رہا ہوں بس جتنا پڑھ لیا اسی نے دماغ خراب کردیا ہے۔ میں اب اپنے مذہب کی چند موٹی موٹی باتوں تک محدود رہتا ہوں۔ نماز، روزہ، حج تک محدود رہنا ہی اچھا ہے۔ حتیٰ المقدور حقوق العباد پر توجہ رکھی جائے اور بس۔ اب بتایئے یہ جان کر مجھے کیا حاصل ہوگا کہ رسول پاک کے اندر چار سو مردوں کے برابر طاقت تھی (اس کا علم مجھے ''نعت رنگ'' ہی میں شامل کسی مضمون سے ہوا)''۔ (ص ۴۷۶)

جناب احمد صغیر صدیقی کی اس بات کا اعتراف کیا جائے کہ وہ ''نعت رنگ'' کا پورا مطالعہ کرتے ہیں اور مزاج میں جھلاہٹ کے باوجود پورے طنطنے سے تبصرہ بھی فرماتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ دینیات سے بکمال واقفیت نہ ہونے پر بھی ''دخل در معقولات'' ضروری سمجھتے ہیں، یہی نہیں بلکہ دلائل و براہین اور حقائق و دقائق کے سامنے لاجواب ہوجائیں تو انُ کا ''دماغ خراب ہوجاتا ہے۔'' کوئی ان سے پوچھے کہ دینیات کے باب میں ان کے یہ جملے انھیں ''مجرم'' ٹھہرائیں تو اُن کے ''دماغ'' پر کیا گزرے گی؟ ان سے عرض ہے کہ دین ومذہب کی بنیادی باتیں، عقائد ہیں، ان میں درستی و راستی نہ ہو تو عبادات بے سُود رہتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''حتیٰ المقدور حقوق العباد پر توجہ رکھی جائے اور بس۔'' ان سے عرض کروں کہ انھوں نے دین و مذہب کے بارے میں غلط جملے لکھ کر اہل ایمان کی دل آزاری بھی کی ہے۔ وہ خود ملاحظہ فرمائیں کہ کیا اور کیسا جرم اُن سے سرزد ہوا ہے؟

ان پر واضح ہو کہ رسول کریم ﷺ کو چالیس جنّتی مَردوں کی قوت دنیا ہی میں عطا ہوئی تھی اور ایک جنّتی مرد کی دنیا کے سو (۱۰۰) مَردوں کے برابر قوت ہوگی۔ میرے نبی پاک ﷺ کو دنیا ہی میں چار سو نہیں بلکہ چار ہزار مَردوں کی قوت عطا ہوئی۔ اس بات سے آگہی کتنے مسائل حل

کرتی ہے یہ سب ''دماغ'' کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ رسول کریم ﷺ کی خصوصیات سے جس قدر واقفیت ہو، اسے سعادت اور عزت شمار کیا جاتا ہے۔ احمد صغیر صاحب صدیقی صرف اس ایک بات ہی پر توجہ دیں کہ وہ بدطینت جو اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہوئے میرے مقدس ومطہر رسول پاک ﷺ کے خلاف باتیں کرتے ہیں یا ان پر تعدد ازواج کا اعتراض کرتے ہیں، اس خصوصیت کا بیان اس اعتراض کا واضح جواب ہے کہ وہ ہستی جسے اس قدر قوت عطا ہوئی، اس جیسا کوئی پاک باز نہیں۔

احمد صغیر صدیقی صاحب کے لیے مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ دینیات پر اپنی عقل کو ترجیح نہ دیں اور دینیات کے باب میں زبان وقلم کو محتاط رکھیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۴۸۵ پر جناب سیّد ریاض زیدی کا مکتوب ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:

''علامہ کوکب نورانی کا خط ایک جامع مقالہ نظر آتا ہے۔ آپ نے علامہ اقبال جیسے عاشق رسول ﷺ کے لیے رحمۃ اللّٰہ علیہ لکھنا گوارا نہیں کیا۔ اسی طرح اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے حضرات کو بھی تقدیم وتقدیس کا مستحق نہیں گردانا۔ میرے خیال میں ''نعت رنگ'' جیسے پرچے میں اس قدر فرقہ واریت کو فروغ نہیں ملنا چاہیے۔ ''نعت'' تو محبت کی بہترین تبلیغ اور زمزمۂ محبت کا خوش ترین ترانہ ہے۔ لہٰذا جس نے بھی نعت کہی ہے، یقین کرنا چاہیے کہ اس نے حضور سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے۔ ان سے وابستگی کا حق ادا کیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ جس مسلک کے آدمی نے بھی نعت کہی ہے وہ حضور کی ختم المرسلینی کو بے مثال اور ان کی رحمۃ للعالمینی کو بے نظیر سمجھتا ہے۔ ظفر علی خان، محمد علی جوہر اور سیّد نفیس الحسینی شاہ، حضرت کوکب نورانی کے ہم مسلک تو نہیں لیکن ان کی نعتیں اس قدر عشق رسول (ﷺ) میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ انھیں پڑھ کے حضور سے وابستگی اور والہانہ پن زیادہ اجاگر اور دل نشین ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا نعت کے حوالے سے اس قدر کرخت فقہی بحثیں شاید سود مند نہ ہوں۔'' (ص ۴۸۶۔۴۸۷)

جناب ریاض حسین نے اسی صفحے پر گیارہ سطریں اوپر خود علامہ اقبال مرحوم کا نام لکھا ہے اور اس کے ساتھ ''رحمۃ اللّٰہ علیہ'' کے الفاظ'' لکھنے گوارا نہیں کیے۔'' انھوں نے صرف ''حسرت موہانی'' لکھا ہے، انھیں کسی ''تقدیم وتقدیس کا مستحق نہیں گردانا''۔

ان کا لہجہ و انداز بھی قابل توجہ ہے: ''... علامہ اقبال کی بہترین نعت ''لوح بھی تو قلم

بھی تو تیرا وجود الکتاب'' کس کھاتے میں جائے گی۔'' اس جملے میں نعت شریف کے لیے ''کس کھاتے میں جائے'' کے الفاظ ذوقِ ایمان پر گراں ہیں۔

ریاض صاحب نے جس بات کو ''فرقہ واریت کا فروغ'' قرار دیا ہے وہ اسے فرقہ واریت تو ثابت شاید نہ کرسکیں لیکن انھوں نے اتنا ضرور ظاہر کردیا ہے کہ وہ رسول پاک ﷺ کی عالی جناب میں گستاخی و بے ادبی کے مرتکب افراد کے لیے تعظیم وتکریم رکھتے اور چاہتے ہیں، اس حوالے سے انھوں نے احادیث مبارکہ نہیں دیکھی ہوں گی۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۱ میں یہ فقیر اپنے اس موقف اور طرزِ عمل کا جواب پیش کرچکا ہے۔ ریاض صاحب شمارہ ۱۱ میں میرے مکتوب کے آخر میں اسے ملاحظہ فرمالیں اور جان لیں کہ وہ میرے اس فعل کو جو چاہیں قرار دیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ فقیر اپنے اس فعل کو اپنے لیے نیکی اور سعادت شمار کرتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے کسی بے ادب، گستاخ یا اس گستاخ کے حامی کے لیے قلب و ذہن میں کوئی تکریم یا رعایت نہیں رکھتا۔

ریاض صاحب لکھتے ہیں: ''لہٰذا جس نے بھی نعت کہی ہے، یقین کرنا چاہیے کہ اس نے حضور سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے۔ ان سے وابستگی حق ادا کیا ہے۔'' (ص ۴۸۶)

ریاض صاحب کے علم میں ہوگا کہ غیر مسلم لوگوں اور مشرکوں نے بھی نعت کہی ہے، وہ بتائیں کہ ''کیا انھوں نے میرے نبی پاک ﷺ سے وابستگی کا حق ادا کیا ہے؟ کیا واقعی یقین کیا جائے کہ انھوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے؟''

وہ لکھتے ہیں: ''لہٰذا نعت کے حوالے سے اس قدر کرخت فقہی بحثیں شاید سود مند نہ ہوں۔'' (ص ۴۸۷)

ریاض صاحب کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ وہ ''فقہ'' کی تعریف بھی جانتے ہیں یا نہیں۔ ''نعت رنگ'' میں مطبوعہ میرے خطوط میں وہ صرف اپنی علمی قابلیت سے یعنی کسی عالم سے مدد لیے بغیر ''اس قدر کرخت فقہی بحث'' کو دلائل اور ثبوت کے ساتھ پیش کریں تاکہ ''اس قدر کرختگی'' کی حقیقت واضح ہو۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! میں نے مختلف نشستوں میں یہاں تک لکھا ہے، مجھے احساس ہے کہ بہت توجہ سے اس تحریر کو مکمل نہ کرسکا، بہت کچھ رہ گیا ہے۔ بایں ہمہ مجھ سے اس تحریر میں جو کوئی غلطی وکوتاہی ہوئی، اللّٰہ کریم جل شانہ سے اس غلطی وکوتاہی پر توبہ کرتے ہوئے طالب عفو ومغفرت ہوں۔ کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ اللّٰہ بس باقی ہوس

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

''نعت رنگ''۱۵ پیشِ نظر ہے۔ اس سے قبل کہ کچھ اور لکھوں حضرت مولانا کوکب نورانی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنھوں نے نہایت جاں فشانی سے میرے کچھ سوالوں کے جوابات فراہم کرنے کے لیے حوالہ جات تلاش کیے اور میرے ساتھ پڑھنے والوں کی معلومات میں اضافہ کیا۔ افسوس ان کا کوئی جواب تسلی بخش نہیں لگا۔ کہیں انھوں نے لوگوں کے خوابوں کو سند بنا کر جواب دیا ہے کہیں حکایتوں کے سہارے کے ذریعے باتیں کی ہیں۔ کہیں اپنی بات کو zip hold کرنے کے لیے عربی لغات کو ذریعہ بنایا ہے اور لغوی معنی کو اپنانے پر زور دیا ہے اور کہیں لغوی معنوں کو یکسر مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں کر سکتے۔ کہیں ''معجزہ'' کے لیے لکھا ہے کہ اردو میں اس کے معنی صرف وہ محلِ خاص ہے جو نبی سے ظاہر ہوتا ہے کہیں ''نعت'' اور ''حمد'' کے لیے اردو میں جو معنی رائج ہیں اُسے مسترد کرکے عربی لغات سے دوسری باتیں ثابت کی ہیں۔

(حوالہ کے لیے بالترتیب صفحات نمبر۴۰۸، سطر۱۴ سے صفحہ نمبر۴۰۷، سطر۱۳ سے، صفحہ۴۰۸ تک، صفحہ نمبر۴۱۱ سطر۱۷ سے، صفحہ نمبر۴۵۳ سطر۱۶ سے)

اسی طرح محض سوالوں کے جواب میں مولانا نے یہ کہہ کر بات کر دی ہے کہ جواب کے لیے فلاں کتاب دیکھ لی جائے۔ (حوالہ صفحہ۴۱۴ آخری سطریں) کہیں لکھا ہے کہ اپنی کم علمی دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اور کہیں اسی سعی کو شرارت قرار دے دیا ہے... تفصیل سے ہر بات کو دوبارہ اٹھانا جواب لکھنا اب میرے بس میں نہیں رہا ہے۔ لہٰذا میں نے سوچا ہے کہ ان دینی معلومات میں آئندہ سے میں خاموش رہوں گا۔ میں اب تک جو کچھ لکھتا رہا ہوں اس کے پیچھے احکامِ الٰہی کی پابندی کا جذبہ تھا کہ غور کرو اور فکر کرو۔ تحقیق کے بغیر تقلید سے بچو۔ یہ کام میں اپنے طور سے کرتا رہا ہوں کرتا رہوں گا۔ ''نعت رنگ'' کے صفحات کا سہارا صرف اس لیے لیا تھا کہ اس سے میرے ساتھ ہی بہتوں کا بھلا ہو رہا تھا۔ مگر یہ معاملہ اب کچھ مناسب نہیں لگتا۔ ان مباحث سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ نعت لکھنے سے قبل ہمیں عالمِ دین ہونے کی سند بھی حاصل کرنی چاہیے اور یہ بھی کہیں سے پتا کر لینا چاہیے کہ ہم واقعی مسلمان ہیں کہ نہیں (یعنی ہر طرح سے راسخ العقیدہ) صفحہ۴۳۸ دوسرا پیراگراف) ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کو اس حوالے سے

پھنسا دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ صفحہ ۳۴۴ چوتھے پیراگراف میں ''ہزاریے'' (یعنی ملے نی ام) کا لفظ دیکھ کر مرحوم جون ایلیا یاد آئے جنھوں نے لکھا تھا کہ اے اردو والو! ''ہزاریے'' کوئی لفظ نہیں ہے یہ ''ہزارے''... میں مزید کچھ سمجھنے کے بجائے اب آئندہ سے اس مشورے پر عمل کرنے والا ہوں جو ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے اپنے خط صفحہ ۳۹۷ سطر ۷ اور ۸ میں دیا ہے جنھیں دلچسپی ہو دیکھ لیں۔

میں قیصر نجفی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے حمدیہ قطعے کے بارے میں لکھ کر میری رہنمائی کی۔ اس ضمن میں بس اسی قدر عرض ہے کہ... بے مثل صفات کو نسبتاً کم تر سے تشبیہ دینا کم کرنا نہیں ہوتا۔ یہ دراصل ایک عیاں تر حوالہ ہوتا ہے کہ قاری کو تفہیم کا ایک سہارا مل جائے۔ خود اللہ نے اپنے نور کو چراغ سے تشبیہ دی ہے۔ حضرت مولانا کوکب نورانی نے بھی مجھے سمجھانے کے لیے صفت خاص جو حضور اکرمﷺ کی ذات میں تھی ایک جگنو کی مثال دے کر واضح کی ہے۔ (صفحہ ۴۷۰ سطر ابتدائی) بہرحال ان کی بات میں نے نوٹ کرلی ہے۔ ان کی قطعے پر اصلاح البتہ قابلِ قبول نہیں کہ اگر ان کا بتایا ہوا مصرع استعمال کیا جائے تو قافیہ غائب ہوجاتا ہے۔ عیب بقول ان کی دُور نہیں ہوتا بلکہ ایک اور عیب پیدا ہوجاتا ہے۔ خیر میں ان کی اس پیش کش کا بھی ممنون ہوں۔ (میں نے یہ قطعہ ہی مسترد کر دیا ہے) اب حافظ صاحب کا خط (صفحہ ۴۸۷) وہ عروض اور فہم اشعار کے عالم بے بدل ہیں۔ ان کے جواب کے بعد میں بھلا کیا عرض کرسکتا ہوں۔ اللہ انھیں خوش رکھے اور ان پر رحم کرے۔

ظہیر غازی پوری۔ بھارت

آپ کا مراسلہ رسائل و کتب کا پیکٹ بہت پہلے مل گیا تھا۔ جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ اس کے دو اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ کہ میں آپ کے خط کا منتظر رہا تا کہ مجھے علم ہوسکے کہ موضوعاتی اشاریہ کی چار زائد کاپیاں کن لوگوں کے لیے ارسال کی گئی ہیں۔ کیا میں انھیں ایسے لوگوں کو بھیج دوں جو نعتیہ شعر و ادب تخلیق تو کرتے ہیں مگر ''نعت رنگ'' میں نہیں لکھتے۔ دوسرا سبب یہ کہ میری اہلیہ یوں تو گردے کے انفکشن کے باعث گزشتہ دس برسوں سے زیرِ علاج ہیں مگر ادھر ۷۔۸ ماہ سے ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ بعض اوقات تو میں ان کی زندگی سے مایوس اور نااُمید ہوجاتا ہوں۔

پیکٹ میں ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۱۵ کے علاوہ کتابی سلسلہ ''راہِ نجات'' عزیز احسن صاحب کی کتاب ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' سیّد ابوالخیر کشفی صاحب کی تصنیف ''نعت اور تنقیدِ نعت'' اور پروفیسر شفقت رضوی صاحب کی کتاب ''اردو میں نعت گوئی'' ہمدست ہوئی۔ ان سب کو جستہ جستہ دیکھ سکا ہوں۔ خوش ہوں کہ ''نعت رنگ'' میں شائع علامہ ارشد القادری صاحب کی نعت گوئی کے موضوع پر مہکتا ہوا میرا مضمون قارئین نے بے حد پسند کیا۔

میں ادب میں اختلاف کا قائل ہوں اور اس سے بددل یا بدظن نہیں ہوتا۔ یہ اچھی بات ہے کہ اربابِ فکر و ادب اب تک میرے مضمون ''نعتیہ شاعری کے فنی لوازمات'' پر کسی نہ کسی زاویے سے اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔ مگر بعض لوگ اسے ''دوسرا رنگ'' دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کاش ایسے لوگ خالص علمی اور فنی تحریریں عصبیت کی عینک اُتار کر پڑھنے کی عادت ڈالتے۔ جناب کوکب نورانی صاحب کے طویل مراسلات دلچسپ اور معلوماتی ہوتے ہیں مگر وہ سکے کا ایک پہلو پیش کرنے کے عادی ہیں اور ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی عیب یا نقص ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ واقعی کمال کی نظر رکھتے ہیں!

اس خط کے ہمراہ میں ایک مضمون ''تاج الفحول... ایک مداحِ رسول'' اور دو عدد نعت پاک روانہ کر رہا ہوں۔ ایک عدد نعت پاک ''سفیرِ نعت'' کے لیے ہے۔

گزشتہ چھ ماہ کے دوران ذہنی یکسوئی اور سکون حاصل نہ ہونے کے باعث کوئی تخلیقی یا ادبی کام نہیں کر سکا۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء میں اپنی نثری تصنیف ''مطالعۂ اقبال کے بعض پہلو'' کمپوزنگ کے لیے دی تھی۔ ارادہ تھا کہ کمپوزنگ ہونے سے قبل ایک مضمون اور لکھ لوں گا مگر وہ بھی ممکن نہ ہوسکا اور آخرکار ۲۴ر جون کو مسودہ دہلی بھیج دیا۔ اُمید ہے کہ کتاب اس ماہ کے آخر میں چھپ کر آجائے گی۔ آپ لوگوں کی خدمت میں ان شاء اللہ ضرور بھیجوں گا۔ یقین ہے آپ بہ عافیت ہوں گے۔

محمد فیروز شاہ۔ میانوالی

''نعت رنگ'' ۱۵ اور محترم عزیز احسن کی نہایت گراں قدر کتاب ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' بھیج کر آپ نے مجھے مالامال کر دیا۔ علم سے بڑی ثروت اور کیا ہے؟ اور پھر علم بھی مدینۃ العلم ﷺ کی ذات والا صفات سے منسوب لفظوں اور جذبوں اور سوچوں اور محبتوں کے نور و

سرور سے مملو... یہ تو وہ خوش بو ہے جو سدا بہار ہے۔ ہمارے ایک شفیق دوست ہر سال سیرتِ طیبہ پر دیے گئے موضوع کے حوالے سے مقالہ لکھ کر سیرت النبی ﷺ کانفرنس کے ضمن میں حکومت کو بھجواتے ہیں۔ ایک دوست نے ان سے کہا، ''ڈاکٹر صاحب! آپ کو ایک بار انعام مل بھی چکا ہے۔ آپ ہر بار کیوں بھیجتے ہیں اب ہر دفعہ تو آپ کو اعزاز نہیں مل سکتا۔'' بڑا خوب صورت جواب دیا اس شخص نے... کہا، ''یہ تو پھولوں کی سوداگری ہے نفع نہ بھی ملے، ہاتھ خوش بوؤں سے تو بھرے رہتے ہیں۔''

یہ ان کا کہنا تھا میرا کہنا یہ ہے کہ سیرتِ سرکار ﷺ پر تو لکھنا بھی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہے، ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہوتا... یہ بڑے نصیب کی بات ہے... وہاں سے اِذن نہ ملے تو قلم لکھ نہیں سکتا، ذہن سوچ نہیں سکتا، لفظ بول نہیں سکتا، حرف وجود نہیں پاتا اور جذبہ بے نمو رہتا ہے۔ یہاں تو آرزو کو بھی باوضو ہونا پڑتا ہے۔ تب تحریر میں تاثیر کی خوش بو نکھرتی ہے جو دلوں کو اپنی جاگیر بناتی چلی جاتی ہے اور لاریب دل سے بڑی جائیداد اور کوئی نہیں... تو کیا میں نے غلط کہا کہ دولت صرف علم ہی ہے...؟ ہمارے خاندان میں ایک روایت اسلاف سے چلی آ رہی ہے۔ باپ اپنے بیٹے/ بیٹی کو وراثت میں ایک تختی ضرور دیتا ہے جسے وہ اپنے رہائشی مکان میں آویزاں رکھتا ہے۔ اس پر بابِ مدینۃ العلم کے اشعار جگمگا رہے ہوتے ہیں، جنھیں اس نے نظریۂ حیات بنانا ہوتا ہے۔

رضینا قسمة الجبار فینا　　لنا علم و للجهال مال
فَاِنّ المال فان عنقریباً　　وانّ العلم باق لایزال

ہم اپنے ربّ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم عطا کیا اور جاہلوں کو مال... بے شک مال عنقریب فنا ہوجانے والا ہے اور علم ہمیشہ باقی رہنے والا اور لازوال ہے...!

اس وقت میں اپنے اسٹڈی روم میں عین اسی روشن تختی کے زیرِسایہ بیٹھا آپ کی ان گراں بہا کاوشوں کی تحسین کر رہا ہوں جن کے ذریعے آپ دین و دنیا کی کامرانیاں سمیٹ رہے ہیں... ''نعت رنگ'' جس منفرد اور ممتاز انداز میں محبوب ﷺ خدا و کائنات سے نسبتوں اور وابستگیوں کو قرینۂ اظہار دے رہا ہے یہ اسی کا ثمرِ شیریں ہے کہ بہت کم عرصہ میں معیار اور وقار کی سربلندیاں ''نعت رنگ'' کی جبیں پر نورِ سحر کی طرح جگمگانے لگی ہیں۔ عشق سچا ہو تو پیشانیاں فجر کے سہانے

اجر کی طرح روشن شادمانیوں سے جگمگا اُٹھتی ہیں۔ زیرِنظر شمارہ میں احمد صغیرصدیقی صاحب کی حمد... ربّ رحیم و کریم سے بندگی کی والہانہ وابستگی کا نکھار بانٹ رہی ہے۔ سوچوں سے ماورا کو سوچنا... بے تشبیہ و بے مثال کے جمال کو سورج، دیے اور اُجالے کے حوالے میں سوچنا پھولوں اور تتلیوں اور رنگوں میں خالق کی دستِ قدرت کی تلاش... یہ سب بے کراں محبتوں کے اظہاریے ہیں مگر وہ تو وسعتوں کی بیکرانیوں کا بھی خالق ہے سو لفظ و بیاں اپنی بے مائیگی اور فکر و فن اپنے عجز کے اظہار میں سچے ہی تو ہیں... اس کے باوصف وہ ہم سے دُور نہیں... ہم بے عمل بے مایہ لوگ ہی اس سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں... صدیقی صاحب کی یہ عقیدتیں ہمارے فکر و خیال میں سچے جمال کی جستجو کی آرزو جگا رہی ہیں...!

آپ کا ابتدائیہ دراصل شمارہ کا آئینہ ہے جس میں مشمولات کے عکس ایک جھلک دکھا کر ذوقِ مطالعہ کو نکھارتے ہیں... علامہ ابنِ رُشد کی حیاتِ مستعار میں فقط دو راتیں بغیر مطالعہ کے بسر ہوئیں ایک سہاگ رات اور دوسری والدہ محترمہ کی موت والی شبِ تار... میں سوچتا ہوں ہم اپنے راستوں کے روشن چراغوں سے استفادہ کرنے کی خو ڈال لیں تو زندگی تابندگی سے زیادہ دُور نہ رہ جائے اور پھر جب مطالعہ کو ''نعت رنگ'' جیسا وقیع سرمایہ ہمارے پاس موجود ہو... جس میں ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی جیسی بے مثال علمی شخصیت منور ماضی کی روشنی ہماری بے چراغ راہوں میں بکھیر رہی ہے... وہ دور جس کے سہانے طور میں ہمارے بزرگوں کے گھروں کے آنگنوں میں عشقِ نبی ﷺ کی شمعیں فروزاں تھیں جو بصارتوں کو بصیرتیں اور دلوں کو صادق عقیدتیں عطا کر دیتی تھیں... دل بھی تو گھر ہوتے ہیں... آج ڈاکٹر کشفی کی پُرتنویر تحریر ہمارے دلوں کی بستیوں میں عشقِ مصطفےٰ ﷺ کی قلبی تاثیر تقسیم کر رہی ہے تو یہ اپنے اپنے ظرف اور نصیب کی بات ہے کہ کسے کتنی روشنی ملتی ہے۔ ظرف اور نصیب تو عشق کی عطائیں ہیں!

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی نے ''نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری'' کے زیرِعنوان بہت پُراثر اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر پیش کیا ہے... ان دنوں کئی لوگ یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ نعت میں حضور اکرم ﷺ کے کردار و عمل اور نظامِ فکر کی بات کی جائے نہ کہ آپ ﷺ کے سراپا مبارک کی... مجھے اس پر ہمیشہ دُکھ ہوا... میں سمجھتا ہوں جب تک سرکار ﷺ کی ذات والا صفات سے عشق نہیں ہوگا، آپ کا سراپا مبارک سرتاپا محبوب نہیں ہوگا... آپ ﷺ کی تعلیمات پر کماحقہ عمل ممکن نہیں۔ کیوں کہ سچا عمل اور جان دار اور پائیدار کردار ہمیشہ عشق ہی کی عطا ہوا کرتی

ہے اور عشق میں محبوب ﷺ کی ذات پہلے آتی ہے صفات بعد میں یا ساتھ میں... اور پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ نبی کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا ہے... **یا ایھا المزمل...** کہیں آپ ﷺ کی زلفوں کا تذکرہ کہیں آپ کی خوب رو نگاہوں اور روشن چہرے کا ذکر... اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی صفات و کردار کا بھی تذکرہ... گویا ذات و صفات دونوں کا ذکر احسن ہے... قرآن عظیم سے سلیقۂ نعت گوئی سیکھنے والے علامہ احمد رضا خاں بریلویؒ کے دیے گئے اشعار کا حوالہ میرے مؤقف کی بھرپور تائید کرتا ہے۔ راجا رشید محمود نعت گوئی اور فروغِ نعت کی سعید سرگرمیوں میں بے حد اہم نام ہیں۔ انھوں نے بھی ''منظوم سراپائے حضور ﷺ'' میں دلائل و براہین کے ذریعے بقول رئیس امروہوی ''جمالِ مصطفیٰ ﷺ میرا عقیدہ'' کا علم اس شان دار انداز میں لہرایا ہے کہ اہلِ عشق کے لیے زندگی کی کڑی دھوپ میں سائباں میسر آ گیا ہے... مجھے کہنا فقط اتنا ہے کہ عشق تذکرۂ جمالِ یار سے سرشار ہوتا ہے اور عشق ہی عمل کی واحد کلید ہے۔ یوں نہ ہوتا تو دانائے راز ''عشق پر اعمال کی بنیاد'' رکھنے کی تلقین نہ کرتے۔ کامرانیوں کی تاریخ میں فقط اہلِ عشق ہی کی جولانیوں کی سچی کہانیاں رقم ہیں۔ سو میں سمجھتا ہوں کردار و عمل کی استواری اور پائیداری عشق کی کامگاری اور سرشاری کے بغیر ممکن ہی نہیں اور عشق حسنِ صورت سے وابستہ ہوکر حسنِ سیرت پر فدا ہوتا ہے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ سرکار ﷺ کے سراپا مبارک کا بیان اور سیرتِ طیبہ کی تحسین و تکریم دونوں اطاعت رسول ﷺ نعت گوئی کے لیے ضروری ہیں۔ دراصل نعت گوئی درِ حبیب ﷺ پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے۔

محترم خالد شفیق کی زندگی عشقِ رسول ﷺ کی تابندگی سے منور ہے۔ میں جن عشق افروز لمحوں کی تمنا میں جیتا ہوں خالد شفیق ایک عرصے سے ان بشارتوں کی رفاقتوں میں جی رہے ہیں۔ ''شام و سحر'' کے نعت نمبروں سے لے کر ''حمایت اسلام'' کے ہر شمارے میں عشقِ محبوب ﷺ سے سرشار ان کی مساعی بے حد قابلِ تکریم رہی ہیں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے عشقِ صادق کی سرشاری کو بادِ بہاری بنا دیا... اور آپ بھی کہ آپ نے عشق کی ساعتِ سعید کو قابلِ دید بنا دیا!!!

پروفیسر قیصر نجفی۔ کراچی

''نعت رنگ'' (نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ) کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے،

بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور شاید بہت کچھ لکھا جائے گا۔ مگر ہر تحریر میں ایک یہ بات مشترک ہے اور رہے گی کہ ''نعت رنگ'' کی ہر اشاعت کو تائیدِ ایزدی حاصل ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ کتاب یا رسالے کے حوالے سے آج قاری کا جو طرزِ عمل ہے، وہ بے حد حوصلہ شکن ہے۔ علمی و ادبی رسائل و جرائد کا تو ذکر چھوڑیے، ڈائجسٹوں تک کے مدیران حضرات چراغِ رُخِ زیبا لیے کو بہ کو مصروفِ تلاش ہیں، مگر قاری کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ (اس مایوس کن صورتِ حال کا کون ذمہ دار ہے، اس سوال کا شافی جواب شاید ہی کبھی ملے) نتیجتاً ایسے ایسے علمی و ادبی رسائل و جرائد، جن کے معیار و مرتبہ کی بلندی دیکھ کر بزبانِ محاورہ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ''اللہ دے اور بندہ لے'' یا تو طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے مرگئے ہیں یا مرمر کے جیے جانے پر مجبور ہیں۔ اس حوالے سے ہم صرف چار ادبی جریدوں کی مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ''نقوش'' لاہور کسی زمانے میں علمی و ادبی رسالوں کی قلم رو کا بے تاج بادشاہ تصور ہوتا ہے۔ کسی ادیب یا شاعر کے لیے اس میں چھپنا ایک اعزاز تھا۔ قارئین اس کی ہر اشاعت کا بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔ ادیبوں اور شاعروں کی ایک بڑی تعداد اس کے حلقۂ رفاقت میں تھی۔ بک اسٹالوں پر آتا تو Like Hot Cake بک جاتا۔ لیکن آج وہی رسالہ ہے کہ نسلِ نو جس کے نام سے بھی شاید واقف نہیں ہے۔ کیوں کہ اب وہ Once in a blue moon کے مصداق برسوں بعد اشاعت پذیر ہوتا ہے۔ گویا مرمر کے جیے جانے پر مجبور ہے۔ ''فنون'' لاہور کی ادبی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اس رسالے میں چھپنا بھی ادیب و شاعر کو سندِ معیار مل جانے کے مترادف ہے۔ ''فنون'' کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ اس نے تخلیق کاروں کے ایک وسیع حلقے کو متعارف کرایا ہے۔ ان میں سے بعض نے اپنے نام اور کام کے حوالے سے اتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ ان کے ذکر کے بغیر تاریخِ ادبِ اردو مکمل تصور نہیں ہوسکتی۔ ایک طویل عرصے سے ''فنون'' کی اشاعت میں بھی، وہ تسلسل و ترادف نہیں ہے جو کبھی اس کا طرۂ امتیاز تھا۔ سال بھر میں ایک آدھ شمارہ شائع ہوتا ہے، مگر کس مشکل سے، یہ جاننے کی شاید ہی کسی نے ضرورت محسوس کی ہو۔ ''سیپ'' کراچی ''ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے'' کی منزل پر ہے۔ حالاں کہ ایک زمانے میں اس ادبی جریدے کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور اس میں چھپنے والا حرف موقر تسلیم کیا جاتا تھا۔ افسوس کہ بوجوہ کوئی شمارہ منظرِ عام پر آتا بھی ہے تو اتنی خاموشی سے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی۔ ''اوراق'' لاہور کا شمار بھی موقر ادبی رسائل

میں ہوتا ہے۔ دو سال قبل ایک طویل تعطل کے بعد بار دیگر اشاعت پذیر ہوا، مگر تاحال صرف دو شمارے شائع ہو سکے ہیں۔ دیکھیے تیسرا شمارہ کب اشاعت پذیر ہوتا ہے... اس احوال واقعی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ''نعت رنگ'' اپنے رفیع الشان علمی، ادبی اور مذہبی مقاصد کے سبب آئے دن توانا سے توانا تر ہوتا ہے چلا جا رہا ہے، یقیناً یہ سب تائیدایزدی کے بغیر ناممکن ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ربّ العالمین ''نعت رنگ'' کو نظرِ بد سے بچائے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ نعتیہ ادب کے حوالے سے معیاری تحاریر و منظومات کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے نظر نواز ہوا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ پہلے ہی صفحے نے دامن دل کھینچ لیا ہے اور یہ کرشمہ احمد صغیر صدیقی کی نہایت خوب صورت حمد نے دکھایا ہے۔ حمد، نعت اور غزل، یہ ایسی تین اصنافِ سخن ہیں، جن پر صدیوں سے طبع آزمائی ہو رہی ہے اور ہمارے خیال میں زبان و بیان اور فکر و خیال کا شاید ہی ایسا کوئی زاویہ ہوگا، جو شعرائے ماسبق یا معاصر سخن وروں سے رہ گیا ہو۔ بنابریں ان اصناف میں جب کہیں اسلوبِ بیان یا فکر و فن کے حوالے سے تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے تو دل بلیوں اُچھلنے لگتا ہے۔ بلاشبہ احمد صغیر صدیقی کی حمد جذبہ، خیال اور ڈکشن کا یکسر نیا رنگ و آہنگ لیے ہوئے ہے۔ جس کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفی کا مضمون ''نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں ماضی کا سفر'' ہماری معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی اور سب سے بڑھ کر برصغیر کے مسلم گھرانوں کے مذہبی نفسیات اور ان کے مجلسی آداب کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ یہ مختصر سا مضمون مسلم خواتین کے اس فکری اخلاص و سپردگی پر بھی روشنی ڈالتا ہے، جو نعت خوانی کے تعلق سے ان کی فطرتِ ثانی کا درجہ رکھتا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کا قلم حبِ رسولِ مقبول ﷺ کے نور سے کس حد تک مستیز و منور ہے، مضمون بعنوان ''ظہورِ قدسی: پس منظر... اردو نعت کے آئینے میں'' کو پیمانہ بنا کر اس حد کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ ہم شعر کی طرح نثر میں بھی آمد کے قائل ہیں، پروفیسر صاحب کی تحریروں میں الہامی کیفیات کا احساس ہوتا ہے۔ تحقیق ہو یا تنقید، تاریخ ہو یا فلسفہ، حدیث ہو یا قرآن، منقولات ہوں یا معقولات، عمرانیات ہو یا اخلاقیات، معاشرت ہو یا نفسیات، وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں لگتا ہے ان کے قلم میں پر جبریلؑ کی قوت و توانائی در آئی ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کو بھی ہم عارفانِ نعت میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا مضمون ''کاروانِ نعت کا شوق منزل آشنائی'' دریا کو کوزے میں بند کرنے کی ایک نادر مثال ہے۔ نعت کی تعریف، تاریخ، فروغ،

رجحانات اور تقاضوں کے تناظر میں انھوں نے جن منزلوں کی نشان دہی کی ہے، وہ ان کی بصارت و بصیرت کے ساتھ ساتھ وسعت مطالعہ، تحقیقی ورک، تنقیدی فہم اور نعتیہ ادب پر مکمل دسترس کی دلالت کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط ''نعت رنگ'' کے قلم کاروں کی کہکشاں کے ایک نہایت تابندہ ستارے ہیں۔ نظم ہو یا نثر، ان کی جگمگاہٹ میں کہیں فرق نہیں آتا۔ نشیط صاحب نے ایک اہم مگر نہایت نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ہر چند حضورﷺ کا نور ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ تاہم کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو خود ساختہ تاویلوں کی بنا پر آنحضرتﷺ کو سراپا نور تسلیم کرنے میں متذبذب دکھائی دیتے ہیں۔ سرکارﷺ کی ذات و شخصیت کے اس اساسی پہلو پر ایک وقیع تحریر کی ضرورت تھی، نشیط صاحب نے اس ضرورت کو بحسن وخوبی پورا کر دیا ہے۔ بادی النظر میں ''اردو میں نورناموں کی روایت'' ایک خالصتاً تحقیقی مضمون ہے، مگر نشیط صاحب نے اسے ایک ایسا آئینہ بنا دیا ہے، جس میں اردو نعت کے کم و بیش ہر دور کے اسلوب کا عکس نظر آتا ہے۔ ہمارے خیال میں نورناموں کی روایت جس بلند سطح کی تحقیق و تدقیق کی متقاضی تھی، نشیط صاحب نے اس کا ایک عمدہ نمونہ پیش کر دیا ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی تفکر، تعمق نظر اور تخلیقی شعور کی بدولت ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز و ممیز رہے ہیں۔ وہ جب بھی کسی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہیں، اس کے نئے نئے گوشے سامنے لاتے ہیں۔ نظم ہو یا نثر، تجسس و جستجو ان کا اساسی فنی رویہ ہے۔ ان کا مضمون ''نعت میں سراپا نگاری سیرت نگاری'' ایک ایسے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا ہے، جس کی آڑ میں رسولِ خداﷺ کی شکل و شمائل کے بیان میں غیرضروری احتیاط برتنے پر زور دیا جاتا ہے۔ فی زمانہ نعت میں سراپا نگاری کی حوصلہ شکنی کا رجحان پرورش پانے لگا ہے۔ اس ضمن میں ہم عاصی صاحب کے ان جملوں کو بے حد اہم سمجھتے ہیں۔

''قارئینِ کرام! ہماری نعت کی اساس اور تمام سرمایۂ احساس و اظہار یہی ہے۔ یعنی حضورﷺ کے جمالِ صورت اور جمالِ سیرت کا ذکر و بیاں۔ باقی تمام متعلقات اسی آئینۂ جمال کے مظاہر ہیں۔''

راجا رشید محمود اور نعتیہ ادب لازم و ملزوم ہیں۔ اردو نعت کے فروغ کے حوالے سے ان کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ راجا صاحب نے اپنے مضمون ''منظوم سراپائے حضورﷺ'' کو ایسے ابیات سے مزین کیا ہے، جن میں سے بعض ابیات سرکارﷺ کے سراپا کی حقیقی جھلک دکھائے ہیں، جب کہ بعض میں چشم تخیل کی کارفرمائی ہے۔ منصورملتانی کا مضمون ''اردو میں منظوم

سیرت نگاری... ایک جائزہ‘‘ ایک قابلِ قدر تحقیقی کاوش ہے، جو نعتیہ ادب سے ان کی کمٹ منٹ کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا مضمون ’’نعت اور نقدِ نعت... چند گزارشات‘‘ نعت نگاری کے رہنما اصولوں سے متعارف کراتا ہے اور نعت میں زبان و بیان کی احتیاط کا شعور بیدار کرتا ہے۔ پروفیسر افضال احمد انور کا مضمون ’’تنقید نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں‘‘ ان کی وسعتِ مطالعہ کا مظہر ہے۔ انھوں نے تنقیدِ نعت کو ایک مثبت رجحان قرار دیا ہے اور موانعاتِ نعت کی نہایت مناسب و موزوں مثالوں کے ذریعے نشان دہی کی ہے۔ پروفیسر محمد فیروز شاہ کا مضمون ’’میانوالی میں نعت نگاری‘‘ ایک دُور افتادہ علاقے میں نعت گوئی کے سفر کا ایک جائزہ پیش کرتا ہے۔ شاہ صاحب کے شاعرانہ طرزِ بیان نے جائزے کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی کا نام بیک وقت تبحرِ علمی، فنی فراست، تنقیدی دانش، اصابتِ رائے اور صلابتِ فکر کا استعارہ ہے۔ انھوں نے رسالہ ’’شام و سحر‘‘ کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ نہایت دقتِ نظر سے رقم کیا ہے۔ یہ ایک بڑا علمی و ادبی کام تھا، جسے رضوی صاحب جیسا فاضل اجل ہی انجام دے سکتا تھا۔ ان کا یہ جائزہ اختصار میں جامعیت کی بھی ایک منفرد مثال ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی کا دوسرا مضمون فکر و نظر کی ہمہ جہتی کا مظہر ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے ڈاکٹر عاصی کرنالی کے اس تحقیقی مقالے کا تعارف و تجزیہ پیش کیا ہے، جو عاصی صاحب نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں لکھا۔ رضوی صاحب کے تحریر کردہ تعارف و تجزیہ کے مطالعے کے دوران ہمیں دو باتوں کا شدت سے احساس ہوا ہے۔ ایک یہ کہ انھوں نے مقالے کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، دوسرے یہ کہ مقالے کے حسن و قبح پر خلوصِ نیت سے نگاہ ڈالی گئی ہے۔ بنابریں رضوی صاحب نے نہ تو محاسن کے بیان میں بخل کا مظاہرہ کیا ہے اور نہ ہی خامیوں کی نشان دہی میں مصلحت کوشی سے کام لیا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے جہاں کہیں بھی گرفت کی ہے، اس کا جواز بھی فراہم کر دیا ہے۔ ان کے فکری اخلاص کا اندازہ درج ذیل اختتامی جملوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

> میں نے بعض امور پر اپنی رائے دی ہے۔ اس سے تنقید کا حق ادا ہوا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تحقیق کا سلسلہ جاری رہے۔ آئندہ کے محقق ان باتوں کو پیشِ نظر رکھیں، جن سے تا حال صرف نظر کیا جاتا رہا ہے۔ یہ تنقید جناب عاصی سے مخاصمت میں نہیں، تائید میں ہے۔

ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر نے راجا رشید محمود کے مجموعۂ نعت ''دیارِ نعت'' کا ایک مطالعاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے بجاطور پر راجا صاحب کے محولہ اشعار کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ پچیّس نعتیہ مجموعوں کے خالق کے یہاں اگر شعر کا یہ معیار ہے تو پھر مبتدیوں کو دوش دینا زیادتی ہے۔ اس توقع پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

عزیز احسن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ ''نعت رنگ'' کے ساتھ بحیثیتِ مبصر وابستہ ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے ادارے کو موصول ہونے والی کتب و رسائل پران کے لکھے ہوئے تبصرے ''نعت رنگ'' کا ایک Saliant Feature بن چکے ہیں۔ ہم یہ کہنے میں تامل نہیں ہیں کہ ان کے تبصرے متوازن اظہار رائے کی قابلِ رشک مثالیں ہیں۔ عزیز صاحب مواد و متن کے پیشِ نظر خیال آرائی کرتے ہیں اور کسی بھی صورت میں لاگ یا لگاوٹ کو در آنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ ان کے قلم میں ریاضتِ فن کی جو روشنی ہے، اس کی نظیر کم کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ ڈاکٹر سیّد تقی عابدی ایک کہنہ مشق قلم کار ہیں۔ تحقیق، تنقید، تخلیق، ہر شعبے میں وہ اپنے قلم کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ ''اردو کا سحبان محمد ﷺ'' میں انھوں نے تحقیق و تدقیق کا ایک دل آویز مظاہرہ کیا ہے ۔ ہمارے خیال میں مرزا غالبؔ کے شاگرد رشید سیّد میر مہدی مجروحؔ کی نعت نگاری کا ایک مطالعاتی جائزہ پیش کر کے انھوں نے نعتیہ ادب میں اضافہ کیا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کا مضمون ''خالد شفیق اور ان کی نعت گوئی'' حسنِ بیان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ صنفِ غزل کی تفہیم کراتے ہوئے انھوں نے زبان و بیان کے جو کرشمے دکھائے ہیں، ملاحظہ ہوں:

> غزل ایک جانب دار صنفِ سخن ہے۔ ایمائیت اس کی خصوصیت ہے۔ یہ حیات و کائنات کو نوک مژہ پر تولنے اور سمندر کو قطرے میں سمیٹنے کا عمل ہے۔ تغزل شعر کے اس تاثراتی انداز کو کہتے ہیں، جو قاری کے ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کرتا چلا جاتا ہے۔اسی سے بات تیز نیم کش بنتی ہے۔

پروفیسر صاحب نے خالد شفیق کی نعت گوئی ایک جملے میں سمیٹ کر اپنے تنقیدی شعور کا بھرپور مظاہر کیا ہے:

> میں بنیادی طور پر تمنا اور انتظار ہی کو خالد شفیق کی نعت گوئی کا حسن سمجھتا ہوں۔

منظومات میں شان الحق حقی، محسن نقوی، محسن احسان، قمر جمالی کی نعتیں اور صہبا اختر کی نظم اثر انگیز اور ایمان افروز ہیں۔

ہماری شامل اشاعت نعت کا ایک شعر غلط کمپوز ہوگیا ہے۔ درست شعر یوں ہے:

خدا شناسی بھی بے فائدہ ہے اس کی کہ جو
خدا کے بعد محمد ﷺ سے آشنا نہ ہوا

اُمید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

رشید ارشد۔ سیالکوٹ

''نعت رنگ''۱۵، نظرنواز ہوا۔ حضرت مولانا کوکب نورانی صاحب کا طویل مکتوب دلچسپی سے پڑھا۔ اس کے بعد گزشتہ شمارے کے ان مضامین کو بھی ایک نظر دیکھا، جن پر انھوں نے نقد کیا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس طرح عہدحاضر کے ادبا اور شعرا کی اکثریت شرعی امور کی نزاکتوں سے آگاہ نہیں ہے اسی طرح علمائے کرام کی اکثریت بھی شعری تیوروں سے ناواقف ہے۔ حالاں کہ بقولِ غالبؔ:

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

ضروری بات یہ ہے کہ نعت کاروں اور نعت گوؤں کو شرعی امور میں قلم اٹھانے سے پہلے علمائے کرام سے مشورہ کر لینا چاہیے تاکہ کہیں قلم کی ادبی اور شعری اُڑانیں بے لگام نہ ہوجائیں اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ رہ گئی بات علمائے واجب الاحترام کی تو وہ شاید تغزل کی ایمائیت اور شعر کی نشتریت کی داد نہ دے سکیں۔

مولانا کوکب نورانی صاحب کا ہدفِ تنقید تو بہت سے مضامین ہیں مگر میں اپنی گفتگو کو صرف پروفیسر محمد اقبال جاوید کے مضامین تک محدود رکھوں گا۔ ورنہ بات بہت طویل ہوجائے گی۔

۱۔ اگر پروفیسر محمد اقبال جاوید نے لکھ دیا کہ ''محمد ﷺ کے اسمِ گرامی قدر (مراد نعت نگاری ہے) کی بدولت اقبال نے غزل کو نئی جہتیں اور نئے جہان بخش کر کعبہ آثار اور عرفات اساس بنا دیا'' تو کیا غلطی کی؟ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ صنفِ غزل باوضو ہوکر نعت بنی اور اسے تقدیس ملا۔ غزل کے لفظ سے بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔ پرانے بزرگ تو نعت

بھی غزل ہی کے عنوان سے لکھا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر آٹھ برس تھی۔ حضرت عبدالمطلب (ہر احترام کے باوجود) کب ایمان لائے تھے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا اضافہ لازم ہوگیا؟

۳۔ اللہ و محمد ﷺ دو غیر منقوط لفظ ہیں۔ غیر منقوط الفاظ ہوا کرتے ہیں شخصیتیں نہیں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے قمر جلالوی کا جو شعر دیا ہے وہاں واضح ہے کہ نہ اللہ کے نام پر کوئی نقطہ ہے، نہ محمد ﷺ کے نام پر۔

۴۔ یہ جملہ ''اسمِ محمد ﷺ ایک ایسی سیرت ہے کہ جس سے ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ بجھ گئے اور جس کا طلوع ہر غروب سے ناآشنا ہے۔'' کسی طرح قابلِ اعتراض ہے؟ مولانا کو تو اس خوب صورت جملے کی داد دینا چاہیے تھی کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے تمام قدیم ادیان و صحائف منسوخ ہوکر رہ گئے۔ تمام دیے بجھ گئے اور یہی چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روشن ہوگیا۔ مولانا فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ سے قدیم چراغوں نے ضیا پائی۔ وہ بھول رہے ہیں کہ ایک عظیم صحابی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں تورات کے اوراق دیکھ کر نبی کریم ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا، ''ابعدالقرآن؟''... اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ دو شعر ملاحظہ ہوں اگر مولانا کا ذوقِ شعرفہمی اور سخن شناسی انھیں پسند فرمائے:

دنیا کی محفلوں کے دیے سارے بجھ گئے
روشن جب ان کی بزم کی قندیل ہوگئی
(ظفر علی خاں)

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا
(احمد ندیم قاسمی)

۵۔ پروفیسر موصوف کے بعض ادبی جملوں میں الجھاؤ ضرور ہے۔ قلم میں روا روی کی کیفیت بھی ہے مگر تضاد نہیں ہے۔ بہرکیف انھیں اپنے قلم کو آہستہ خرامی سکھانی چاہیے کہ تیز روی سے ٹھوکر لگنے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔ خود مولانا کو بھی روانیٔ تحریر میں محتاط رہنا چاہیے کہ وہ

''نعت رنگ'' کے گزشتہ شمارے میں جس انداز سے اکابر دیوبند کی تحقیر کر چکے ہیں وہ کسی نوع سے بھی انسب نہیں ہے۔ اکابرین دیوبند کے لیے ان کا انداز تخاطب ایک عالم کی شان کے مطابق نہیں ہے۔ مولانا پروفیسر اقبال جاوید کے کسی جگہ لکھے گئے۔ اس اقتباس کی روشنی میں اکابر دیوبند کو رگید رہے ہیں اور انھیں ایک عام گنہ گار انسان کی سطح سے بھی نیچے گرا رہے ہیں۔

> حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ آپ کے خلفائے کرام میں ایسی نادر شخصیات موجود ہیں جن کی محراب عظمت میں تاریخ دعوت و عزیمت جھکتی اور جن کے حضور میں عفت قلب و نظر دوزانو نظر آتی ہے۔'' (معاذ اللہ) قوسین کے الفاظ مولانا کے ہیں۔
>
> مولانا اپنے گروہی تعصب کے پیش نظر اللہ پاک سے اس فرمان کو بھی پیش نظر نہیں رکھتے جس میں حکم ہے کہ ''لاتسبوا الزین یدعون من دون اللّٰہ...الخ'' اور ''ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان''...
>
> اللہ پاک نے تو فرعون جیسے معاند سے بھی بات کرنے کا انداز سکھاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ''قولالہ قولاً لینا'' اور جب فرعون کو جہنم رسید کیا جائے گا تو وہاں انداز تخاطب یوں ہے ''ذق انک انت العزیز الکریم''... مولانا صاحبِ علم ہیں۔ اپنے اندازِ تخاطب کے متعلق وہ خود فیصلہ فرمالیں:
>
> ع انصاف کیجے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

۶۔ گزشتہ شمارے میں مولانا نے افراد و اعمال سے استعانت اور استمداد کے جواز میں کئی حوالے دیے ہیں اور ہدفِ تنقید پروفیسر موصوف کا کوئی جملہ ہے جس میں انھوں نے کسی نعمت کو ''سبز گنبد کی عطا'' لکھ دیا ہے۔ مولانا کو اعتراض ہے کہ ''مکین سبز گنبد کہنے میں زبان و بیان کا کون سا قانون مانع ہے'' بات پھر سخن فہمی کی ہے ''سبز گنبد کی عطا'' مجاز مرسل ہے جس سے مراد ہی ذاتِ اقدس ﷺ ہے جو مکین سبز گنبد ہے۔ لٰہذا ''سبز گنبد کی

عطا'' لکھنے سے استعانت و استمداد کی نفی کیسے ہوئی؟

۷۔ سیّد محمد ابوالخیر کشفی کے جن اشعار پر مولانا کو شدید اعتراض ہے وہ اسمِ محمد ﷺ سے متعلق ہیں:

حضرت سیّد اکبرؓ کی وفا کا نغمہ
آج دنیا کو سنا لوں تو ترا نام لکھوں
صاحبِ عدل کہ فاروقؓ بنایا حق نے
ان کو الفاظ میں ڈھالوں تو تیرا نام لکھوں
جامع حرف الٰہی پہ درود اور سلام
اپنے آنسو کو سنبھالوں تو تیرا نام لکھوں
خواجہ وسعت افلاک و زمیں تجھ پہ سلام
تیری لو دل میں بڑھا لوں تو تیرا نام لکھوں

ان خوب صورت اشعار میں اگر کشفی صاحب نبی کریم ﷺ کا اسمِ گرامی لینے سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قلبی محبت کے آرزو مند ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟

۸۔ مولانا کو ''زبان صدقِ اظہار'' کی ترکیب بھی کھٹک رہی ہے۔ حالاں کہ پروفیسر موصوف نے اس ترکیب کی صورت میں اردو ادب کو بیان کا ایک خوب صورت انداز دیا ہے۔ پروف ریڈنگ کی کسی غلطی کو صاحب مضمون کے نام لگانا علمی دیانت و صیانت کے خلاف ہے۔

۹۔ ''محمد ﷺ ہی ایک ایسا لفظ ہے جس کے فیض نے اللہ، ملائکہ اور بندوں کو ہم زبان کر رکھا ہے کہ تینوں اس مبارک نام پر درود و سلام بھیجنے میں پیہم مصروف ہیں۔ ورنہ تینوں کے اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے مدارج ہیں۔ گویا یہی وہ حسن مجسم ہے جس کے انوار پر:

ع ہے شمع بھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے

اس پر مولانا کو اعتراض ہے کہ فیض کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے لکھا گیا ہے اور شمع کا لفظ کس کے لیے ثابت ہو رہا ہے؟ بات تو واضح ہے کہ یہ اسم محمد ﷺ کا فیض ہے کہ اس نے بندوں اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا ہم زبان بنا دیا ہے۔ بمصداق ان اللّٰہ و ملائکتہ...الخ رہ گئی بات شمع کی تو علامہ اقبال کا یہ شعر بات کو واضح تر کر رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

تو بر نخلے کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع یتیمے صورت پروانہ می آئی

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

۱۰۔ روئے رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں لکھا گیا یہ جملہ بھی انھیں کھلتا ہے، ''جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی کہ مشبہ بہ کا مشبہ سے برتر ہونا ضروری ہے مگر یہاں ہر مشبہ بہ بھی لایا جائے گا وہ آپ ﷺ کے حسن و جمال کے مقابلے میں فروتر ہوگا۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا حسن و جمال ہی ہر چیز کے حسن و جمال اور وقار کا سبب ہے۔ سارے حسن آپ کے حسن سے مستعار ہیں اس لیے اگر کوئی شاعر آپ ﷺ کی صفات کو بذریعہ تشبیہ بیان کرنے کے لیے جو مشبہ بہ بھی لائے گا وہ یقیناً آپ ﷺ کی صفات کے مقابلے میں فروتر ہوگا:

سخن شناس دلبرا خطا اینجا است

آخر میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کے مکتوب کے متعلق بہت سی باتیں ابھی کہنے کی باقی ہیں مگر طوالت کے خوف سے انھیں ترک کرتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو پروفیسر موصوف تک محدود رکھا ہے۔ کیوں کہ ''نعت رنگ'' بنیادی طور پر ''نعت رنگ'' ہے مناظرہ اور مجادلہ کا مقام نہیں۔ اس لیے مدیر ''نعت رنگ'' کے لیے ضروری ہے وہ وہی مضمون شائع کریں جو فکر و نظر کے اعتبار سے معتدل اور شرعی اصولوں پر پورے اُترتے ہوں۔ بطور مدیر ان کا فرضِ اوّلین یہ ہے کہ وہ کسی مضمون میں سے قابلِ اعتراض حصے حزف کر دیں۔ اگر ہوسکے تو رسالے کا مسودہ حضرت مولانا کو دکھا لیا کریں اور پھر شائع کریں تاکہ مولانا موصوف کا قیمتی وقت بچ جائے اور مقالہ نما خطوط کی تحریر کی زحمت سے بچ جائیں اور رسالے کا غالب حصہ فرقہ پرستی، مناظراتی کش مکش اور کفر و اسلام کی بحث سے محفوظ رہ سکے۔ قارئین بھی بے مزہ نہ ہوں اور مضمون نگار حضرات کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ مدیر کو اپنے فرائض پہچانتے ہوئے پروف ریڈنگ ٹھیک انداز سے کرانی چاہیے تاکہ اس کی غلطیاں بھی مضمون نگاروں کے کھاتے میں نہ ڈالی جاسکیں۔

''نعت رنگ'' کے قارئین میں ہر مکتبِ فکر کے لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا اسے مناظرہ، مجادلہ اور فرقہ پرستی کی نذر ہونے سے بچانا بھی مدیر کا فرضِ اوّلین ہے اور اگر وہ یہ نہیں کرسکتے تو پھر ادارت اور مشاورت کے سارے کام حضرت مولانا کے سپرد فرما کر آپ الگ ہوجائیں تاکہ حق، حق دار تک پہنچ جائے۔

سیّد ریاض حسین زیدی۔ ساہیوال

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ (مئی ۲۰۰۳ء) سو رنگ کی طرح مہکتا ہوا انگ انگ کو سرشار کرتا گیا۔ میں بلاشرط اس خوب صورت جریدے کی اشاعت پر آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ بلاشبہ:

یہ رُتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

دس عدد وقیع مقالہ جات نے نعت ﷺ کے اَن گنت چشم کشا پہلو ہمارے سامنے رکھ دیے ہیں۔ بالخصوص پروفیسر محمد اقبال جاوید کا نہایت جان دار مقالہ ''ظہورِ قدسی'' دلائل و براہین اور حوالہ جات کی وقعتوں کی وجہ سے لطف دے گیا۔ ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ معانی سے مالامال اور ایمانی مواد سے معطر ہے۔ محمد اقبال جاوید کی تحریریں مرصع نظموں کی طرح محظوظ کرتی ہیں... اُن کے ہاں تعصّبات اور فقہی موشگافیوں کی بھول بھلیاں نہیں ملتیں۔ وہ اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں اور قرآن و حدیث سے براہِ راست استفادہ کرتے ہوئے بے تعصب اور بے لاگ نتائج فکر مرتب کرتے جاتے ہیں۔ لیکن جناب مولانا کوکب نورانی توضیحات میں جیسے کسی مجلس مناظرہ سے خطاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ لٹھ باز خطبا کی طرح اپنے حریفوں کو چتھاڑنے، پیس ڈالنے اور انھیں رگید ڈالنے کا عزم بالجزم ہر لحہ مدِنظر رکھتے ہیں۔ وہ صفحہ ۴۰۲ سے نہایت برہم انداز میں حریفوں کو للکارتے اور روایتی دلیلوں کے اسلحہ کو چمکاتے اور ''دشمنوں'' کی آنکھوں کو خیرہ کرتے گزرتے جاتے ہیں۔ جو بھی اُن کے مسلک سے ذرا سا اِدھر اُدھر ہوتا نظر آتا ہے، وہ اُسے اُڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دیتے ہیں کہ اُس کا منہ ماتھا خاک میں رگڑتا اور حلیہ بگڑتا، چہرہ بدوضع ہوتا اور لہجہ مغموم و ملول ہوتا دیکھ کر اُن کا کلیجہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ وہ کتابوں کے پشتارے دائیں بائیں سجاتے ہیں اور روایتی مناظروں کی طرح نشان زدہ صفحات نکال نکال کر مخالفین کا ناطقہ بند کرتے جاتے ہیں۔ صفحہ ۴۰۲ سے صفحہ ۴۷۰ تک ایک ہی سُر اور ایک ہی راگنی الاپتے گئے ہیں لیکن یقین کیجیے، صفحہ ۴۷۰ پر پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی کہ مکتوب نگار نے تعصّبات کی بھٹی کو خوب دہکانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ میرے پلے چند نفرتوں کے نوکیلے پتھر آئے ہیں جو ملتِ اسلامیہ کے جسد کو جگہ جگہ زخمی کرتے اور زخموں کو کریدتے بلکہ

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

ادھیڑتے دکھائی دیے ہیں۔ کاش حضرتِ والا نعت جیسے صدق دلانہ، مومنانہ اور روحانی و وجدانی کیفیات کو دوچند کرنے والے موضوع پر محبت آمیز قلم اُٹھایا کریں اور بے جواز دلائل کے انبار در انبار لگا کر اپنے آپ کو کنویں کا مینڈک نہ بنایا کریں۔ الحمدللہ نعتوں کا انتخاب نہایت عمدہ ہے۔ ہر نعت پڑھ کر بے ساختہ سبحان اللہ کا کلمہ منھ سے ادا ہوتا گیا... حافظ یوسف سدیدی صاحبؒ کا ٹائٹل خطاطی، ماشاء اللہ پرچہ نورعلیٰ نور ہوگیا۔

رزاق افسر۔ بھارت

بحمداللہ بندہ بخیر اُمید کہ آپ اور جملہ اراکین ادارہ بعافیت ہوں گے۔ عرض یہ ہے کہ سہ ماہی ''اسباق'' پونہ تازہ شمارہ بابت جولائی تا دسمبر۲۰۰۲ء میں صفحہ۲۹ میں نعت ریسرچ سینٹر (رجسٹرڈ) کراچی کے قیام کی خبر پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ ایک مدت کے بعد دین کی دو اہم موضوعات یعنی حمد و نعت کی تحقیق اور اسی سلسلے کے دوسرے اہم اُمور انجام دینے کے لیے ایک باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں آیا ہے اور کئی ایک منصوبوں پر کام شروع ہو چکا ہے۔ اس احسن پیش رفت پر دلی مبارک باد عرض ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ ادارے کو مزید استحکام اور ٹھوس ترقی عطا کرے اور جس مشن پر کام شروع ہوا ہے۔ جلد سے جلد تکمیل کو پہنچے، آمین۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میں بھی اردو شعر ادب سے وابستہ ہوں اور اپنے شہر میں اردو ادب کے فروغ کے لیے مقدور بھر ممکنہ خدمات تقریباً پینتیس سالوں سے کرتا آیا ہوں اسی ناتے اربابِ ادب سے رابطے بھی بحال ہوئے۔ پچھلے سترہ سالوں سے بینائی کی غیرمعمولی خرابی میں مبتلا ہوں۔ طویل علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا لیکن بفضلِ تعالیٰ فکر و قلم دونوں رواں دواں ہیں۔ تخلیقی عمل جاری ہے۔ ملک اور بیرونِ ملک سے شائع ہونے والے چھیالیس ادبی رسائل اور بیالیس اخبارات میں اشاعت کے سلسلے بحال ہیں۔ رسائل و اخبارات میں تقریباً ۱۶۰۰ تخلیقات شائع ہوچکے ہیں۔ تین شعری مجموعے (۱) ''آبشار'' فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے مالی اشتراک سے ۱۹۸۱ء۔ (۲) حمد و نعت اور مناقب پرمشتمل دوسرا شعری مجموعہ ''اعتراف'' سال۱۹۹۰ء اور (۳) غزلوں پرمشتمل ''شب چراغ'' دونوں کرناٹک اردو اکیڈمی کے مالی اشتراک شائع ہوئے ابھی آٹھ مسودے اشاعت کے منتظر میز پر دھرے ہوئے ہیں۔ اس خط کے ساتھ چند غیرمطبوعہ حمد و نعت کی نقول اور دوسرا شعری مجموعہ ''اعتراف'' دونوں آپ کے نام

میرے ایک عزیز کی معرفت جو دبئی میں مقیم ہیں آپ کے نام بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ ڈاک ملتے ہی جواب سے شادکام فرمائیں گے۔

حمد، نعت، مناقب، غزل، پابند نظم، آزاد نظم، مختصر نظمیں، مطالعاتی نظمیں، قطعات، ثلاثی، ماہیے، مرحومین کے نام نوحے، جس میں تاریخ گوئی بھی شامل ہے ہر طبع آزمائی کا سلسلہ بحال ہے۔ ماہنامہ ''نقوش'' لاہور کے خصوصی مرحوم محمد طفیل نمبر کی دوسری جلد میں موصوف مرحوم کی رحلت پر لکھی ہوئی نظم آپ دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت ٹیپوسلطان شہیدؒ کے ہر سالہ عرس میں دو تین منظوماتِ عقیدت لکھتا رہا ہوں اور یہ سلسلہ تقریباً ۲۸/سال سے جاری ہے۔ موصوف شہیدؒ کے نام لاہور اور کراچی سے شائع ہونے والی کتابوں میں تین چار نظمیں شامل ہیں۔ ادارہ بزمِ اردو میسور کا بانی رکن اور ۳۳ سالوں سے اس ادارے کا مستقل سکریٹری ہوں۔ اُمید ہے کہ فوری جواب سے شادکام فرمائیں گے۔ آپ کے ادارے کے کاموں میں ممکنہ قلمی تعاون مجھ سے ہمیشہ ملے گا۔ ان شاء اللہ، اسی سلسلے میں چند ضروری باتیں درجِ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت امیر مینائیؒ اور علامہ منور بدایونی اور مولانا ضیاء القادری۔ احمد رضا خان بریلوی اور احسن مارہروی کے نعتیہ دیوان ضرور حاصل کریں اور آزادی سے بہت پہلے نعت کے دو انتخاب شائع ہوئے تھے۔ جن کا نام مدحیہ کلام حصہ اوّل اور حصہ دوم جن میں کئی نعت گو شعرا اکٹھے ملیں گے۔

۲۔ مرحوم امجد حیدر آبادی کی رباعیات کا دیوان۔

۳۔ شہرِ بنگلور کرناٹک کے متوطن مرحوم علامہ عبدالحئ احقر کا نعتیہ دیوان اور سیرت پر لکھی ہوئی ضخیم کتاب ''جنان السیر'' جو ۳۲۰۰۰ شعروں پر مشتمل ہے اور پچھلی ایک صدی سے اس کے ایڈیشن ہر تین چار سال میں ایک شائع ہوتا رہتا ہے۔ موصوف مرحوم کی ڈیڑھ سو کتابیں شائع ہوئی جن کا تعلق دین سے ہے۔

۴۔ عربی قصیدہ بردہ شریف مصنفہ حضرت سیّدنا شرف الدین امام بوصیری متوطن مصر کا اردو مقفیٰ ترجمہ مرحوم محمد حسین عارف جو کشمیر ہائی کورٹ کے جج نے بہت اچھا کیا ہے جو ۱۹۸۶ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، ضرور حاصل کریں۔

جملہ اراکینِ ادارہ کو سلام و نیاز۔ دعاؤں میں یاد رکھیں، جواب سے شادکام فرمائیں۔

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

حافظ عبدالغفار حافظ۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا پندرھواں شمارہ نظر نواز ہوا۔ اس مرتبہ بھی پروف کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ جو کام ایک ادارہ کو کرنا چاہیے وہ آپ تنِ تنہا انجام دے رہے ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ مستقبل کے مؤرّخ کے لیے قیمتی حوالہ ثابت ہوگا۔ لہٰذا اس سلسلے میں کوئی ایسا ٹھوس قدم اُٹھائیے کہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہوجائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں آپ کو بہ حسن و خوبی خدمت لوح وقلم انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محترم مولانا کوکب نورانی صاحب کا خط حسبِ معمول طویل اور معلومات افزا ہے۔ موصوف جس طرح حقائق کا دفاع کر رہے ہیں وہ لائقِ تحسین ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جن لوگوں سے جواب نہیں بن پڑتا وہ مسلکی اجارہ داری کا الزام لگا دیتے ہیں۔ معلوم نہیں ان لوگوں کے نزدیک ناموسِ علما کی زیادہ اہمیت ہے یا ناموسِ رسالت ﷺ کی۔ ایک سلجھے ہوئے آدمی کے لیے ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ حقائق تسلیم کرکے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کرے مگر یہاں معاملہ برعکس ہے اور بیشتر حضرات مخالفت برائے مخالفت پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔ بس دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں حقائق تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

زیرِنظر شمارہ کے مندرجات جو تسامحات نظر آتے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کے مضمون میں صفحہ۳۶ پر زکی کیفی صاحب کے اشعار میں مصرع ''دامنِ شرف و نام کی بکھری ہوئی تھی دھجیاں'' بحر سے خارج ہے کیوں کہ لفظ ''شرف'' میں ''ر'' متحرک ہوتی ہے جب کہ مصرع میں ''ر'' پر سکون ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب نے اپنے مضمون میں صفحہ نمبر۹۳ پر صابر براری صاحب کے دو اشعار درج کیے ہیں۔ ان میں پہلے شعر کا پہلا مصرع لفظ ''الم نشرح'' میں ''ح'' ساقط ہونے کی وجہ سے بحر سے خارج ہوگیا ہے۔ اس مضمون میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قطعہ میں دوسرا مصرع غلط کمپوز ہوگیا ہے۔ صحیح مصرع یوں ہے، ''**من وجھک المنیر لقد نور القمر**'' پروفیسر صاحب موصوف نے صفحہ نمبر۷۵ پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کے اشعار کی تعداد ''قریباً ایک سو ستر'' ہے۔ اسی طرح عاصی کرنالی صاحب نے اپنے

مضمون میں یہ تعداد ۱۶۸ لکھی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس شہرۂ آفاق سلام میں پورے ۱۷۱ اشعر ہیں۔ (نہ کم نہ زیادہ) صفحہ نمبر۸۰ پر ضیاء القادری مرحوم کے تیسرے شعر کا پہلا مصرع بھی غلط کمپوز ہوا ہے۔

صفحہ نمبر۱۷۷ پر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے طبیب حاذق کی طرح صحیح نباضی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو تجویز پیش ہے کہ وہ قابل قدر ہے۔

پروفیسر شفقت رضوی صاحب نے رسالہ ''شام و سحر'' کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ ان کے مضمون میں صفحہ۲۸۳ پر علامہ اقبال کے شعر کا دوسرا مصرع غلط ہے۔ اصل مصرع یوں ہے، ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''

صفحہ نمبر۳۶۹ پر صہبا اختر صاحب کی نعتیہ نظم ہے۔ اس کے پانچویں بند کے دوسرے مصرعے میں انھوں نے ''المزمل'' اور ''المدثر'' کو غلط طور پر باندھا ہے۔ المزمل میں ''ز'' پر اور المدثر میں ''د'' پر تشدید ہونی چاہیے۔

صفحہ ۳۷۵ پر سیّد محمد طلحہ برق صاحب کے نعت میں ساتویں شعر کا دوسرا مصرع ہے، ''تمھاری حاضری و ناظری جب کہ عطائی ہے''۔ لفظ ''کہ'' تقطیع میں ایک حرفی شمار ہوتا ہے۔ مگر یہاں دو حرفی استعمال ہونے کی وجہ سے مصرع بحر سے خارج ہوگیا ہے۔

صفحہ ۳۷۶ پر سیّد شمیم احمد گوہر صاحب کی نعت ہے۔ اس کے پانچویں شعر کا دوسرا مصرع ہے ''قرآں کو دیکھا گویا ہے دیدار آپ کا'' یہاں ''دیکھا'' کی جگہ ''دیکھنا'' چاہیے تھا۔

صفحہ۳۷۸ پر سیّد ریاض حسین زیدی صاحب کا کلام ہے۔ اس میں دوسرا شعر ہے:

نگاہِ دل سے دیکھو راہ ان کی
قسم ہے یہ خدا کی رہ گزر ہے

یہاں ''خدا کی رہ گزر'' والی بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس نعت کے چوتھے شعر کا دوسرا مصرع ہے ''مری کعبوں کے کعبہ پر نظر ہے''۔ یہاں کعبہ کی جمع کا استعمال میرے خیال میں شرعی طور پر نامناسب ہے۔

D:NaatRang-6
File: Khutoot
Final

صفحہ نمبر۳۸۱ پر سیّد نظیر حسین عابدی صاحب کی نعت ہے۔ اس کے دوسرے شعر کا مصرع ثانی بحر سے خارج ہے کیوں کہ لفظ ''نہ'' تقطیع میں ایک حرفی شمار ہوتا ہے۔ لیکن انھوں نے دو حرفی

استعمال کیا ہے۔ چھٹے شعر میں ''وحی'' کا تلفظ غلط ہے۔ اس لفظ میں حائے حطی پر جزم ہوتا ہے۔ مقطع کے پہلے مصرع میں ''میری'' کی جگہ ''مری'' ہونا چاہیے مگر یہ کمپوزنگ کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس قسم کی غلطیاں اس شمارے میں بہت ہیں۔ مقطع کے دوسرے مصرع میں ''نظیر عابدی'' کی ''ع'' ساقط ہے۔

صفحہ نمبر ٣٨۵ پر جمال نقوی صاحب نے چھٹے شعر میں لفظ ''قرآن'' فعول کے وزن پر باندھنا ہے۔ جب کہ یہ مفعول کے وزن پر ہونا چاہیے۔

صفحہ ٣٨٦ پر افضال احمد انور صاحب نے دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں قافیہ ''مدح کناں'' استعمال کیا ہے جو کہ جمع ہے جب کہ یہاں واحد کا تقاضا تھا۔

صفحہ ٣٨٩ پر مقصود احمد تبسم صاحب کا کلام ہے۔ انھوں نے بالکل نئی زمین تراشی ہے جو مجھے بہت پسند آئی لیکن نویں شعر میں انھوں نے لفظ ''زیادہ'' فعلن کے وزن پر باندھا ہے جو کہ غلط ہے۔ اس کی وجہ سے مصرع خارج از بحر ہوگیا۔ یہ لفظ فعولن کے وزن پر ہونا چاہیے۔

صفحہ ٣٩٢ پر شاہد نعیم صاحب کے مقطع میں ایک ستم ہے۔ دوسرے مصرع میں ''مرے دل میں'' کی جگہ ''اس کے دل میں'' ہونا چاہیے۔ یہ مصرع یوں ہوسکتا ہے۔ ''اس کے دل میں کر دیے روشن محبت کے چراغ''۔

ڈاکٹر شمیم احمد گوہر صاحب اپنے خط میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مصرع ''اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے'' کے متعلق فرماتے ہیں:

> یہ پورا مصرع ہی غلط نقل کیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بے بحر مصرع کا وزن تک بتاتے ہوئے اس کی تقطیع بھی کر دی گئی۔ فعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن۔ حالاں کہ مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔ ''اے بے کسوں کے آقا اب ہے تری دہائی''۔ اس کی بحر مضارع مثمن اخرب کے تحت مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ہے اور رول مثمن مشکول کے تحت فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن ہے۔

سبحان اللہ، کیا کہنے، قربان جایئے اس عروض دانی کے۔ محترم گوہر صاحب نے جو دو بحریں رقم فرمائی ہیں ان میں مؤخرالذکر بحر کا تو اعلیٰ حضرت کے مصرع سے کوئی تعلق بنتا ہی نہیں۔ رہی اوّل الذکر بحر تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اعلیٰ حضرت کی یہ نعت مفعول مفاعیلن

مفعول مفاعیلن کے وزن پر ہی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مذکورہ مصرع کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ مزید تسلی کے لیے ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۱۲ میں صفحہ نمبر۱۳۷ پر ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون ''اشعارِ نعت اعتراضات کی حقیقت'' اور راقم الحروف کے خط کے مندرجات کا مطالعہ فرمائیں۔ میں نے اپنے مذکورہ خط میں میرتقی میر اور فانی بدایونی کے اس قسم کے اشعار بطورِ حوالہ درج کیے ہیں۔

صفحہ نمبر۴۷۸ پر احمد صغیر صدیقی صاحب اعلیٰ حضرت کا ایک شعر اور۳ متفرق مصرعے لکھ کر فرماتے ہیں، ''دی ہوئی مثالیں شعریت کی صفت کو اُجاگر کرنے والی نہیں بلکہ مجروح کرنے والی ہیں۔'' صدیقی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ان میں شعریت کی کون سی صفت مجروح ہوئی۔

صفحہ نمبر۴۸۰ پر محترم پروفیسر قیصر نجفی صاحب نے میرتقی میر سے منسوب ایک ایک روایت کا ذکر کیا ہے مگر اس کی حیثیت من گھڑت افسانے سے زیادہ نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدائے سخن کا مصرع بحر میں ہے اور ''خیال'' کی ''ی'' گرنے کا خیال ہی دل سے نکال دینا چاہیے بلکہ اس کی جگہ ''ہی'' کی ''ی'' گرائیں میر کی یہ غزل جس بحر میں ہے اس کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع / فاع

اس بحر میں زحافات بہت ہیں جن کے استعمال کے بعد شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی:

فاع عشق	فعول برے ہی	فعول خیال	فعولن پڑا ہے	فاع چین	فعولن گیا آ	فاع رام	فعل گیا
فعلن دل کا	فعلن جانا	فاع ٹھہر	فعولن گیا ہے	فاع صبح	فعولن گیا یا	فاع شام	فعل گیا

پروفیسر نجفی صاحب نے صفحہ۴۸۲ پر لفظ ''آذر'' کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ ''آذر'' (''ذ'' کے ساتھ) کے معنی چنگاری یا آگ کے ہیں جب کہ لفظ ''آزر'' (''ز'' کے ساتھ) اسمِ معرفہ ہے اور یہ وہی تاریخی کردار ہے جس کا ذکر حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آتا ہے۔ ملاحظہ ہو، قرآن مجید کا ساتواں پارہ (سورۂ انعام کی آیت نمبر۷۵)۔

مجید فکری۔ کراچی

اس وقت ''نعت رنگ'' کا پندرھواں شمارہ زیرِنظر ہے جس کی ابتدا حمدِ باری تعالیٰ (احمد صغیر صدیقی) سے کی گئی ہے۔ ابتدائیہ میں آپ نے خود اس شمارے میں شامل شرکا اہلِ قلم کا تعارف اور ان کی نگارشات پر رنگارنگ تبصرہ پیش کر دیا ہے جو غالباً آپ کی ادارتی ذمہ داری کا حصہ ہے۔ لیکن میں اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ بعض نعت گو شعرا نے نعت لکھنے سے زیادہ تنقیدِ نعت پر زیادہ توجہ دینا شروع کر دیا ہے اور جس طرح کہا جاتا ہے کہ ایک بگڑا ہوا شاعر مرثیہ نگار بن جاتا ہے میں یہ کہوں گا کہ بگڑے ہوئے بھٹکے ہوئے نعت گو شعرا تنقید نگار نعت بنتے جا رہے ہیں، مثلاً احمد صغیر صدیقی صاحب، پروفیسر شفقت رضوی صاحب اور شارق جمال صاحب جو غالباً نعتیں کم لکھتے ہیں اور نعت پر اور نعت گو شعرا پر تنقیدیں زیادہ کرتے ہیں۔ معاف کیجیے میں نے ان حضرات کے اسمائے گرامی ذاتی پرخاص یا ذاتی دشمنی یا عناد کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے تنقیدی مضامین اور خطوط میں شامل ان کے تنقیدی اظہار سے اخذ کیے ہیں۔

احمد صغیر صدیقی صاحب جو نعتِ رسول ﷺ کی بابت شعرائے کرام کو محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو ان کے خط سے ایک مختصر پیراگراف جو انھوں نے مولانا کوکب نورانی کی اصلاحِ احوال سے متعلق رقم کیا ہے اور خاص کر مذہب کو ہدفِ تنقید بنانے میں بھی گریز نہیں کیا۔ فرماتے ہیں، ''میں تو خوف زدہ ہوکر اب مذہب کو پڑھ ہی نہیں رہا ہوں۔ پس جتنا پڑھ لیا اسی نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ میں اب اپنے مذہب کی چند موٹی موٹی باتوں تک محدود رہتا ہوں۔ نماز، روزہ، حج تک محدود رہنا ہی اچھا ہے۔''

گویا موصوف دیگر ارکان کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے! یعنی کلمہ طیبہ کا اقرار اور زکوٰۃ سے انحراف بھی کرتے ہیں... اب ان صاحب کو کون سمجھائے کہ بھائی! آپ خود بھی مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کا مذہب ظاہر ہے اسلام ہی ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ اسی مذہب نے آپ کا دماغ خراب کر دیا ہے تو اب آپ ہی بتائیے کہ بھلا آپ خراب دماغ کے ساتھ کس طرح اچھے برے میں تمیز کر پائیں گے؟

مجھے ان صاحبان سے متعلق حافظ عبدالغفار حافظ کا خط جو پیشِ نظر شمارے میں شامل ہے بہت پسند آیا جس میں انھوں نے مذکورہ حضرات کے اعتراضات کے بڑے معقول جوابات

لکھے ہیں اور بعض مشاہیر اہلِ قلم اور مسلم الثبوت اساتذۂ سخن کی آرا کے حوالے سے کچھ دلائل بھی دیے ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کو یہ خط بغور پڑھنا چاہیے اور اپنا خود محاسبہ کرنا چاہیے کہ وہ محض تنقید برائے تنقید کی بجائے تنقید برائے اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ مجھے تو بعض تنقیدیں پڑھ کر ان میں تعصب تک کی بو نظر آتی ہے۔

نقاد بن گئے ہیں مگر شاعرانِ عصر
کرتے نہیں ہیں فن کی کوئی بات آج کل

''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۵ میں شامل سب سے پہلا مضمون ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا تحریر کردہ ہے جو ان کی ماضی کی یادداشتوں پر مشتمل ایک ایسا معلوماتی مضمون میں ہے جس میں ہمیں عہدِ ماضی میں نعت اور نعت گو شعرا کے ادبی شعور اور محبتِ رسول ﷺ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ماضی میں لکھی جانے والی نعتوں کا فاضل مضمون نگار کے ذہن میں رچ بس جانا اور ان کے ذہن میں ابھی تک گونجنا اس بات کی کامل دلیل ہے کہ ماضی میں نعت پر جو کچھ کام ہو چکا ہے وہ عصرِ حاضر کے نعتیہ ادب والے کام سے کسی طور پر کم یا ناکافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں لکھی جانے والی نعتیں، حمدیں اور سلام اب تک زبانِ زد خاص و عام ہیں۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ظہورِ قدسی کا جو پسِ منظر بیان کیا ہے اور اس ضمن میں اردو نعت کے جو حوالے دیے ہیں اس سلسلے میں کچھ اور بھی شعرا کے نعتیہ کلام کو پیش کیا جاسکتا تھا۔ ان کے مضمون کے اختصار سے ان کا مضمون ذرا تشنہ سا محسوس ہوا۔ البتہ نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری کے عنوان سے ڈاکٹر عاصی کرنالی کا مقالہ ایک جامع اور مدلل تحریر ہے۔ جب کہ اسی موضوع سے مماثلت رکھتا ہوا راجا رشید محمود صاحب کا مضمون بعنوان ''منظوم سراپائے حضور ﷺ'' ایک اچھی کوشش ہے۔

''اردو میں منظوم سیرت نگاری'' کا جائزہ منصور ملتانی صاحب نے پیش کیا ہے۔ جو ایک قابلِ قدر تجزیہ ہے اور اس کے لیے منصور ملتانی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

''مطالعاتِ نعت'' کے باب میں سب سے اوّلین اور خصوصی تحریر جو بظاہر ایک جائزہ پر مشتمل ہے وہ ہے ''برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری'' اس کے خالق ہیں پروفیسر علی محسن صدیقی، یہ ایک معلومات اور تاریخی مطالعۂ نعت کے حوالے سے بہترین تجزیہ ہے جس کے مطالعے سے واقعی برصغیر پاک و ہند کے نعت گو شعرا اور ان کی کاوشوں کا پتا چلتا ہے اور نعتیہ

شاعری کا مختلف ادوار مثلاً مغلیہ دور میں نعتیہ شاعری کس نہج پر تھی نیز مغلیہ بادشاہوں نے اس شعری ادب سے کس طور پر تعاون کیا وغیرہ وغیرہ معلومات افزا باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میرا مشورہ اگر درخورِ اعتنا سمجھا جائے تو پروفیسر صاحب کی تحریروں سے ''نعت رنگ'' کے قارئین کو ضرور مستفیض کیا جائے۔

عزیزاحسن صاحب کا چند منتخب نعتیہ کتب پر تبصرہ بھی لائقِ تحسین ہے۔

حسنِ اتفاق ہے کہ عربی نعتیہ شاعری کے تجزیہ کے فوراً بعد ہی فارسی حمد و نعت کا تجزیہ اور تعارف پروفیسر شفقت رضوی نے پیش کیا ہے جوکہ پروفیسر عاصی کرنالی کے پی ایچ۔ ڈی کے ایک مقالے سے متعلق ہے۔ یہ سیرِ حاصل تبصرہ بڑا جامع اور ٹھوس ہے۔ یقین جانیے، پروفیسر شفقت رضوی نے اپنے اس تجزیاتی اور تعارفی مضمون میں اتنے بھلے اور ایک غیرجانب دارانہ ناقد کی حیثیت سے عاصی کرنالی کی تعریف کی ہے کہ یقین ہی نہیں آتا کہ وہ تنقید کے بھی قائل ہیں۔

صبیح رحمانی صاحب ایک بات آپ سے بھی عرض کرنی ہے کہ آپ نے تنقیدِ نعت کے گوشے کو ہوا دے کر بعض ناقدینِ نعت کو اس قدر اُکسایا ہے کہ وہ دن رات نعتیہ شعری ادب خصوصاً نعت کی تنقید پر کمر کس کے بیٹھ گئے ہیں اور بے شمار خطوط اور مضامین نعت کی تنقید پر لکھ رہے ہیں اور اسطرح اس گوشے کو فروغ حاصل ہو رہا ہے کہ نعت گو شعرا نے نعتیں لکھنے کی بجائے نعت پر تنقیدیں لکھنا شروع کر دی ہیں۔

میرے خیال میں ''نعت رنگ'' کا اجرا محض تنقیدِ نعت لکھنے کے لیے نہیں بلکہ نعت اور نعتیہ شعری ادب کو فروغ دینے، نعت گو شعرا کی ہمت افزائی کرنے اور جدید نعت نگاری کی طرف توجہ مرکوز کرانا تھا اور یہ مقصد کسی حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے بلکہ ''نعت رنگ'' کے گزشتہ ۱۵ شمارے اس بات کا بین ثبوت ہیں اور اس بات کے غماض ہیں کہ ان شماروں میں معیاری نعتیہ ادب اور نعتیہ شاعری شائع ہوئی ہے جسے برصغیر پاک و ہند میں بلکہ دنیا بھر میں قابلِ قدر کارنامے کے طور پر سراہا گیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ذکرِ پاک، اُن کے اوصافِ حمیدہ کا نمایاں اظہار نئے نئے موضوعات اور اُچھوتا اندازِ تحریر، نعت نگاری پر تحقیقی اور تخلیقی مقالے اور تاریخی مضامین اور نعتیہ شعر ادب کے بعض چھپے ہوئے گوشوں سے پردہ چاکی اور بے شمار قدیم کتب کے حوالہ جات کیا

اس بات کا واضح ثبوت نہیں ہیں کہ ''نعت رنگ'' کی وساطت سے آپ نے اللہ کے سب سے محبوب بندے اور رسول ﷺ کے بارے میں ایک ایسے باب کو وا کر دیا ہے جس سے شیدائیانِ رسول ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ ''نعت رنگ'' ایک دینی نصاب کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اکتساب و فیض ہم سب پر لازم ہے۔ یہ ایک روشنی کا سفر ہے جس میں آپ نے ہم سب کو شامل کر لیا ہے۔ ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

نعت رنگ کے نصابِ دینی سے
کسبِ علم و ہنر کیا ہم نے
روشنی کی تلاش تھی ہم کو
روشنی میں سفر کیا ہم نے
(فکری)

اب آیئے ذرا ''نعت رنگ'' میں شامل خطوط کی طرف، ''نعت رنگ'' میں شامل خطوط کا حصہ کافی طویل ہوتا جا رہا ہے بلکہ بعض خطوط تو اتنی طوالت اختیار کیے ہوئے ہیں کہ اچھے خاصے مضامین معلوم ہوتے ہیں۔ حالاں کہ یہ شعبہ ''نعت رنگ'' میں شامل مواد سے متعلق مختصر اظہارِ خیال، ہلکے پھلکے تبصروں کے لیے مختص ہونا چاہیے بلکہ پہلے کبھی تھا مگر یاروں نے اسے بھی محض تنقید کا میدان کارزار بنا دیا ہے بلکہ بعض خطوط تو ۵۰۔۶۰ صفحات سے بھی تجاوز کر گئے ہیں اور ان خطوط میں ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے یا پھر علمیت اور قابلیت کا رُعب جھاڑنے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔

صبیح رحمانی صاحب! میں آپ کی صبر و استقامت اور درگزر کی داد دیتا ہوں کہ آپ یہ سب کچھ برداشت کر رہے ہیں اور زباں پر حرفِ شکایت تو کیا خود پر بھی بے جا تنقید گوارا کرتے ہیں۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ ''نعت رنگ'' کی اشاعتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا اور قابلِ اشاعت مواد کو منتخب کرنا، پریس کے طباعتی مراحل اور اشتہارات کی حصولی جیسے صبر آزما حالات و مراحل کس قدر کٹھن جگرکاری اور محنت و مشقت طلب ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی آپ ماتھے پر بل نہیں لاتے اور دوستوں کے مخالفانہ رویے کو برداشت کرتے ہیں۔ خداوندِ تعالیٰ آپ کو مزید صبر و استقامت بخشے۔ آمین ثمہ آمین

پروفیسر فیض رسول فیضان۔ گوجرانوالہ

نعت کی اشاعت کے لیے سراپا سپاس اور شکرگزار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ ''نعت رنگ'' کے ذریعے نعتیہ ادب کے فنی معیارات کو جن بلندیوں سے ہم کنار کرنے کی مساعیِ جمیلہ فرما رہے ہیں اُس کا کماحقہ اجرِ جمیل تو آپ کو بارگاہِ خداوندی (عزوجل) ہی سے عطا ہوگا تاہم اس دنیا میں بھی خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی، مذہبی اور اسلام پسند حلقوں کی طرف آپ کے لیے جو نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند ہو رہے ہیں آپ اور آپ کے جملہ رفقائے تدوین و ادارت اُن کے بجا طور پر مستحق اور سزاوار ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ نعت گوئی کے باب میں شرعی اعتبار سے بعض بے جا تحفظات رکھنے والے مکاتبِ فکر کو اتنی بھی کھلی چھوٹ نہ دے دی جائے کہ وہ فن و ادب کی آڑ میں امتناعِ نعت کی شاہراہِ مذموم پر کھل کھیلنا شروع کر دیں۔

مزید کیا عرض کروں؟ مخدومی محمد اکرم رضا اور قبلہ گاہی محمد کوکب نورانی اوکاڑوی کو رسالت مآب ﷺ کے عشق و عقیدت میں رچی بسی ایمان افروز اور باطل سوز تحریر میں سپردِ قلم کرنے پر ''نعت رنگ'' کی وساطت سے تبریک و تشکر کے گلہائے شاداب پیش کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ایک نعتِ پاک اور سلام نیازمندانہ پیش خدمت کرتے ہوئے اور آپ کے خامہ و گلو کے لیے مزید خیر و برکت کی دعائیں مانگتے اجازت چاہتا۔

مقصود احمد تبسم۔ دبئ

مدحتِ مقصود کائنات لکھنا، پڑھنا سننا، اور اس میں گم رہنا یہ سب خوش بختی اور نعمت ہے۔ نعت رنگ کے شماروں کا ایک عرصے سے مطالعہ کر رہا ہوں مئی ۲۰۰۳ء کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ اس میں پہلی بار مجھ جیسے کم علم کی لکھی ہوئی نعت شائع ہوئی تو قرطاسِ ذہن پر ایک سوال ابھرا کہ آیا نعتِ سرور کا مقام بلند ہے یا شاعر کا؟ وجدان نے جواب دیا جس صاحبِ عز و علا کی نعت لکھتے ہو اس سے بڑھ کر عالی مرتبت اور کون ہے؟ جو بعد از خدا سب سے زیادہ

بزرگ اور عظیم و برتر ہے اس کی شان میں لکھی جانے والی نعت پہلے افضل ہے شاعر بعد میں۔ حقیقت کیا ہے؟ دراصل نعت افضل ہے۔ اور نعت لکھنے کا صدقہ، لکھنے والے کا بھی نام ہوجاتا ہے۔''نعت رنگ'' کے شماروں میں نعت کے اوپر درمیان میں جہاں نعتیہ اشعار کا کوئی عنوان درج ہونا چاہیے یا مدحتِ سرورِ کائنات یا نعتِ رسولِ مقبول ﷺ لکھا جانا چاہیے، وہاں سب سے اوپر نعت پر شاعر کا نام جلی حروف میں لکھا جاتا ہے اور نعت کا عنوان یا تو لکھا ہی نہیں جاتا یا پھر شاعر کے نام کے نیچے۔ جیسا کے مجھ ناچیز کا نام مقصود احمد تبسم موٹے حروف میں سب سے اوپر لکھا گیا ہے اور نعت کا عنوان نعلین محمد اور درود شریف ﷺ چھوٹے سے حروف میں میرے نام کے نیچے لکھا گیا ہے۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ نعت شریف کے اوپر درمیان میں نعت کا عنوان یا نعت شریف یا مدحت سرورِ کونین یا اسی نعت کا کوئی خوب صورت مصرع بطور عنوان لکھ دیا جائے اور شاعر کا نام نعت شریف کے آخر میں نیچے لکھا جائے یا کم از کم عنوان کے بائیں جانب تھوڑا نیچے لکھا جائے۔ چوں کہ ''نعت رنگ'' میں نعت اور اس کے ادب کے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، یہ پہلو بھی ایک ادب اور عقیدت کا پہلو ہے۔ امید ہے آپ توجہ فرمائیں گے۔

محمد علی صدیقی۔ بھارت

بہ ہزار دِقت کبھی کبھی ''نعت رنگ'' کے شمارے مل جاتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں شامل تمام مواد جس میں نعت پر تحقیقی مقالے، نعت کی تواریخ، نعت کی اہمیت و افادیت، اس کا دینی و روحانی پس منظر، حوالہ جات اور فنی ضروریات پر مبنی مضامین یقیناً آپ کی سعی جمیلہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایسا پُرمغز جریدہ شائع کرنے کے لیے میری مبارک باد قبول کریں۔ یہ ایک اہم دینی اور ادبی کام بے التفاتی کا شکار تھا جس کی طرف آپ نے توجہ دی اور ''نعت'' کو اردو ادب میں ایک صنف کی حیثیت دلانے میں آپ کی کوشش ان شاء اللہ ضرور اثر پذیر ہوگی۔ اپنی تمام دیدہ زیبی، ادبی اور علمی معیار رکھنے کے علاوہ آپ کا جریدہ اس لیے بھی اہم ہے کہ رسول مکرم ﷺ کے وہ شیدائی جو اپنے مخصوص ڈھنگ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، ان سب کو ایک کڑی میں جوڑتا ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے حبیب کے صدقے میں آپ کی کاوش کو قبولیت عطا کرے اور آپ کو مزید کامیابیوں سے ہم کنار کرے۔ آمین

مزید عرض ہے کہ حقیر اپنی نعتوں کا مجموعہ بہ عنوان ''الصلوٰۃ والسلام'' کی دو جلدیں

آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہے۔ جیسا ہے جو کچھ ہے آپ کے سامنے ہے۔ آپ سے اس پر "نعت رنگ" میں تبصرے کی گزارش ہے۔ اُمید ہے کہ میری گزارش قبول فرما کر "نعت رنگ" کی قریب ترین اشاعت میں شامل کریں گے۔ اس عنایت کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں گا۔ جس شمارے میں آپ تبصرہ شائع کریں اس کی صرف اطلاع بذریعہ خط مجھے دینے کی زحمت کیجیے گا۔ میں کسی ذریعے سے شمارہ حاصل کرلوں گا۔ شکریہ

”نعت ریسرچ سینٹر“ کو موصول ہونے والی کتب

﴿ادارہ کتب ارسال کرنے والوں کا شکر گزار ہے﴾

پروفیسر محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

کتاب	مصنف/ مرتب	ناشر
مفیض (حمد نمبر)	محمد اقبال نجمی	فروغِ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
مرکزِ تجلیات (تذکرہ)	محمد اکرم رضا	عباسی پبلی کیشنز، گوجرانوالہ
مہک (ادبی مجلّہ)	محمد اکرم رضا	گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی (کینیڈا)

کتاب	مصنف/ مرتب	ناشر
اوجِ عرش (نعتیہ مجموعہ عکسی)	اوج یعقوبی	الیاس ٹریڈرس، حیدرآباد دکن
زرِ خالص (نعتوں کا انتخاب)	شہاب کاظمی	مسلم فاؤنڈیشن آف نارتھ امریکا

محمد عارفین خان (کراچی)

کتاب	مصنف/ مرتب	ناشر
مجلّہ عشقِ حسانؓ	محمد عارفین خان	فروغِ عشقِ حسانؓ نعت کونسل، کراچی
سرچشمۂ حمد (حمدیہ مجموعہ)	سائرہ حمید تشنہ	اسلامک بک ویژن
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ اوّل)	سائرہ حمید تشنہ	اظہار سنز پرنٹرز، لاہور
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ دوم)	سائرہ حمید تشنہ	اظہار سنز پرنٹرز، لاہور
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ سوم)	سائرہ حمید تشنہ	عمران بک اسٹال، لاہور
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ چہارم)	سائرہ حمید تشنہ	ادارہ منشوراتِ اسلامی، لاہور

رزاق افسر (میسور۔ بھارت)

کتاب	مصنف/ مرتب	ناشر
اعتراف (مجموعہ حمد، نعت، مناقب)	رزاق افسر	بزم اردو، میسور، بھارت
آبشار (حمد، نعت، مناقب)	رزاق افسر	بزم اردو، میسور، بھارت

محمد زکریا شیخ الاشرفی (کراچی)

سلام بدرگاہِ خیرالانام	محمد ابرار حسین	مسرور کیفی نعت اکیڈمی، کراچی
جذباتِ حامد (جلد اوّل) (حمد، نعت، مناقب)	مولانا محمد عبدالحامد بدایونیؒ	محمد شاہد عامر قادری، کراچی
اک دعا پراثر ہوگئی	کاظم حسین کاظمی	دارالاخلاص، ریلوے روڈ، لاہور

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)

الخطیب شمارہ۔۱ (عالمی سنی ڈائریکٹری)	مولانا کوکب نورانی	مولانا اوکاڑوی اکادمی، کراچی

محمد حنیف نازش قادری (کاموکے)

آبرو (مجموعۂ نعت)	محمد حنیف نازش قادری	ایوانِ شعر و ادب کاموکے

محمد عبدالرحمٰن صدیقی (جاپان)

جستجوئے نعت (مجموعۂ نعت)	محمد عبدالرحمٰن صدیقی	انٹرنیشنل مسلم سینٹر، جاپان

فہیم ردولوی (کراچی)

آہنگ اذاں (مجموعۂ نعت)	فہیم ردولوی	رہبر پبلشرز، اردو بازار، کراچی

گوہر ملسیانی (صادق آباد)

جذباتِ شوق (مجموعۂ نعت)	گوہر ملسیانی	گوہر ادب، پبلی کیشنز، صادق آباد

آفتاب کریمی (کراچی)

سفیرِ نعت۔۴ (محسن کاکوروی نمبر)	آفتاب کریمی	آفتاب اکیڈمی، کراچی

عبدالمنان طرزی (بھارت)

رفتگاں و قائماں (دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ)	عبدالمنان طرزی	نرالی دنیا پبلی کیشنز، نئی دہلی، بھارت

طارق رحمٰن فضلی (کراچی)

دبستانوں کا دبستان کراچی (تذکرہ)	احمد حسن صدیقی	فضلی بک سپر مارکیٹ، کراچی

انتخابِ کلام سلطان باہو	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفائنری لمیٹڈ
انتخابِ کلام بابا فرید	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفائنری لمیٹڈ
انتخابِ کلام شاہ حسین	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفائنری لمیٹڈ
انتخابِ کلام بلھے شاہ	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفائنری لمیٹڈ
نعتوں کا انتخاب	محبوب الرحمٰن انور	طیب پبلشرز، اردو بازار، لاہور

طاہر سلطانی (کراچی)

جہانِ حمد (شمارہ۔۱)	طاہر سلطانی	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
جہانِ حمد (شمارہ۔۱۲)	طاہر سلطانی	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
انتخابِ مناجات	طاہر سلطانی	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی

راجا رشید محمود (لاہور)

ماہنامہ ''نعت'' لاہور	شمارہ اپریل ۲۰۰۳ء (تسبیح نعت)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ''نعت'' لاہور	شمارہ جون ۲۰۰۳ء (صباحِ نعت)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ''نعت'' لاہور	شمارہ جولائی ۲۰۰۳ء (طرحی نعتیں)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ''نعت'' لاہور	شمارہ اکتوبر ۲۰۰۳ء (طرحی نعتیں)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ''نعت'' لاہور	شمارہ نومبر ۲۰۰۳ء (احرام نعت)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ''نعت'' لاہور	شمارہ جنوری ۲۰۰۴ء (ردائف نعت)	راجا رشید محمود
مناقبِ خواجہ غریب نوازؒ	راجا رشید محمود	مرکز معارفِ اولیا، لاہور

حفیظ تائب (لاہور)

کوثریہ (مجموعۂ نعت)	حفیظ تائب	القمر انٹرپرائزز، لاہور

قمر وارثی (کراچی)

پرتو ماہِ تمام (مجموعۂ نعت)	شوکت قادری	دبستانِ وارثیہ، کراچی
حاصلِ زندگی (مجموعۂ نعت)	سیّد شمس وارثی	دبستانِ وارثیہ، کراچی
وابستگی (انتخابِ نعت)	قمر وارثی	دبستانِ وارثیہ، کراچی

مولانا نثار علی اجاگر (کراچی)

سدا بہار نعتیں (انتخابِ نعت)	نثار علی اجاگر	دعوتِ اسلام پبلی کیشنز، کراچی

شبیر احمد انصاری (کراچی)

توثیق (مجموعۂ مضامین)	اطہر عباسی	حرا فاؤنڈیشن، کراچی
میثاق (مجموعۂ نعت)	سرشار صدیقی	حرا فاؤنڈیشن، کراچی

ڈاکٹر جاویدہ حبیب (بھارت)

ٹمل ناڈو میں نعت گوئی (تذکرہ)	علیم صبا نویدی	ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، بھارت

عبدالعزیز خالد (لاہور)

فارِقلیط (پانچواں ایڈیشن)	عبدالعزیز خالد	کتابستان بک گیلری، لاہور

صاحبزادہ تسلیم احمد صابری (کراچی)

سیّدنا (مجموعۂ نعت)	سلیم گیلانی	علم و عرفان پبلی کیشنز، لاہور
فیضانِ کرم (مجموعۂ نعت)	خواجہ عابد نظامی	الفیصل، اردو بازار، لاہور
سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ (انتخابِ نعت)	ہارون احمد یوسفی	اپنا ادارہ، لاہور

شاہِ انجم بخاری (حیدرآباد)

کجری (نعتیہ مجموعہ)	ظافر تشنہ	شاعر، حیدرآباد، سندھ

پروفیسر محمد اقبال جاوید (گوجرانوالہ)

قرآن حکیم اردو منظومات کے آئینے میں	پروفیسر محمد اقبال جاوید	علم و عرفان پبلشرز، لاہور